

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ أَوْ مُسْلِمَةٍ

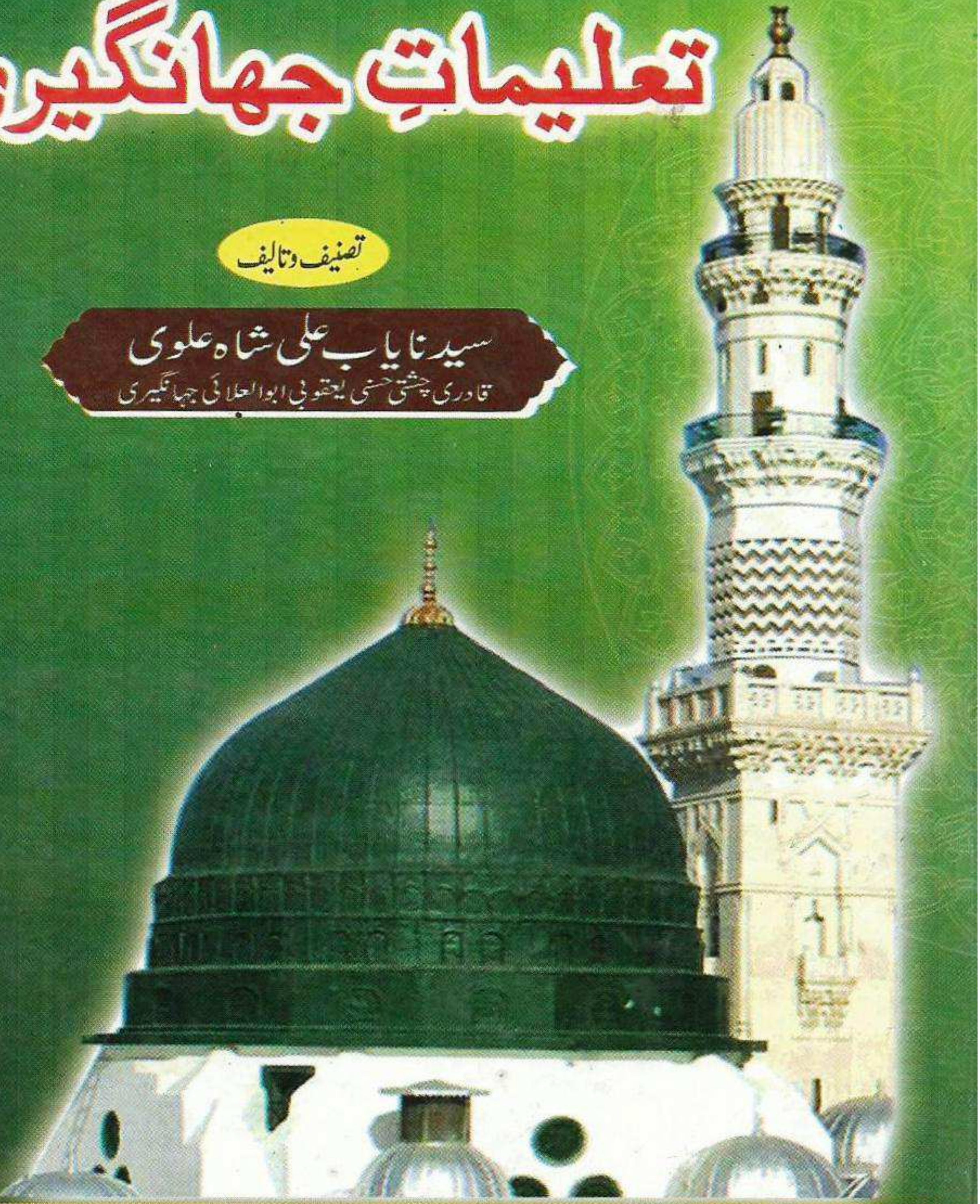
علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور مسلمان عورت پر فرض ہے۔

تعلیماتِ جہانگیری

تصنیف وتالیف

سید نایاب علی شاہ علوی

قادری چشتی حسنی یعقوبی ابوالعلائی جہانگیری



طلب العلم فريضة على كل مسلم و مسلمة

تعلیماتِ جہانگیری

تصنیف

سید نایاب علی شاہ علوی یعقوبی

نام کتاب	تعلیمات جہانگیری
مصنّف	سیّد نایاب علی شاہ علوی یعقوبی
مطبع	کاشف پرنٹرز ناظم آباد کراچی فون :- 021-36622666
ایڈیشن	اوّل
تعداد	ایک ہزار
کمپوزنگ	مؤمن فوٹو اسٹیٹ، کریم آباد، کراچی پاکستان
ھدیہ	-/200

ملنے کا پتہ:

صاحبزادہ سیّد نعمان علی شاہ نایابی یعقوبی

سجادہ نشین و خلیفہ مجاز

موبائل نمبرز:

0300-2549366, 0300-6984359

فہرستِ مضامین

انتساب

اس کتاب تعلیمات جہانگیری کو حضرت تاج العارفین جہانگیر رابع محمد کمال میاں کے اسم مبارک سے منسوب کرتا ہوں کہ جن کی کرم نوازیوں کے طفیل ہم کو مرکز جہانگیری (دربار شریف مرزاکھل) بنگلہ دیش کی زیارت کرنے کی سعادت حاصل ہوئی، آپ نے خصوصی طور پر ہم لوگوں کو حضرت شمس العارفین طٰحٰہ میاں کے عرس میں شرکت کرنے کے لئے بلایا اور جس خلوص و محبت کے ساتھ آپ نے غلامان جہانگیری کی مہمان نوازی کی وہ ہم بھول نہیں سکتے۔ مرکز جہانگیری میں آٹھ دن قیام رہا، ہم کو اور ہمارے ساتھیوں کو آپ روزانہ کی مرتبہ باریابی کا شرف بخشتے تھے، آپ نے خود بہ نفس نفیس ہم لوگوں کو اپنے ساتھ لے جا کر پورے دربار جہانگیری کے چپہ چپہ کی زیارت کروائی۔

عرس کی تقریبات میں ہم لوگوں کو اپنے قریب رکھا اور غسل مزار شریف کی سعادت سے بھی نوازا، آپ کی مہمان نوازی کا یہ حال تھا کہ آپ نے ہم لوگوں کے کھانے کے لئے دنیا جہاں کی نعمتیں منگوالیں۔ دستر خوان پر طرح طرح کے پھل، میوہ جات، مچھلی کی کئی اقسام، ہرن، نیل گائے، اونٹ، بیل، بکرا، مرغی اور طرح طرح کی سبزیاں نظر آتی تھیں، ان کھانوں میں حضرت فخر العارفین کے تالاب کے ایک فٹ لمبے جھینگے خاص طور پر شامل تھے۔

آپ کی عنایت خسروانہ سے عام اور خاص سب ہی مستفیض ہوتے ہیں، ایسا عرس اور ایسا لنگر ہم نے اس روئے زمین پر کہیں نہیں دیکھا اور نہ سنا، حضرت تاج العارفین کے فیضان کرم اور نگاہ کیمیا اثر کا جادو ہر خاص و عام کو اپنا گرویدہ بنالیتا ہے، یہ آپ کے اخلاق حمیدہ کی کرشمہ سازی ہے کہ آپ مرزاکھل میں رہ کر پورے برصغیر پر حکومت کر رہے ہیں، بنگلہ دیش کے عوام

سے لے کر وہاں کے وزیر و امیر، فوجی جرنیل تمام آپ سے دلی طور پر محبت رکھتے ہیں اور دربار جہانگیری میں جب آتے ہیں تو سجدہ تعظیمی بجالاتے ہیں۔ آپ کی عقیدت و محبت بنگال، آسام اور برما کے غیر مسلم لوگوں کے دلوں میں بھی قائم ہے۔

دربار جہانگیری کی عظمت و شوکت کو دیکھ کر راقم کو اپنا ایک شعر یاد آ گیا:

یارب صدا آباد رہے میرے ساقی کا میخانہ
رندوں کی یاں پہ خوب بن آئی بھر کے ملے پیمانہ

پیش لفظ

الحمد للہ کہ اس بابرکت کتاب کو لکھنے کی سعادت حاصل ہوئی جس کے لئے اللہ تعالیٰ کے لاکھ لاکھ شکر گذار ہیں کہ جس نے قدم قدم پر ہماری رہبری فرمائی اور شکر گذار ہیں اپنے پیرومرشد کے کہ جنہوں نے ہمیں یہ شعور عطا کیا۔

اس کتاب کی تصنیف سے پہلے 2010 میں ''شان یعقوبی'' کے عنوان سے ایک کتاب تحریر کی گئی تھی جس میں اعلیٰ حضرت پیرومرشد خواجہ محمد یعقوب علی شاہ کے حالاتِ زندگی اور تصوف کے مختلف موضوعات پر سیر حاصل معلومات رقم کی گئی تھیں، یہ کتاب اہل علم کے درمیان میں کافی مقبول ہوئی۔ دوستوں کے اصرار پر تعلیمات کے بارے میں کتاب لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی، لہٰذا ''تعلیمات جہانگیری'' کے عنوان سے یہ کتاب لکھی گئی، اللہ کے فضل وکرم سے یہ کتاب پائے تکمیل کو پہنچی، اس زمانے کے لحاظ سے ایسی کتابوں کی اشد ضرورت ہے کہ جو طریقت سے وابستہ لوگوں کے غلط اعمال وافعال کی اصلاح کر سکے، آج کل کی دنیائے طریقت میں کم علم اور جاہل لوگ صوفیوں کی بودوباش اختیار کر لیتے ہیں اور پیری مریدی میں علم وفضل سے ہٹ کر غلط طریقوں کا استعمال کرتے ہیں اور جس سلسلے سے وہ وابستہ ہوتے ہیں اس کی تعلیمات سے بہت دور ہٹ جاتے ہیں اور نتیجتاً پیری مریدی بدنام ہوجاتی ہے، ایسے پیروں کو دیکھ کر اہل علم ان کے قریب نہیں جاتے ہیں، صرف جاہل لوگ ہی ان کے ساتھ نظر آتے ہیں۔

اس کتاب کی تیاری میں بہت سے نادر روزگار کتابوں سے استفادہ کیا گیا، ان فاضل مصنفین پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت نازل کرے اور ان کے درجات بلند کرے کہ جن کی روشن کتابوں سے راقم نے مدد حاصل کی، حضرت سید انور علی شاہ صاحب جو ایک بڑے عالم دین اور مفسر ہیں

انکا تہہ دل سے شکر گذار ہوں کہ جن کے فاضل مشوروں نے اس کتاب کو جلاء بخشی، اللہ تعالیٰ انکو صحت کاملہ و عاجلہ عطا فرمائے اور انکو صحت و تندرستی کے ساتھ قائم و دائم رکھے......آمین۔

ہم ان تمام لوگوں کے تہہ دل سے مشکور ہیں اور دُعا گو ہیں کہ جنہوں نے اس کتاب کی طباعت کے سلسلے میں تعاون کیا اور دامے درمے سخنے اس کی تیاری میں حصہ لیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند کرے اور ان کے کاروبار میں برکت عطا فرمائے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دُعا گو ہیں کہ وہ تمام مسلمانوں کو شیطان کے شر سے اپنی پناہ میں رکھے اور راہِ سلوک اور شریعت اور طریقت میں ہم سب کو حضور سرکار دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام اولیاء کرام اور اپنے پیر و مرشد کے اسوۂ حسنیٰ کی صحیح طریقہ سے پیروی کرنے کی توفیق عطا کرے۔ آمین

وما علینا الا البلاغ المبین

خاک پائے مرشد

سید نایاب علی شاہ علوی یعقوبی

یکم نومبر 2012ء

حرفِ اول

کتنا احسان ہے اس رب کریم کا کہ جس نے ہم کو پیدا کیا اور انسان کو علم و حکمت اور عزت سے سرفراز کیا، قربان جائیں اس کی کرم نوازیوں کے کہ جس نے ہم جیسے بے علم کو اپنے علم کی روشنی سے رہبری اور راہنمائی عطا فرمائی، اس کے اس احسان عظیم کے دل و جان سے مشکور ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے اس احسان عظیم کا کس منہ سے شکر ادا کریں کہ اس نے ہم کو حضور سرکار دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں پیدا کیا اور ان کے ہی توسط سے دین اسلام عطا کیا اور ان ہی کو ہماری بخشش کا ذریعہ بنایا اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی کرم نوازی ہے کہ ہم کو مرشد کامل رہبر شریعت و طریقت اعلیٰ حضرت خواجہ محمد یعقوب علی شاہ سلطان الاولیاء کے دست حق پرست پر بیعت ہونے کا شرف حاصل ہوا، یہ آپ کے قدموں کی دھول اور تلوں کی خاک کا اثر ہے کہ ہم روسیاہ لوگوں کے چہروں میں چمک آ گئی ورنہ ایں چہ خاک نہ خاک دارد۔

مجھ روسیاہ پر کیا کتنا کرم جناب نے
چہرہ میں میرے بھر دیا اپنا ہی نور آپ نے

حضرت فخر العارفین شاہ عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی نظر کرم نے اعلیٰ حضرت خواجہ صوفی محمد حسن شاہ رحمۃ اللہ علیہ کو وہ شان عطا کی کہ جس سے ایک نئی شان کا ظہور ہوا اور پورے برصغیر میں سلسلہ جہانگیری کو وسعت اور ہمہ گیری حاصل ہوئی، سلسلہ قادری، چشتی، نقشبندی، سہروردی، ابوالعلائی جہانگیری مشرق سے لے کر مغرب تک پھیل گیا اور اس سلسلہ میں بڑے نامور جہانگیر پیدا ہوئے۔ حضرت خواجہ محمد یعقوب علی شاہ سلطان الاولیاء ان ہی جہانگیروں میں سے ایک ایسے جہانگیر تھے جو سلف الصالحین اور اولیاء کبار کے نقش قدم پر مکمل طور پر عمل پیرا تھے،

آپ حضرت شیخ العارفین اور حضرت فخر العارفین اور سلطان الاولیاء حضرت خواجہ محمد حسن شاہ کی سیرت کا مجسم پیکر تھے۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا گو ہیں کہ فقر و درویشی کے راستے میں اپنے پیر و مرشد کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا کرے اور ہمارے عقل و شعور، فہم و فراست میں معرفت الٰہی کو سمجھنے کی طاقت عطا فرمائے، مرشد کامل کے نقش قدم پر چلتے ہوئے بندگان خدا کی صحیح طور پر ہدایت واصلاح کرنے کی توفیق عطا کرے......آمین۔

بندۂ ناچیز

سید نایاب علی شاہ علوی

یکم نومبر 2012ء

تعارف تبصرہ نگار

جناب سید انور علی شاہ صاحب نے تعلیماتِ جہانگیری پر اپنا تبصرہ کر کے کتاب کے حُسن کو دوبالا کر دیا ہے، آپ حضرت میر شائق دہلوی کے پوتے ہیں، آپ کا خاندان علم و فضل میں بہت مشہور ہے، آپ کے جد امجد حضرت میر علی نقی نجف اشرف سے تشریف لائے تھے، حضرت میر شائق دہلوی کے والد حضرت میر محمد شفیع (میرن صاحب) بھی ایک مشہور استاد سخن تھے، آپ مصحفی، انشا، غالب، ذوق، مومن اور میر انیس اور میر دبیر کے ہم عصر تھے، میر شائق دہلوی نے بھی اپنے نوجوانی میں ان تمام اساتذہ فن کی صحبت پائی۔

حضرت سید انور علی شاہ صاحب جناب میر شائق دہلوی کے ہونہار پوتے ہیں، جنہوں نے علم وادب کے خاندانی ورثہ کی حفاظت کی اور کلیات شائق کے نام سے ایک کتاب پبلش کرائی جو حضرت میر شائق دہلوی کے کلام کا منتخب ذخیرہ ہے، جناب سید انور علی شاہ صاحب سپریم کورٹ کے ایڈوکیٹ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک متبحر عالم دین اور مفسر ہیں، آپ ایک قادر الکلام شاعر ہیں، آپ نے دین اور شریعت اور علم وادب کے میدان میں گراں مایہ خدمات انجام دیں، آپ کی اسلامی تعلیمات سے متعلق انگریزی اور اردو زبان میں تصنیفات و تالیفات غیر ممالک میں فروغ اسلام میں کافی مددگار ثابت ہوئیں۔

ایک نادر روزگار لُغت شائق اللغات کے نام سے لکھی جس کو جناب انور علی شاہ صاحب نے پبلش کرایا۔ آپ نے مشکوٰۃ شریف کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے، اسلامی فقہ پر انگریزی زبان میں ڈھائی ہزار صفحات پر محیط الفقہ کے عنوان سے ایک کتاب جو پانچ جلدوں پر مشتمل ہے لکھی جس میں پہلی جلد تعارف ہے دوسری عبادات اور تین جلدیں معاملات پر مشتمل ہے۔ سیرت النبی کے عنوان سے ایک کتاب انگریزی میں لکھی جو پانچ جلدوں پر مشتمل ہے جس کے ڈھائی ہزار صفحات ہیں، ۲ جلدوں میں سیرت اور ۳ جلدوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ہیں، آپ کے دو شعری مجموعے بوٹم اور خورشید ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ آپ کے وجود کو صحت کے ساتھ قائم رکھے اور جس طرح یورپ اور امریکہ میں آپ کی تصنیفات سے وہاں کے نومسلم فیض یاب ہو رہے ہیں یہ سلسلہ جاری رہے۔ آمین

سید نایاب علی شاہ

قادری چشتی نقشبندی ابوالعلائی جہانگیری

تعلیماتِ جہانگیری (تبصرہ)

شانِ یعقوبی پر اس ناچیز کا تبصرہ پسند فرمانے کے بعد حضرت قبلہ سید نایاب علی شاہ صاحب مدظلہ العالی نے اپنی نئی اور نایاب تصنیفِ لطیف ''تعلیماتِ جہانگیری'' پر بھی اظہارِ خیال کے لئے فرمایا ہے، حالانکہ یہ ناچیز عالم ہے نہ صوفی مگر نظر کرم کو کیا کیجئے جس پر بھی ہو جائے، بہرحال اپنی کم علمی کے باوجود اپنی بساط کی حد تک اس نایاب تصنیف پر بھی اظہارِ خیال کی جرأت کر رہا ہوں گر قبول اُفتد، چونکہ تعلیمات کا تعلق علم سے ہے اس لئے مناسب ہوگا کہ پہلے علم کے متعلق بھی کچھ عرض کر دیا جائے۔

علم

علم کے لغوی معانی جاننے کے ہیں مگر عُرف عام میں نہ ہر جاننا علم کہلاتا ہے اور نہ ہر جاننے والے کو عالم کہا جاتا ہے، مثلاً کھانا پکانا بھی ایک علم ہے مگر نہ اس کو علم کہا جاتا ہے اور نہ کھانا پکانے والا عالم کہلاتا ہے بلکہ اس کو باورچی کہتے ہیں، اسی طرح کپڑے دھونے والا دھوبی، کپڑے سینے والا درزی اور جوتے گانٹھنے والا موچی کہلاتا ہے، اسی طرح مادی علوم بھی نہ علم کہلاتے ہیں اور نہ اُن کے جاننے والے کو عالم کہتے ہیں مثلاً امراض کی تشخیص اور اُن کا علاج بھی ایک علم ہے مگر نہ اس کو علم کہتے ہیں اور نہ اُس کے جاننے والے کو عالم کہتے ہیں بلکہ اس علم کو علم طب اور اس کے معالج کو طبیب کہتے ہیں، اسی طرح ستاروں کا علم نجوم اور ان کے جاننے والے کو نجومی کہتے ہیں اور سائنسی علوم جاننے والے کو سائنسدان اور فلسفہ کے علوم کو جاننے والے کو فلسفی کہتے ہیں، دراصل یہ سب علوم نہیں بلکہ فنون ہیں اس کا تعلق دنیاوی زندگی سے ہے۔ علم دراصل معرفت کا علم ہے یعنی توحید رسالت، آسمانی کتابوں، فرشتوں، تقدیر، قیامت، جنت اور دوزخ کا علم اور درحقیقت صحیح

معنوں میں یہ ہی علم ہے۔ اس علم پر نہ انسانی عقل وفہم کو دسترس حاصل ہے اور نہ یہ علم کسی انسان کی کوشش سے ازخود حاصل ہوسکتا ہے، اس علم کا ماخذ دراصل صرف اور صرف وحی الٰہی ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کے ذریعے یہ علم اپنے بندوں کو عطا کرتے ہیں۔

اس علم کے تین درجے ہیں یعنی (١) علم الیقین (تکاثر آیت نمبر ٥) (٢) عین الیقین (تکاثر آیت نمبر ٧) اور (٣) حق الیقین (الواقعہ آیت نمبر ٩٥، الحاقۃ آیت نمبر ٥١) پہلے علم کا تعلق علمِ غیب سے ہے یعنی اللہ کے نبی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا اُس پر بغیر دیکھے ایمان لانا، دوسرے علم کا تعلق مشاہدہ سے ہے اور تیسرے علم کا تعلق حقیقت سے ہے۔

اول الذکر یعنی علمِ یقین شریعت کی بُنیاد ہے اور آخر الذکر دونوں کا تعلق طریقت اور حقیقت سے ہے اور یہ دونوں تصوف کی بُنیادیں ہیں اور دراصل یہ تینوں علوم کلمۂ توحید میں موجود ہیں، چنانچہ لَآ اِلٰہ طریقت اور اِلّا اللہ حقیقت کی بنیاد ہے اور محمد رسول اللہ شریعت کی بُنیاد یہ اور عمل طریقت اور حقیقت دونوں کی بُنیاد شریعت ہے، اس لئے کہ دراصل شریعت سے طریقت اور طریقت سے حقیقت تک رسائی ممکن ہوتی ہے یعنی بغیر شریعت نہ طریقت ہے نہ حقیقت اس کی ایک معمولی مثال یہ ہے کہ ایک گڑھا پانی کا سامنے رکھا ہے عمر زید سے کہتا ہے کہ اِس گڑھے میں پانی ہے جو پیاس کو تسکین دیتا ہے زید اس بات کو مان لیتا ہے یہ علم یقین یا علمِ غیب ہے، اس کے بعد آگے بڑھ کر عمر زید کو گڑھے کے قریب لاتا ہے اور زید اُس میں پانی کو دیکھتا ہے یہ عین الیقین ہے یعنی مشاہدے کا علم، اس کے بعد اور آگے بڑھ کر عمر زید کو گڑھے میں سے ایک گلاس پانی لے کر پلا دیتا ہے اور اُس سے زید کو تسکین حاصل ہو جاتی ہے یہ حق الیقین ہے یعنی حقیقت کا علم۔

علمِ شریعت کے جاننے والے عالم کہلاتے ہیں اور علومِ طریقت اور حقیقت کے جاننے والوں کو اولیاء اللہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، یہ حضرات اپنے فقر و فاقے، توکّل علی اللہ، ریاضتوں اور مُجاہدوں کے ذریعے روحانیت کے اعلیٰ مقامات حاصل کر لیتے ہیں اور اپنے خاص الخاص مُریدوں کو بھی بشرطِ صلاحیت اپنی تعلیم اور تربیت کے ذریعے اعلیٰ روحانی مقامات

تک پہنچا دیتے ہیں۔

علم شریعت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل عام مسلمانوں کے لئے ایک مکمل ضابطۂ حیات عطا کر دیا ہے جس پر پوری طرح خلوصِ نیت کے ساتھ عمل کر کے وہ دنیا اور عقبیٰ دونوں کی فلاح اور کامرانی حاصل کر سکتے ہیں، چنانچہ عام مسلمانوں کے لئے علم طریقت اور حقیقت کا حصول لازمی اور ضروری نہیں ہے اور نہ ہر آدمی میں اس کو حاصل کرنے کی صلاحیت اور ہمت ہوتی ہے لیکن اگر کوئی مسلمان روحانی ترقی کا خواہشمند ہو اور طریقت اور حقیقت کی منزلیں طے کرنا چاہے تو بہ شرطِ صلاحیت اور ہمت اللہ کے برگزیدہ بندے ان علوم کے ذریعے اس کی رہنمائی کرتے ہیں اور اس کو اولیاء اللہ کے مقام تک پہنچا دیتے ہیں۔

اللہ کے انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے شریعت، طریقت اور حقیقت کے جُملہ علوم عطا فرما دیتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام اور بالخصوص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقوں پر عمل کر کے اولیاء اللہ روحانی درجات حاصل کرتے ہیں اور اُنہیں روحانی علم کے ایسے خزانوں تک رسائی حاصل ہو جاتی ہے کہ اُن کی زبانِ فیض ترجمان سے نکلے ہوئے کلمات عام انسانوں کے لئے عالمگیر افادیت کا سبب بن جاتے ہیں اور ہر دور میں انسانوں کی رہنمائی کرتے ہیں چنانچہ اللہ کے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ کے ملفوظات ہی دراصل تعلیماتِ جہانگیری کی زینت ہیں۔

تعلیماتِ جہانگیری

اس نایاب تصنیف میں مصنف موصوف نے سالہا سال کی محنت کے بعد ایک عظیم ریسرچ کے نتائج پیش کئے ہیں، اس میں سب سے پہلے لفظ جہانگیر کی تعریف اور تشریح کی گئی ہے یعنی ایسی شخصیت جو سارے عالم پر حاوی ہو جائے، اس مقصد کے لئے انہوں نے عالمگیر شخصیتوں کو دو گروہوں یعنی اہلِ دنیا اور اہلِ دین میں تقسیم کیا ہے اور بتایا ہے کہ دنیاوی عالمگیریت نے

صرف جسموں پر وقتی اور دینی عالمگیریت نے ہمیشہ دلوں پر اور دائمی حکومت کی ہے۔ دنیاوی حکمرانوں میں مصنف نے عالمگیر حکومت کے چار بادشاہوں کا ذکر کیا ہے جن میں دو کافر تھے یعنی نمرود اور بخت نصر اور دو مسلمان یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت سکندر ذوالقرنین جن کی حکومت اپنے وقت پوری دنیا پر محیط تھی۔

دینی حکمرانوں میں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ کا ذکر کیا ہے ان میں سب سے پہلے مہاتما گوتم بدھ کی تعلیمات پیش کی ہیں جن کے ماننے والے آج بھی دنیا میں کروڑوں کی تعداد میں موجود ہیں لیکن یہ طے نہ ہو سکا کہ مہاتما گوتم بدھ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے یا نہیں؟ مصنف موصوف غالباً ہندوستان کے ایک مشہور و معروف محقق اور عالم مولانا مناظر احسن گیلانی کی تحقیق سے متفق معلوم ہوتے ہیں، کفل دراصل کپل وستو کا عربی بدل ہے، کپل وستو ہندوستان کا ایک شہر تھا جو آج کل گورکھ پور کہلاتا ہے، چونکہ مہاتما گوتم بدھ کپل وستو میں پیدا ہوئے تھے اس لئے انہیں قرآنِ پاک میں ذوالکفل کہا گیا ہے مگر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مطابق کفل ایک چھوٹا سا شہر تھا جو نجف اور حیلہ (بابل) کے درمیان واقع تھا اور وہاں حضرت ایذاخیل نبی کی قبر تھی جو بنی اسرائیل میں نبی ہوئے ہیں اور وہاں ہر سال مسلمان اور یہودی اُن کی قبر پر حاضری دیتے تھے، چنانچہ قرآن میں جس ذوالکفل کا ذکر ہے وہ دراصل ایذاخیل نبی ہیں، اِس رائے کا اظہار جیوش انسائیکلوپیڈیا نے بھی کیا ہے اور اس رائے کو انگریزی زبان کے مفسرین قرآن عبداللہ یوسف علی اور مولانا عبدالماجد دریا آبادی اور اردو زبان کے مفسر قرآن سید ابوالعلیٰ مودودی نے بھی تفہیم القرآن میں اختیار کیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مہاتما گوتم بدھ کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کا ذکر ہے اور اسی سلسلے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کے متعلق اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ اگرچہ وہ نبی نہیں تھیں مگر نبیوں کے مقام تک تھیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن سے بلاواسطہ خطاب فرمایا ہے۔ (مریم، آیت نمبر ۲۴ تا ۲۶)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا ذکر بجا طور پر تفصیل کے ساتھ کیا ہے، دراصل بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعے جو آسمانی کتابیں یعنی تورات، زبور اور انجیل کی صورت میں عطا کی تھیں وہ اُنہوں نے نہ صرف یہ کہ محفوظ نہیں رکھیں بلکہ اُن میں اپنی من مانی تبدیلیاں بھی کر لی تھیں۔ (بقرہ آیت نمبر ۷۵ اور ۷۹)

اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ قرآن پاک کی صورت میں ازسرِ نو ایک مکمل اور پچھلی تمام آسمانی کتابوں کی اصل تعلیمات پر مشتمل (مائدہ آیت نمبر ۴۸) صحیفہ نازل فرمایا ہے اور خود ہی اس کی حفاظت کا ذمہ بھی لیا (حجر آیت نمبر ۹ اور قیامۃ آیت نمبر ۱۷ تا ۱۹) چنانچہ یہ کتاب ہر قسم کی تبدیلی سے محفوظ ہے تا قیامت اور رہے گی اور اُس کی تشریح اور اُس کے احکامات پر عمل کے طریقے خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و فعل سے بتائے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی صورت میں آج بھی موجود ہیں اور تا قیامت رہیں گے اور مخلوقِ خدا کی رہنمائی کرتے رہیں گے، چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ مبارک پوری تفصیل کے ساتھ نہایت ضروری تھا۔

مصنفِ موصوف نے اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مشہور و معروف غیر مسلم مصنفین اور محققین کے نظریات بھی اُن کی اپنی مستند کتابوں کے حوالوں کے ساتھ پیش کئے ہیں، جن سے اس کتاب کی افادیت میں مزید اضافہ ہوا ہے۔

حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے اولیاء اللہ نے بھی مخلوقِ خدا کی رہنمائی کا حق ادا کیا ہے، اس لئے اولیاء اللہ کی تعلیمات کا ذکر بھی نہایت ضروری تھا، لہٰذا مصنف موصوف نے ہر دور کے اکابر اولیاء اللہ کی تعلیمات کا ذکر بجا طور پر پوری تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔

تعلیمات کے علاوہ مصنف نے تصوف کی مخصوص اصطلاحات مثلاً زہد و تقویٰ، تواضع،

توکل، حسنِ اخلاق، شکر، صدق وغیرہ پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے، نیز پیری مریدی کی حقیقت بھی واضح کی ہے اور اِس سلسلے میں سماع کی نوعیت اور اہلِ تصوف کے لئے اُس کی ضرورت پر بھی روشنی ڈالی ہے اور صوفیائے خام کی غلطیوں کی نشاندہی بھی کی ہے جن کی غلط روش تصوف کے لئے بدنامی کا سبب بنی، اِس کے بعد اپنے پیرو مرشد حضرت قبلہ یعقوب علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حیات اور طرزِ زندگی پر بھی لکھا ہے، آخر میں اپنے سلسلے کے اذکار کا ذکر بھی کیا ہے جو اہلِ سلسلہ کے لئے ضروری تھا۔

مصنف موصوف نے دراصل تعلیماتِ جہانگیری میں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ کی تعلیمات کا ایک بیش بہا خزانہ جمع کر دیا ہے، کتاب کی زبان نہایت سادہ اور آسان ہے جو ہر پڑھنے والا آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے اور اپنی زندگی کو کامیاب بنانے کے لئے اُن پر عمل کر سکتا ہے۔

میں نے اس تبصرے کے شروع میں ہی اس کتاب کو نایاب لکھا ہے اس لئے کہ میری اپنی معلومات کی حد تک تاحال اتنے اکابرین اسلام کی تعلیمات پر مشتمل ایک اتنی جامع اور مکمل تصنیف وجود میں نہیں آئی ہے، درحقیقت یہ کتاب ایک عظیم محققانہ تصنیف ہے جس سے بے شمار مخلوقِ خدا کو فائدہ پہنچے گا، ان شاء اللہ۔

مصنف موصوف اس کتاب کے لکھنے پر مبارکباد کے مستحق ہیں، اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مصنف موصوف کی اس عظیم دینی خدمت کو قبول فرمائے اور اس کے لئے اُن کو بہتر جزا عطا فرمائے۔ آمین

بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

خاکپائے اولیاء

اختر العباد سید انور علی

۲۸ محرم الحرام ۱۴۳۴ھ، ۲۰۱۲ء

تعلیمات جہانگیری

زیرِ نظر کتاب ''تعلیمات جہانگیری'' ان لوگوں سے متعلق ہے جو اس روئے زمین پر یا اس کے کسی خطہ پر حکومت کرتے تھے، ان میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے کہ جنکی حکومت دنیا یا دنیا کے کسی ملک پر نہ تھی لیکن وہ تمام عالم کے لوگوں کے دلوں پر اور ان کی روح پر حکومت کرتے تھے، یہ کتاب ایسی ہی برگزیدہ ہستیوں اور ان کی تعلیمات سے متعلق ہے۔

قارئین کرام! تعلیمات کے ذکر سے پہلے یہ ضروری ہے کہ لفظ جہانگیری کی تشریح کردی جائے۔ ''جہاں'' کہتے ہیں دنیا کو اور ''گیری'' کے معنی ہیں قابو کرنا یا قابو میں رکھنا یا ساری دنیا پر حکومت کرنا، ایسے شخص کو ''جہانگیر'' کہتے ہیں، تاریخ عالم میں ایسی چار شخصیات گذری ہیں کہ جن کی حکومت ساری دنیا پر قائم تھی، جن میں دو جہانگیر مومن تھے اور دو کافر تھے۔ جن کی حکومت مشرق سے لے کر مغرب تک پھیلی ہوئی تھی اور روئے زمین پر قائم تمام چھوٹی چھوٹی ریاستیں ان شہنشاہوں کے زیرِ نگیں تھیں۔

جیسا کہ جہانگیروں کے بارے میں بتایا جا چکا ہے کہ یہ دو قسم کے ہوتے ہیں۔ پہلی قسم اُن جہانگیروں سے متعلق ہے جو دنیا پر یا دنیا کے کسی بڑے حصہ پر حکومت کرتے تھے ان کی جہانگیریت، ان کے رعب و دبدبہ، جاہ و حشم، شان و شوکت سے قائم رہتی تھی، لیکن جب ان کی حکومت ختم ہوگئی یا وہ اس دنیا سے انتقال کرگئے تو ان کے جانے کے بعد ان کی جہانگیریت بھی ختم ہوگئی۔ تاریخ کے اوراق پر ایسے جہانگیروں کا ذکر آتا ہے کہ جنہوں نے اچھے کام کئے، مورخین انکو اچھے الفاظ میں یاد کرتے ہیں، ورنہ ایسے جہانگیر کہ جو ظالم و جابر تھے، مخلوق خدا کو تنگ کرتے تھے، مورخین ان کے ظلم و جبر اور فرعونیت کو بُرے الفاظ میں یاد کرتے ہیں۔ دنیا سے انکا نام و

نشان بھی مٹ جاتا ہے۔نمرود،فرعون، چنگیز خان، ہلاکواور دیگر ظالم وجابر بادشاہوں کے نام اس وقت سننے میں آتے ہیں جب ظلم کی کوئی داستان چھڑتی ہے، دنیا سے ان کے نام ونشان بھی مٹ گئے اوران کی دنیاوی جہانگیریت فنا ہوگئی۔

جہانگیروں کی دوسری قسم ایسے جہانگیروں سے متعلق ہے کہ جولوگوں کے دلوں پر حکومت کرتے تھے، ان کی ہمہ گیر سحر انگیز شخصیت لوگوں کے دلوں میں گھر کر جاتی تھی، وہ مکارم اخلاق کا اعلیٰ وارفع نمونہ ہوتے تھے، ان کے کرداراوران کے اخلاق کی مقناطیسیت لوگوں کے دلوں کواپنی طرف کھینچ لیتی تھی، ان کی محبت وعقیدت سے اس زمانے کےلوگ ہی سرشار نہیں تھے بلکہ آنے والے زمانے کےلوگوں میں بھی ان کی محبت وعقیدت، ادب واحترام اس حد تک ہوتا تھا کہ ان کے وصال کےسینکڑوں سال بعد بھی ان برگزیدہ ہستیوں کے مزارات تا قیامت لوگوں کے لئے مرجع خلائق بن گئے ہیں اور صدیاں گذر جانے کے باوجود ان کے مزارات پر ان کے چاہنے والے پروانوں کی طرح ان کی زیارت کرنے کے لئے آتے رہتے ہیں۔

دنیاوی جہانگیریت اور ملک گیری کے لئے فوج اور طاقت کی ضرورت ہوتی ہے، فوجی طاقت کے بل بوتے پر دنیا کے ممالک کو فتح کر کےان پر اپنا تسلط قائم کیا جاتا ہے، جاہ وحشم، رعب ودبدبہ دنیا کی قوموں کومحکوم بنالیتا ہے، لیکن لوگوں کے دلوں کو فتح نہیں کرسکتا۔اصل جہانگیریت وہ ہے جولوگوں کے دلوں کواپنے قابو میں کرلیتی ہے۔جب مخلوق خدا کے دلوں میں ان جہانگیروں کے لئے محبت،ادب واحترام پیدا ہوتا ہےتومخلوق خدا ہمیشہ کے لئے ان کے تابع ہوجاتی ہے۔

دلوں پراور روح پرحکومت کرنے والے جہانگیروں کا کرداراوران کی تعلیمات مذکورہ خوبیوں سے آراستہ وپیراستہ ہوتی ہیں، انکا حسن اخلاق ان خوبیوں سے مرصّع ہوتا ہے، عبادت وریاضت، دیانت، شجاعت، سخاوت، مساوات، صداقت، عفوودرگذر، صلہ رحمی، ایثار، حلم، تقویٰ، لطف وکرم، احسان وعاجزی، عدل وانصاف، صبر ورضا۔ یہ تمام خوبیاں دلوں کی فتوحات کے

لئے ضروری ہوتے ہیں، ایسے جہانگیر کہ جو دنیا پر یا کسی ملک پر حکومت کرتے تھے انہوں نے ان خوبیوں کو اپنا لیا وہ بہت کامیاب جہانگیر ہوئے ہیں، ان کے نام تاریخ کی کتابوں میں روشن ہیں، ان کے دور کے عوام کے دلوں میں ان کے لئے محبت وعقیدت موجزن تھی اور آنے والے زمانے میں بھی وہ اپنے اچھے کاموں اور کامیاب جہانگیریت کی وجہ سے زندہ جاوید ہوگئے ہیں، ہر دور میں انکو اچھے الفاظ میں یاد کیا جاتا ہے۔

مومن جہانگیروں میں ایک جلیل القدر ہستی ''حضرت سلیمان علیہ السلام'' کی ہے کہ جن کی حکومت اس روئے زمین کی تمام مخلوقات پر قائم تھی، آپ دنیا کی مخلوقات کے علاوہ ہواؤں پر بھی قدرت رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کی ہر چیز کو آپ کے تابع کر دیا تھا، تمام چرند پرند جنات سب آپ کے حکم کے منتظر رہتے تھے، انسانوں کے علاوہ آپ تمام مخلوقات سے کام لیتے تھے، بے شک آپ ایک عظیم الشان جہانگیر تھے جن کا ذکر قرآن حکیم فرقان مجید کے علاوہ انجیل مقدس میں بھی آیا ہے۔

دوسرے مومن جہانگیر ''سکندر ذوالقرنین'' تھے انکا بھی ذکر قرآن حکیم میں آیا ہے، سو سال کے عرصہ کو ''قرن'' کہتے ہیں، چونکہ آپ نے دوسو سال سے زائد عمر پائی، اس لئے آپ کو ذوالقرنین کہتے ہیں۔

بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ قرن سینگ کو کہتے ہیں چونکہ آپ کے سر پر دو گمڑے سینگ کی مانند اُٹھے ہوئے تھے، اس لئے آپ ذوالقرنین مشہور ہوگئے واللہ اعلم۔ الغرض آپ ایک بہادر صاحب کردار عظیم المرتبت جہانگیر تھے، آپ ساری عمر مخلوق خدا کی بھلائی کے لئے کام کرتے رہے، آپ نے ایک سرکش قوم یاجوج ماجوج کے ظلم سے لوگوں کو بچایا اور ان کو شکست دے کر مظلوم لوگوں کو ہمیشہ کے لئے ان کے ظلم وستم سے نجات دی اور دیوار قائم کر دی جس کو سد سکندری کہتے ہیں اور اس دیوار کی تعمیر ہونے کے بعد یاجوج ماجوج کے ظلم سے لوگوں کو ہمیشہ

کیلئے نجات مل گئی۔

کافر بادشاہوں میں پہلے نمبر پر 'نمرود' ہے جس کی حکومت دنیا کے ایک بہت بڑے حصہ پر قائم تھی، یہ ظالم و جابر بادشاہ تھا اور خدائی کا دعویٰ کرتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جو ایک جلیل القدر اللہ کے رسول تھے انہوں نے نمرود سے مناظرہ کیا اور اس کے دعویٰ کو جھوٹا ثابت کیا، آپ نے لوگوں کو وحدانیت کی تعلیم دی اور دین حنیف کی تبلیغ میں طرح طرح کی مصیبتیں اُٹھائیں، کافروں اور مشرکین نے آپ کو ایذائیں دیں لیکن بت پرستی کے خلاف آپ نے سینہ سپر ہو کر انکا مقابلہ کیا، حتیٰ کہ نمرود آپ کا جانی دشمن ہو گیا اور طرح طرح کے ہتھکنڈے اور ظالمانہ طریقے آپ کو تنگ کرنے کے لئے استعمال کرنے لگا۔ آخر کار ایک دن اس نے آپ کو دہکتی ہوئی آگ میں پھینکوا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ اور محبوب نبی کو اس آگ سے معجزانہ طریقے سے محفوظ رکھا۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جب آپ صحیح وسلامت آگ سے باہر آئے تو معجزہ دیکھ کر کافی لوگ آپ پر اور آپ کے خدا پر ایمان لے آئے، لیکن نمرود کو ایمان نصیب نہیں ہوا، ایک دن ایک مچھر اس کی ناک میں گھس گیا اور دماغ تک پہنچ گیا۔ جب سر میں درد ہوتا تو وہ اپنے نوکروں اور خادموں سے سر پر جوتے پڑواتا تھا۔ ایک چھوٹے سے مچھر نے اس کے پندار غرور کو ملیا میٹ کر دیا اور لوگوں نے دیکھ لیا کہ خدائی کا دعویٰ کرنے والا نمرود ذلیل و خوار ہو کر اسی حالت میں جہنم واصل ہو گیا اور اس دنیا سے اسکا نام ونشان مٹ گیا۔

دوسرا کافر شہنشاہ 'بخت نصر' تھا جسکی حکومت مشرق سے لے کر مغرب تک پھیلی ہوئی تھی، اسکا پایہ تخت بابل تھا جو موجودہ عراق میں واقع ہے، اس زمانے میں یہ دنیا کا سب سے بڑا متمدن شہر تھا۔ ہند سے لے کر بلاد مغرب تک افریقہ اور ایشیا کی تمام ریاستیں اس کی محکوم تھیں اور سالانہ خراج ادا کرتی تھیں، اس کے زمانے میں بنو اسرائیل ایشیا اور افریقہ کے کافی علاقے میں

پھیل چکے تھے، مختلف شہروں میں ان کی آبادیاں قائم تھیں۔ بخت نصر بہت بہادر لیکن ظالم و جابر بادشاہ تھا، کافر ہونے کے باوجود نیک لوگوں کی عزت کرتا تھا۔

جب بنواسرائیل طاقت ور ہو گئے تو انہوں نے بخت نصر کی سیادت سے انکار کر دیا اور اس کی نافرمانی کرنے لگے، یہاں تک کہ سرحدی علاقوں میں لوٹ مار بھی کرتے تھے، جب ان کی چیرہ دستاں حد سے تجاوز کر گئیں تو ان کو سبق سکھانے کے لئے بخت نصر ایک قہر اور عذاب کی طرح بنواسرائیل پر حملہ آور ہو گیا اور کچھ ہی دن میں بنواسرائیل کی تمام بستیاں تاراج کر دیں، بنواسرائیل بُری طرح تباہ و برباد ہو گئے، ایک لاکھ بنواسرائیل کو جنگ کے دوران ہلاک کر دیا اور ایک لاکھ کو مختلف علاقوں میں دربدر کر دیا گیا اور ایک لاکھ جوان اور بچے قید کر کے اپنے ساتھ لے گیا، یہ پچاس برس تک بابل میں اسکی قید میں رہے۔ انہی قیدیوں میں بنواسرائیل کے نبی ''حضرت عزیر علیہ السلام'' بھی تھے جنکی شرافت اور پاکیزگی کو دیکھ کر وہ ان سے متاثر ہوا، اور انکو باعزت طور پر قید سے رہا کر دیا۔ یہ اپنے وطن 'فلسطین' واپس چلے گئے۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ جب بنواسرائیل بہت سرکش ہو گئے تھے، ویسے تو بنواسرائیل بدعہدی، نافرمانی اور ظلم میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، انہوں نے اپنے نبیوں اور رسولوں کی نافرمانی کی اور اللہ اور اس کے رسولوں کی نافرمانی میں وہ حد سے زیادہ بڑھ گئے، انہوں نے اپنے نبیوں اور رسولوں کو طرح طرح سے دکھ پہنچائے، جب وہ ان لوگوں کو گمراہی سے نکالنے کے لئے تبلیغ کرتے تھے اور راستی کی طرف لے جانے کی کوشش کرتے تھے تو یہ انکو ایذائیں پہنچا کر ہلاک کر دیتے تھے۔ کسی نبی کو پتھروں سے ہلاک کیا تو کسی کو آرے سے کاٹا گیا اور کسی نبی کا سرتن سے جدا کر دیا گیا جبکہ وہ نبی سجدہ کی حالت میں اپنے رب کے حضور خشوع و خضوع کے ساتھ عبادت و ریاضت میں مشغول تھے۔

بخت نصر کے کردار میں دو طرح کی خصوصیات موجود تھیں، ایک طرف وہ ظالم و جابر

بادشاہ تھا اور کافر تھا اور دوسری طرف وہ اللہ کے نیک اور برگزیدہ بندوں کی عزت کرتا تھا، اس کے زمانے کے آخری دور میں بنواسرائیل کے ایک نبی ''حضرت یرمیاہ علیہ السلام'' تھے جن کی شرافت اور بزرگی سے وہ متاثر ہوا اور انکو باعزت بابل میں مہمان رکھا، پھر اُس نے آپ سے کہا کہ حضور آپ کی کوئی خواہش ہو تو بیان کریں، آپ نے کہا کہ اے بخت نصر! میری قوم بنواسرائیل حد سے زیادہ نافرمان قوم ہے، ہم دعا کرتے ہیں اللہ اس قوم کو ہدایت دے۔ آپ نے کہا کہ میں اپنی قوم کی تباہی اور بربادی پر غمگین ہوں اگر تو میری قوم کو رہا کردے تو اللہ تجھ کو اسکا اجر عطا کرے گا۔ آپ کی سفارش پر بخت نصر نے بنواسرائیل کو آزاد کردیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام

تاریخ عالم میں ایک ایسے جہانگیر کا ذکر بھی ہے جو اتنے عظیم المرتبت تھے کہ انکا ذکر تورات، زبور، انجیل اور قرآن مقدس چاروں کتابوں میں آیا ہے۔قرآن حکیم میں سب سے زیادہ ذکر انہی کا آیا ہے، یہ ذات گرامی عالی قدر جناب ''حضرت موسیٰ علیہ السلام'' کی ہے کہ جن سے اللہ تعالیٰ کلام فرماتا تھا اور وہ بھی اللہ تعالیٰ سے کلام کرتے تھے، اسی لئے انکو ''موسیٰ کلیم اللہ'' کہتے ہیں۔

آپ نے ایک ایسے کافر بادشاہ کے سامنے کلمہ حق بلند کیا کہ جو خدائی کا دعویدار تھا، یہ فرعون تھا جسکی حکومت افریقہ کے اور ایشیا کے بہت سے ممالک میں پھیلی ہوئی تھی، فرعون بہت ظالم و جابر بادشاہ تھا، اپنے عوام پر طرح طرح کے ظلم کرتا تھا، اس کے جادوگروں اور کاہنوں نے اسکو بتایا کہ بنواسرائیل میں ایک ایسا بچہ پیدا ہوگا جو بڑا ہوکر تیری حکومت اور تیری خدائی کو ختم کرے گا۔اس دن سے فرعون بہت پریشان تھا چنانچہ بنواسرائیل میں جو بھی لڑکا پیدا ہوتا وہ اسکو مروادیتا تھا۔اس طرح سے ہزاروں لڑکے ماردیئے گئے، یہ ظلم و جبر کی انتہا تھی۔

جب آپ پیدا ہوئے تو آپ کی والدہ ماجدہ (یوخاند) بہت پریشان ہوئیں اور کچھ عرصہ آپ کو دنیا کی نگاہوں سے چھپا کر آپ کی پرورش کرتی رہیں، آخر ایک دن اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے بچہ کو لکڑی کے صندوق میں بند کر کے دریائے نیل کے حوالہ کردیا اور اللہ سے دُعا کی کہ اس کو اپنی حفظ و امان میں رکھنا۔ یہ صندوق دریا میں بہتے ہوئے فرعون کے محل کے پاس سے گزرا، اس وقت فرعون اور اس کی بیوی حضرت آسیہ دریا کا نظارہ کررہی تھیں، جب انہوں نے دریا میں صندوق تیرتا ہوا دیکھا تو اپنے خدام کو بھیج کر صندوق کو باہر نکلوایا، جب صندوق کھولا گیا تو اس میں

ایک حسین وجمیل بچہ لیٹا ہوا انگوٹھا چوس رہا تھا۔ فرعون بچہ کو دیکھتے ہی آپے سے باہر ہو گیا، ابھی وہ اسکو قتل کروانا ہی چاہتا تھا کہ فرعون کی بیوی حضرت بی بی آسیہ آڑے آگئیں اور کہنے لگیں یہ ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک اور بڑھاپے کا سہارا بنے گا، بچہ کے لئے آپ کی محبت اور تڑپ دیکھ کر فرعون نے آپ کی بات مان لی اور اس طرح آپ محل میں رہنے لگے، آپ کے لئے ایک دودھ پلانے والی عورت کا انتظام کیا گیا، یہ تقدیر کی خوبی تھی یا مشیئت ِ ایزدی کہ وہ دودھ پلانے والی عورت آپ کی حقیقی والدہ محترمہ تھیں۔

آپ جب بڑے ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت پر سرفراز کیا، آپ اپنی قوم بنو اسرائیل کو تبلیغ کرنے لگے، آپ کی تبلیغ سے بہت سے لوگ مؤمن ہو گئے، آپ نے خدا وحدہ لاشریک کی عبادت کی تعلیم دی اور بُت پرستی، الحاد وشرک سے لوگوں کو روکا۔ فرعون کے دربار میں بھی آپ نے بغیر کسی خوف کے جھوٹی خدائی سے توبہ کرنے اور ایک اللہ کی عبادت کرنے کی دعوت دی۔ فرعون غصہ میں آپے سے باہر ہو گیا اور اُس نے جادوگروں کو اپنی مدد کے لئے بلایا، انہوں نے جادو کے زور سے سانپوں کی بارش کی، اللہ نے کہا اے موسیٰ! اپنا عصا زمین پر پھینک دیں۔ عصا اژدھا بن گیا اور اس نے تمام سانپوں کو نگل لیا۔

فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان بہت سے معرکے ہوئے، وہ انتقام کی آگ میں کھول رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ہجرت کے لئے حکم دیا، آپ اپنی قوم بنو اسرائیل کو لیکر یہاں سے کوچ کر گئے، فرعون اور اس کی فوج نے آپ کا پیچھا کیا، جب آپ دریائے نیل کے کنارے پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے کہا اے موسیٰ! آپ اپنا عصا دریا کے پانی پر ماردیں، جب آپ نے عصا دریا پر مارا تو دریا پھٹ گیا اور درمیان میں ایک خشک راستہ بن گیا، آپ بمع اپنی قوم کے باآسانی دریا عبور کر گئے، جب فرعون نے دیکھا کہ دریا میں راستہ بن گیا ہے تو اس نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ وہ دریا میں اُتر جائیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پیچھا کریں

اور انکو گرفتار کرلیں۔ فرعون کی فوج دریا میں اُتر گئی لیکن وہ خود دریا میں اُترنے سے کترا رہا تھا۔ جب اللہ نے دیکھا کہ فرعون دریا میں اُترنے سے کترا رہا ہے تو ایک روایت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اس کے مکر کی ایک خفیہ تدبیر کردی اور وہ اس طرح کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو انسان کے روپ میں ایک خوبصورت گھوڑی پر بٹھا کر وہاں بھیج دیا، جب فرعون کے گھوڑے نے اس خوبصورت گھوڑی کو دیکھا تو آپے سے باہر ہوگیا اور اسکے پیچھے لگ گیا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنی گھوڑی کو دریا میں لے گئے، فرعون کا گھوڑا بھی فرعون کو لیکر دریا میں چلا گیا۔ فرعون نے ہر طرح سے اسکو روکنے کی کوشش کی لیکن وہ نہ رکا، گھوڑی کے عشق میں پاگل ہوگیا، جب بیچ دریا میں پہنچ گیا تو اللہ کے حکم سے دریا برابر ہوگیا اور فرعون دریا میں غرقاب ہوگیا۔

آپ کی قوم بنو اسرائیل دنیا کی بڑی قوموں میں شمار ہوتی تھی، پوری دنیا کو انکے تابع کردیا گیا لیکن اس قوم نے اللہ سے اور اپنے نبیوں سے نافرمانی کی جس کی وجہ سے بعد میں انکو ذلت اور رسوائی کا سامنا کرنا پڑا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جو کہ ایک جلیل القدر اللہ کے مقرب رسول تھے، جن پر اللہ نے اپنا کلام تورات شریف نازل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انکی جہانگیریت اور عظمت کو ہمیشہ کے لئے قائم کردیا اور وہ اس طرح سے کہ قرآن حکیم فرقان مجید میں سب سے زیادہ ذکر انہی کا آیا ہے، اس طرح سے اس عظیم جہانگیر کو شہرت دوام حاصل ہوئی، آج کل دنیا میں صرف یہودی اور عیسائی ہی نہیں بلکہ مسلمان بھی آپ کی ذات سے نہایت عقیدت و محبت رکھتے ہیں، پس محبت میں فرق یہی ہے کہ یہودی اور عیسائی انکو گمراہ ہوکر یاد کرتے ہیں لیکن مسلمان صراط مستقیم پر چلتے ہوئے ان کی یاد رکھتے ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام

دلوں پر حکومت کرنے والے جہانگیروں میں ایسے جہانگیر بھی تھے جنہوں نے دنیا پر بھی حکومت کی اور لاکھوں مخلوق کے دلوں کی دھڑکن بھی بنے رہے، ان ہی برگزیدہ ہستیوں میں ایک ذات گرامی ''جناب داؤد علیہ السلام'' کی ہے جو ''حضرت سلیمان علیہ السلام'' کے والد ماجد تھے، یہ ایک جلیل القدر بادشاہ بھی تھے اور اللہ کے مقرب رسول بھی تھے، ان پر اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام ''زبور'' کی صورت میں نازل کیا تھا، دنیا کی ایک بڑی قوم بنواسرائیل کے سرتاج بنے رہے، نوجوانی میں یہ بہت دبلے پتلے لاغر سے نوجوان تھے۔ اس زمانے میں بنواسرائیل کے ایک بادشاہ ''طالوت'' تھے جو بہت بہادر اور صاحب کردار شخص تھے۔ حضرت طالوت کی تخت نشینی کے کچھ سال بعد ایک ظالم و جابر کافر بادشاہ نے بنواسرائیل پر فوج کشی کر دی، بڑی گھمسان کی جنگ ہوئی، بنواسرائیل بہت بہادری سے لڑے، کافی لوگ جنگ میں کام آ گئے، حضرت طالوت نے یہ اعلان کر دیا کہ جو شخص 'جالوت' کو قتل کرے گا اسکو میں اپنی آدھی بادشاہی دے دونگا اور اپنی لڑکی اس نوجوان کے عقد میں دے دوں گا۔

حضرت داؤد علیہ السلام ایک غریب نوجوان تھے، لوگوں کی بکریاں چراتے تھے، آپ یہ اعلان سن کر حضرت طالوت کے روبرو حاضر ہوئے اور آپ نے جالوت کو قتل کرنے اور جہاد میں شامل ہونے کی اجازت طلب کی، جناب طالوت آپ کی لاغری اور جسم کی کمزوری کو دیکھ کر حیران رہ گئے، لیکن آپ کی پُرعزم آنکھوں میں چھپی ہوئی جرأت اور بہادری دیکھ کر جہاد کی اجازت دے دی، آپ نے جنگ میں حصہ لیا اور بہادری اور شجاعت سے لڑے اور دوران جنگ کسی طرح خاموشی سے جالوت کے قریب پہنچ گئے اور آپ نے اپنی گوپھن سے تین غلے مارے جس سے جالوت کا سر گردن اور بھیجہ پاش پاش ہو گیا اور اسکے پیچھے کھڑے ہوئے تینیس جالوتی بھی ہلاک ہو گئے آپ کا اسکا —

سرکاٹ کرلے آئے، جالوت کے مرنے کے بعداس کی فوج نے ہتھیارڈال دیئے اور ذلت آمیز شکست سے دوچار ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی وجہ سے بنواسرائیل کو فتح دی۔ حسب وعدہ جناب طالوت نے اپنی لڑکی کی شادی آپ سے کردی اور آدھی سلطنت کا بادشاہ بنادیا۔ کچھ مدت کے بعد جناب طالوت کا انتقال ہوگیا کیونکہ ان کے کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی اس لئے بنواسرائیل نے آپ کواپنا بادشاہ بنالیا۔

اللہ تعالیٰ نے ''زبور'' آپ پر نازل کی، آپ ''زبور'' کی تلاوت بہت خوش الحانی کے ساتھ کرتے تھے، آپ کی آواز میں بہت درد اور مٹھاس تھی، آپ مختلف سازوں کے موجد تھے، آپ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اپنے سازوں کے ساتھ کرتے تھے، پرندے آپ کے پاس آکر بیٹھ جاتے تھے لیکن آپ کا خشوع وخضوع قائم رہتا تھا، آپ اللہ کا کلام گاتے ہوئے دنیا ومافیہا سے بالکل بے خبر ہوجاتے تھے۔

آپ کے سازوں کی سند حدیث شریف سے ثابت ہے۔

ایک مرتبہ حضور سرکاردوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ایک صحابی کے ساتھ گشت کرتے ہوئے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے گھر کے قریب سے گذر رہے تھے، اس وقت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کلام پاک کی تلاوت کررہے تھے، آپ بہت خوش الحانی کے ساتھ قرأت کررہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے دروازے کے قریب پہنچ کررک گئے اور قرأت سننے لگے، اسی وقت حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے بچوں نے دیکھ لیا اور اندر جا کر باپ کو بتایا کہ باہر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے ہیں، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فوراً باہر آئے اور کہنے لگے یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ باہر کھڑے ہوئے ہیں! اندر آجائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو محبت کے ساتھ دیکھا اور فرمانے لگے کہ خدا کی قسم! اے ابوموسیٰ! تم کو اللہ نے داؤد علیہ السلام کے سازوں میں

سے ایک ساز عطا کیا ہے۔

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بہت سے ساز اور کمالات عطا کئے تھے، آپ جب اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہوتے تو اس حالت پر گریہ طاری ہو جاتا تھا، ایک روایت کے مطابق آپ ایک وادی میں اتنا روئے کہ آپ کے آنسوؤں سے گھاس اُگ آئی، خشیت اللہ سے لرزاں رہتے تھے، رات کو قیام کرتے تھے، بادشاہ ہونے کے باوجود جب تخت شاہی پر بیٹھتے تو وہاں پر بھی آپ خوف خدا سے کانپتے رہتے تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ معجزہ عطا کیا تھا کہ جب لوہے یا فولاد کو ہاتھ میں لیتے تو وہ موم کی طرح نرم ہو جاتا تھا۔

حضرت سدھارتھ (گوتم بدھ)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً چھ سو سال پہلے ہندوستان کے ایک شہر ''کپل وستو'' (کفل کا شہر) موجودہ ''گور کھپور'' میں اللہ تعالیٰ نے ایک بہت برگزیدہ ہستی کو پیدا کیا جنہوں نے اقوام عالم کی اصلاح کے لئے امن و آشتی کا پیغام دیا، یہ ہستی ''جناب سدھارتھ'' کی تھی جنکو ''گوتم بدھ'' بھی کہتے ہیں۔ شاکیہ منی اور بدھا آپ کے مختلف زبانوں میں القاب ہیں۔ آپ کے بارے میں محققین کے مختلف خیالات ہیں۔ کچھ لوگ ان کو ایک عظیم مصلح مانتے ہیں لیکن جدید ریسرچ کے مطابق کچھ لوگ آپ کو ہندی نبی ذوالکفیل کہتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ لیکن آپ کی تعلیمات کا جب مطالعہ کیا جائے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ شاید اپنے وقت کے نبی ہونگے لیکن جو بدھ مت کی کتابوں میں اہنسا کے اُصول مرتب ہوئے ہیں یقیناً وہ تحریف شدہ ہیں، آپ کے وصال کے کئی سو سال بعد ''اشوک اعظم'' کے زمانے میں آپ کی تعلیمات اور اہنا کے اُصولوں کو کتابی شکل میں ترتیب دیا گیا، اس میں کافی ردوبدل کر دی گئی، آپ کے وصال کے بعد تقریباً پانچ سو سال کے اندر تین مرتبہ آپ کی تعلیمات کو کتابی شکل میں ترتیب دیا گیا اور ہر مرتبہ اس میں تبدیلیاں کی گئی تھیں۔

جس طرح اور انبیاء علیہ السلام اور برگزیدہ ہستیوں نے معارفت الٰہی کو حاصل کرنے کے لئے چلّے کئے اور سخت کٹھن مجاہدات کئے، اسی طرح حضرت سدھارتھ نے بھی بارہ سال تک ایک پیڑھ کے درخت کے نیچے عبادت و ریاضت (گیان دھیان) کیا اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی معرفت عطا کی، آپ کے زمانے میں سرزمین ہند اور ایشیا کے اکثر علاقوں میں بت پرستی کا دور دورہ تھا، ہندومت کی جہالت نے پورے علاقہ کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا، ذات

پات کی عصبیت کا جنون اپنے عروج پر تھا، چھوٹی ذات کے لوگوں پر بے انتہا ظلم ہوتا تھا، معمولی سی بات پر انکو قتل کر دیا جاتا تھا، ایسے ماحول میں آپ نے جنم لیا۔ بنی نوع انسان پر ظلم ہوتا ہوا دیکھ کر آپ کا دل دُکھتا تھا باوجودیکہ آپ شہزادے تھے لیکن ظلم و جبر سے آپ کو نفرت تھی، جب آپ جوان ہوئے تو محل کی زندگی کو خیر باد کہہ کر جنگل کی طرف نکل گئے اور گیا (بہار شریف) کے ایک جنگل میں آپ نے بارہ سال تک عبادت و ریاضت کی۔ چلہ کرنے کے بعد آپ کی زندگی میں ایک ٹھہراؤ آ گیا اور معرفت الٰہی سے فیض یاب ہو کر آپ کی شخصیت میں مقناطیسیت پیدا ہو گئی، آپ نے لوگوں کو درس دینا شروع کر دیا، آپ کی تعلیمات سے لوگوں کو ہدایت ملنے لگی، لوگ بت پرستی کو چھوڑ کر آپ کی تعلیمات سے متاثر ہونے لگے۔

امن و آشتی بندگانِ خدا سے محبت یہ آپ کی تعلیمات کا اہم جزو ہے، ہندومت کو چھوڑ کر لوگ لاکھوں کی تعداد میں بدھ مت میں داخل ہونے لگے۔

جس طرح دنیا میں عیسائی پھیلے ہوئے ہیں آپ کے ماننے والے بھی کروڑوں کی تعداد میں ہندوستان سے لیکر چین و جاپان اور بلاد مشرق تک پھیلے ہوئے ہیں، دلوں پر حکومت کرنے والے یہ جہانگیر تقریباً ڈھائی ہزار سال پہلے اس دنیا سے پردہ فرما چکے ہیں، لیکن ان کی جہانگیریت اب بھی کروڑوں دلوں پر قائم ہے، اس بات کے قطع نظر کہ حضرت گوتم بدھ نبی تھے یا نہیں تھے......!!!۔ جب ان کی تعلیمات کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اتنے قدیم زمانے میں ایسی تعلیمات دینے والا کوئی عام انسان نہیں ہو سکتا......!!

(مترجم: لالہ اجیارام۔ خلیفہ عمادالدین)

حضرت گوتم بدھ کی تعلیمات

(ماخذ: تاریخ ہند مصنف ای مارسڈن)

بڑ کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر آپ نے جب چلہ کیا اور کافی عرصہ تک اس میں

مصروف رہے، آخر کار اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت سے انکو بہرآور کیا، اور آپ پر حقیقت کا انکشاف ہوا، معلوم ہوا کہ صرف فاقہ کشی اور جسم کو ایذا دینے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا بلکہ خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کو پانے کے لئے عبادت کی جائے، آپ فرماتے تھے کہ دنیا اور آخرت میں خوشی اور راحت حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان نیک اور پارسا زندگی بسر کرے اور دنیا کی تمام مخلوقات کے ساتھ بھلائی کرے اور کسی کو نہ ستائے، اس زمانے کے لحاظ سے آپ کی تعلیم ایسی عمدہ اور اسکی طرز زندگی ایسی پاک تھی کہ بہت سے لوگ آپ کے پیروکار ہو گئے، ہر قوم وملت کے امیر وغریب، ادنی واعلیٰ، مرد وعورت آپ کی تعلیمات پر ایمان لائے اور بدھ مت کے پیروکار بنے۔ ہندوستان کے عوام الناس پر اس تعلیم کا بڑا اثر ہوا، آپ فرماتے تھے کہ میرے امتی رتبے میں سب برابر ہیں۔ چاہے وہ عورت ہو یا مرد، لیکن اگر متقی ہے اور پرہیز گار ہے، کسی کو دُکھ نہیں دیتے، اللہ تعالیٰ کی عبادت وریاضت میں مصروف رہتے ہوں اور مخلوق خدا کے لئے اپنے دلوں میں درد رکھتے ہوں اور سچ بولتے ہوں۔

آپ کی تعلیمات کا لب لباب یہ تھا کہ انسان کی حالت کا دارومدار خواہ دنیا میں ہو یا عقبیٰ میں، صرف اس کے اعمال پر منحصر ہے، آپ فرماتے تھے کہ گناہ سے دکھ درد ملتا ہے، نیک کاموں کا انجام امن وآسائش ہے۔ آپ کا قول تھا کہ انسان دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے لاکھ قربانیاں دے مگر وہ اپنے کئے ہوئے گناہوں کو نہیں مٹا سکتا، جو بوئے گا سو وہ کاٹے گا اور ویسا ہی بھرے گا۔ آپ فرماتے تھے کہ روح کو ابدی سکون اس وقت ملتا ہے جب انسان گناہ کے پھندے سے نکل جائے، دکھ درد، شہوات ولذت اور خواہشات وجذبات سے خالی اور بری ہو جائے، نہ رنج کرے نہ خوشی کو خوشی مانے، دوست دشمن دونوں کے ساتھ یکساں سلوک کرے۔ اس درجہ کمال پر جب انسان پہنچ جاتا ہے تو بدھ کی اصلاح میں اسے ''نروان'' کہتے ہیں، جسکے معنی ہیں عارف باللہ ہو جانا۔

آپ نے اپنی تعلیمات میں موت کے بعد کی زندگی کو واضح طور پر بتایا، اعمال کی سزا و جزاء اور روح کے ابدی سکون کے بارے میں آپ کے بہت سے فرمودات ہیں لیکن جب ان فرمودات کو سینکڑوں سال بعد کتابی شکل میں لکھا گیا تھا تو اسکو ترمیم کے ساتھ توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا۔

اسلام میں بھی موت کے بعد دوبارہ اُٹھائے جانے پر یقین ہے، روز حشر تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور ان کے نامہ اعمال ان کے ہاتھوں میں دیئے جائیں گے۔ نیک اور عبادت گذار متقی لوگوں کے نامہ اعمال ان کے داہنے ہاتھ میں دیئے جائیں گے اور گناہگاروں کے نامہ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے اور کچھ لوگوں کے نامہ اعمال ان کی پشت پر ہونگے۔ قرآنی آیات اور احادیث شریف میں جنت و دوزخ موت کے بعد زندگی کا خلاصہ یہی ہے کہ نیک اور مؤمن لوگ جنت میں داخل ہوجائیں گے اور گناہگاروں کے لئے عذاب ہے اور مشرکین اور کافروں کا آخری ٹھکانہ دوزخ ہے۔

دنیا میں جتنے بھی مذہب آئے سب میں دوسرے جنم کا نظریہ موجود ہے، لیکن اس نظریہ میں کافی تبدیلیاں کردی گئی ہیں۔ دنیا کی قدیم تاریخ میں نہ معلوم کتنے پیغمبر اور مصلح آئے اور انہوں نے انسانوں کی ہدایت کے لئے بہت سی تعلیمات دنیا میں چھوڑیں، ان سب کی تعلیمات میں ایک خدا کی پرستش کرنے کی تعلیم دی گئی تھی، لیکن ان کے بعد لوگوں نے ان کے دین میں کافی تبدیلیاں کردیں، اُن مقدس ہستیوں کے دنیا سے جانے کے بعد دیوی دیوتاؤں کے عقیدہ نے جنم لیا اور قدیم ہند، یونان، وادی نیل، مشرق وسطیٰ اور بلاد عرب کے لوگ اس نظریہ کے پیروکار ہوگئے، انہوں نے اپنے نبیوں اور مصلح کے بت بنانا شروع کردیئے، اللہ تعالیٰ کی طاقتوں کا بتوں کی شکل میں اظہار کرنے لگے، بت پرستی کی کثرت اتنی زیادہ ہوگئی کہ ہر قبیلہ نے اپنے الگ الگ بت بنانے شروع کردیئے حتی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا بھی بت بنالیا

اوراسکی پوجا کرنے لگے۔

حضرت سدھارتھ (گوتم بدھ) کو جب اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت سے بہرآور کیا تو انہوں نے انسانوں کو بت پرستی سے ہٹا کر خدا وحدہٗ لاشریک کی عبادت کی تعلیم دی اور پاک وصاف زندگی گزارنے کے لئے ایک ضابطہ حیات پیش کیا، جس کا لبِّ لُباب اہنسا کے قواعد کی صورت میں پیش کیا۔ یہ اہنسا کے اُصول آپ کے دین کی بنیاد ہیں۔

ہندو دھرم میں بھی موت کے بعد دوبارہ اُٹھائے جانے کا عقیدہ ہے، جس کے مطابق اچھے اعمال رکھنے والے لوگوں کو دوسرے جنم میں اچھی شکلوں میں اُٹھایا جائے گا اور گناہگاروں اور خراب وبدکردار لوگوں کو خراب جانوروں کی شکل میں اُٹھایا جائے گا۔ اس نظریہ کو "آواگون یا تناسخ" کا نظریہ کہتے ہیں، بعض قوموں میں یہ نظریہ اس حد تک مختلف تھا کہ انکے خیال میں موت کے بعد جب دوبارہ اُٹھایا جائے گا تو انکو دوبارہ زندگی ہونے کے بعد دنیاوی حاجات کی ضرورت ہوگی، چنانچہ قدیم مصری فراعنہ مصر کی موت کے بعد ان کے مصاحبین کو بھی ممی کے ساتھ مقبرہ میں انکی من پسند شراب اور میوہ جات اور کھانے پینے کے لوازم کے ساتھ دفن کر دیا۔ خان اعظم چنگیز خان اور صحرائی گوبی کے تاتاری بھی اسی عقیدہ کے حامل تھے۔

حضرت گوتم بدھ نے وحدانیت کی تعلیم دی اور اخلاقیات پر بہت زور دیا، یقیناً اہنا کے جو اُصول آپ کی ذات سے منسوب ہیں کچھ تو اپنی اصل شکل میں ہیں لیکن بعض میں کافی تبدیلیاں کردی گئی ہیں، بعض مؤرخین نے آواگون اور تناسخ کے عقیدہ کو آپ سے بھی منسوب کیا ہے یہ بالکل غلط ہے۔ یہ نظریہ قدیم ہندوستان کے دیومالائی دور سے چلا آرہا ہے اور موجودہ جین مت کے لوگ بھی اسی عقیدہ کے حامل تھے جو بدھ مت سے پرانا مذہب ہے، ہندو قوم اور بدھ مت کے منحرف لوگ اس نظریہ کے پیروکار ہیں۔ لیکن جیسے پہلے بتایا جاچکا ہے کہ حضرت سدھارتھ (گوتم بدھ) کی تعلیم اس سے بالکل مختلف ہے، پرانی تعلیمات میں حضرت گوتم بدھ کی

تعلیمات اسلامی تعلیمات کے کسی حد تک قریب ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ دنیا میں جتنے بھی انبیاء علیہم السلام تشریف لائے سب نے اپنی امتوں کو تعلیمات دیں، کچھ نبیوں پر اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام نازل کیا اور انکی رسالت سے انکے زمانے کے لوگوں نے ہدایت حاصل کی اور دنیا و عقبیٰ کا فائدہ اُٹھایا، لیکن کافی عرصہ گذر جانے کے بعد آنے والے زمانے کے لوگوں نے ان کتابوں اور تعلیمات اور انکے فرمودات میں کافی ردوبدل کردی جس کی وجہ سے کوئی بھی آسمانی صحیفہ اپنی اصلی شکل میں باقی نہ رہا۔ یہ اعجاز صرف اور صرف قرآن حکیم فرقان مجید کو حاصل ہے کہ جس طرح یہ حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، اُسی طرح سے آج بھی یہ قائم ہے اور آپ کی امت میں لاکھوں حافظ قرآن پیدا کردیئے، ہر دور اور زمانے میں حافظ پیدا ہوتے رہے اور تاقیامت یہ حافظ پیدا ہوتے رہیں گے، ایک نقطے لفظ کی بھی کوئی غلطی کردے تو وہ فوراً پکڑ لی جاتی ہے اور یہی سب سے بڑا معجزۂ قرآن ہے۔

جب دنیا میں اسلام آیا تو اللہ تعالیٰ نے باقی تمام ادیان اور تمام کتابوں کو منسوخ کردیا اور سب کے لئے یہ حکم آ گیا کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور اللہ کی کتاب قرآن حکیم فرقان مجید پر ایمان لائیں، کیونکہ دین جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا تھا وہ حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر مکمل ہو گیا، لہٰذا اسلام کے ہوتے ہوئے اب کسی اور دین کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی اور اب دنیا میں اسلام ہی تاقیامت بنی نوع انسان کی رہبری کرتا رہے گا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر دین مکمل ہو گیا، لہٰذا آپ کے بعد اب کسی نبی کے آنے کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی۔ قرآن حکیم کی صورت میں اور آپ کی شریعت کی شکل میں ایک ضابطہ حیات دے دیا گیا جو تاقیامت لوگوں کی رہبری کرتا رہے گا، قرآن وسنت کے مطابق لوگوں کی ہدایت کے لئے آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اولیاء کرام سرگرم عمل ہو گئے اور آپ کے بعد تمام زمانوں اور تمام علاقوں میں یہ اولیاء کرام لوگوں کے لئے سرچشمہ ہدایت بنے رہے اور یہ سلسلہ تاقیامت جاری و ساری رہے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

حضرت سدھارتھ (گوتم بدھ) کے وصال کے تقریباً پانچ سو سال بعد اس روئے زمین پر ایک جلیل القدر جہانگیر تشریف لائے جن کی آمد ایک معجزہ عظیم سے کم نہیں تھی۔ یہ ہستی جناب حضرت عیسیٰ علیہ السلام (یسوع مسیح) کی تھی کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے بغیر باپ کے پیدا کیا۔ انسان کی پیدائش چار طریقوں سے ظہور میں آئی۔ پہلے طریقہ میں انسان بغیر ماں باپ کے پیدا ہوا جیسے حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ دوسرے طریقہ میں انسان کو انسان کی پسلی سے پیدا کیا گیا جیسے حضرت بی بی حوا اور تیسرے طریقہ میں انسان کو مرد اور عوت کے جنسی ملاپ سے یعنی نطفے سے پیدا کیا گیا جیسے کہ دنیا کے تمام انسان پیدا ہوئے اور چوتھا طریقہ وہ ہے کہ جس میں انسان کو بغیر باپ کے پیدا کیا گیا جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے چاروں طریقوں سے انسان کو پیدا کر کے یہ دکھا دیا کہ وہ قادر مطلق ہے جس طرح سے چاہے انسان کو پیدا کرے یہ اس کی مرضی اور مشیت پر منحصر ہے۔ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ.

حضرت عیسیٰ علیہ السام کی والدہ محترمہ حضرت بی بی مریم علیہا السلام ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سربسجود رہتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے انکو بتا دیا کہ اے مریم! ہم تمہارے بطن سے ایک عظیم المرتبت ہستی کو پیدا کر رہے ہیں حالانکہ تم کنواری ہو لیکن تم بالکل مت گھبرانا اور نہ پریشان ہونا، لیکن یہ ایک فطری عمل ہے کیوں نہ پریشان ہوتیں، لیکن اللہ رب العزت نے آپ کو مختلف طریقوں سے حوصلہ دیا جب آپ پیدا ہوئے تو حضرت بی بی مریم کی گھبراہٹ اور بڑھ گئی کہ بغیر شادی کے یہ بچہ پیدا ہوا ہے، اب دنیا والے انکو لعن طعن کریں گے اور پھر ایسا ہی ہوا۔ سینکڑوں

افراد آپ کو مارنے کے لئے تلواریں اور بھالے لے کر آ گئے، اللہ تعالیٰ نے بی بی مریم کو ڈھارس دی اور کہا کہ اے مریم! تو مت خوف کھا۔ جب لوگ تجھ سے اس بچہ کی بابت پوچھیں تو صرف بچہ کی طرف انگلی سے اشارہ کر دے اور کہہ دو کہ تم اس بچہ سے خود پوچھ لو یہ لڑکا بولے گا اور خود انکو جواب دے گا۔ چنانچہ جب لوگ آپ کو مارنے کے لئے تلواریں لیکر آئے تو آپ سے پوچھا اے عورت! سچ بتا دے کہ یہ کس کا بچہ ہے؟ آپ نے انگلی کے اشارے سے بچہ کی طرف دیکھ کر کہا کہ تم لوگ خود اس بچہ سے پوچھ لو کہ یہ کس کا لڑکا ہے۔ ان لوگوں نے غصہ سے کہا کہ یہ نوزائیدہ بچہ کیسے بول سکتا ہے؟ اسی وقت آپ گویا ہوئے اور کہا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی مجھے غیب کی خبریں بتانے والا نبی بنایا۔

قرآن حکیم نے اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے۔

فَأَشَارَتْ اِلَيْهِ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا، قَالَ اِنِّیْ عَبْدُاللهِ اٰتٰنِیَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِیْ نَبِيًّا.

ترجمہ: اس پر مریم نے بچہ کی طرف اشارہ کیا وہ بولے ہم کیسے بات کریں اس بچہ سے جو پالنے میں ہے۔ بچہ نے فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں، اللہ نے مجھے کتاب عطا کی اور مجھے غیب کی خبریں بتانے والا نبی کیا۔

لوگ ایک نوزائیدہ بچہ کی تقریر سن کر دنگ رہ گئے، آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مبارک کیا اور مجھے نماز اور زکوٰۃ کی تاکید فرمائی اور جب تک زندہ رہوں اپنی ماں سے اچھا سلوک کروں اور سلامتی ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں اس دنیا سے اُٹھایا جاؤں گا۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ مریم میں یہ واضح کر دیا کہ حضرت عیسیٰ مریم کے بیٹے ہیں کیونکہ لوگ نوزائیدہ بچہ کو بولتا دیکھ کر دم بخود رہ گئے اور حد عقیدت میں اتنے بڑھ گئے کہ حضرت عیسیٰ کو خدا کا

بیٹا کہنے لگے، یہ صریحاً شرک تھا جسکو اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں بتایا کہ عیسیٰ حضرت بی بی مریم کے بیٹے ہیں اور جو لوگ اس بات پر شک کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عیسیٰ خدا کا بیٹا ہے، اللہ کہتا ہے کہ یہ زیب نہیں دیتا کہ اللہ کسی کو اپنا بیٹا ٹھہرائے، اللہ تعالیٰ پاک ہے جب وہ کسی کام کو کرتا ہے تو فرماتا ہے تو ہوجا تو وہ فوراً ہوجاتا ہے۔ حضرت عیسیٰ نے اس موقع پر فرمایا کہ اللہ رب العزت میرا اور تم لوگوں کا رب ہے، اللہ کی بندگی کرو یہی سیدھی راہ ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بہت خوبصورت تھے، آپ کے بال گھنگھریالے تھے، بچپن ہی سے نہایت پاکباز تھے ان کی پارسائی اور حق گوئی کی دھوم مچ گئی، جس کا اظہار آپ نے دوران شیر خوارگی میں کر دیا تھا تو لوگ جوق در جوق آکر صاحب ایمان ہونے لگے۔ آپ کی حق گوئی اور آپ کی سیرت کی مقناطیسیت نے لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف کھینچ لیا، جب لاکھوں کی تعداد میں لوگ مومن ہونے لگے تو کفر والحاد کی شیطانی طاقتوں نے آپ کے گرد گھیرا تنگ کرنا شروع کر دیا اور آپ کی تبلیغی کوشش میں ہر طرح سے رکاوٹیں ڈالنے لگے حتیٰ کہ اس وقت کے بادشاہ کو آپ کے خلاف بھڑکا دیا گیا اور اس بادشاہ نے آپ کو گرفتار کرنے کا حکم صادر کر دیا۔

جب لوگ آپ کو گرفتار کرنے آپ کے گھر کی طرف آئے تو ان میں آپ کا ایک دشمن بھی آپ کے گھر میں گھس گیا تا کہ وہ آپ کو قتل کر دے، اسی وقت رحمت خداوندی کو جوش آیا اور دنیا میں ایک معجزہ رونما ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ بھیجا اور انکو حکم ہوا کہ آپ کو بحفاظت آسمانوں پر اُٹھا کر لے آئیں، بغیر موت کے آپ زندہ و سلامت آسمانوں پر تشریف لے گئے۔ جو شخص آپ کو پکڑنے یا مارنے کے لئے آپ کے گھر میں اکیلا اندر داخل ہوا تھا اسکا چہرہ آپ کے چہرہ کی طرح کر دیا گیا، سپاہیوں نے کچھ انتظار کیا پھر گھر میں گھس گئے اور آپ کے ہمشکل آدمی کو شبہ کی بنیاد پر پکڑ کر لے گئے، وہ آدمی بہت چیخا اور شور مچانے لگا کہ میں عیسیٰ نہیں ہوں لیکن لوگوں نے ایک نہ سنی پھر بادشاہ کے حکم کے مطابق اس شخص کو

صلیب پر چڑھا کر پھانسی دے دی گئی۔

جب اس شخص کی لاش کو اس کی ماں نے دیکھا تو لوگوں سے کہنے لگے کہ اسکا جسم تو میرے بیٹے کا ہے لیکن چہرہ بدل گیا ہے، آپ کے حواریوں نے بھی کہا کہ یہ لاش حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نہیں ہے، اسی زمانے میں لوگوں کے دو گروہ بن گئے کچھ لوگ حضرت عیسیٰ کے آسمانوں پر زندہ اُٹھائے جانے کو مانتے تھے لیکن دوسرا گروہ آپ کی موت کا قائل ہے اور ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ یسوع مسیح کو صلیب پر چڑھا دیا گیا اور آپ نے سب لوگوں کے گناہوں کا کفارہ موت کو قبول کر کے ادا کر دیا، یہی لوگ آپ کو خدا کا بیٹا مانتے تھے اور آج کل بھی تمام دنیا عیسائیت اسی باطل عقیدہ کی حامل ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے وحدانیت کی تعلیم دی اور خدا وحدہٗ لاشریک کی عبادت کا درس دیا، آپ نے مکارم اخلاق کا ایک ضابطہ پیش کیا جس میں خدا کی محبت کو حاصل کرنے کے لئے بندگانِ خدا سے بھی محبت کرنی ہوتی ہے۔ خدا کی مخلوق سے محبت سے پیش آنا حتی کہ جو آپ کے ساتھ جبر کرے اسکو محبت کے ساتھ روکیں۔ آپ کی اخلاقی عظمت کو دیکھ کر لوگ بڑی تعداد میں آئے دن دین میں داخل ہو کر مؤمن بن جاتے تھے۔

آپ کی تعلیمات اور دین کو پھیلانے کے لئے آپ کے حواریوں نے آپ کے ساتھ مل کر بہت کوشش کی۔ یورپ اور ایشیاء کے علاوہ افریقہ کے ممالک میں یہ دین بڑی تیزی کے ساتھ پھیلا، حضرت عیسیٰ کے آسمانوں پر اُٹھائے جانے کے بعد جب کافی عرصہ گذر گیا اور آپ کے تمام حواری اس دنیا سے رخصت ہو گئے تو اس دنیا میں شرک اور الحاد نے اپنی جگہ بنا لی اور آہستہ آہستہ گمراہی اختیار کرنے لگی حتی کہ آپ کی امت اس حد تک گمراہ ہو گئی کہ آپ کو خدا کا بیٹا کہنے لگی۔ باپ ماں اور بیٹا نظریۂ تثلیث نے جنم لے لیا۔

یہ اس قوم کی بڑی بد قسمتی تھی کہ جب انجیل مقدس نازل ہوئی تو اسکو قرآن حکیم کی طرح

ایک جگہ نہیں جمع کیا گیا بلکہ حواریوں نے الگ الگ اسکو لکھا، مؤرخین کے مطابق لوقا، متی، اور برناباس اناجیل کے نسخہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمانوں پر اُٹھائے جانے کے تین سو سال کے بعد لکھے گئے اور اس دوران ان میں کافی حد تک تحریف کردی گئی، اور یہاں تک ہوا کہ لوگوں نے سنی سنائی باتوں کو انجیل مقدس کی صورت میں لکھ کر کتابی شکل دے دی۔ بہر حال اسکے باوجود کہ عیسائیت اپنی اصلی شکل میں نہیں ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عظیم جہانگیریت آج بھی قائم ہے۔ عیسائی اور مسلمان دونوں اقوام آپ کی ذات سے بے حد محبت کرتے ہیں اور دنیا کی بہت بڑی آبادی آپ کو مختلف حیثیتوں میں یاد کرتی ہے۔

شہنشاہ کونین، جہانگیر عظیم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

دلوں پر اور تمام عالمین کی مخلوقات کی ارواح پر حکومت کرنے والے اس کائنات کے سب سے بڑے جہانگیر جن کو شہنشاہ کونین کہتے ہیں جن کی حکومت عرش سے لے کر فرش تک پھیلی ہوئی ہے جس کی کوئی حد نہیں ہے وہ حضور سرکار دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا، جو مالک کوثر بھی ہیں اور شافع محشر بھی ہیں، گنہگار اور عاصیوں کی شفاعت کا تاج بھی آپ کے سر پر رکھا گیا۔ یہ جہانگیر عظیم اللہ تعالیٰ کے حبیب بھی ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پیدا کرنا تھا اس لئے تمام کائنات کو پیدا کیا گیا۔ عمل تخلیق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے پیدا کیا گیا اور جیسے کہ مختلف احادیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے چہرہ کے نور سے پیدا کیا۔ آپ پر کروڑوں درود وسلام ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ادب واحترام صرف مسلمانوں کے دلوں میں ہی نہیں بلکہ غیر مسلم بھی آپ کی شخصیت کو برگزیدہ مانتے ہیں اور قوم وملت کے لوگ آپ کی عظمت کے معترف ہیں، مشہور مورخ پروفیسر ٹی ڈبلیو آرنلڈ اور پروفیسر فلپ ہٹی آپ کے جہانگیر عظیم ہونے کا اعتراف ایک عظیم مصلح کی صورت میں کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے آپ کا ذکر خیر تمام آسمانی کتابوں اور صحیفوں میں آیا ہے۔

قرآن حکیم فرقان مجید میں میثاق النبیین کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں اور رسولوں سے یہ عہد لیا ہے کہ وہ جب اپنے زمانوں میں دنیا میں بھیجے جائیں گے تو اپنی امتوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بتائیں کہ سب لوگ آپ پر ایمان لائیں۔ تورات، زبور اور انجیل کے علاوہ مختلف مذاہب کے راہبوں نے بھی اپنی کتابوں میں آپ کا ذکر کیا ہے۔

آپ کی عالمگیر اور لازوال جہانگیریت کا اعتراف اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم فرقان مجید میں بہت اچھے انداز میں کیا ہے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے نور مبین کہا ہے جو لازوال ہے۔ چونکہ آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے اس لئے آپ کی رحمت سے صرف مسلمان ہی فیض یاب نہیں بلکہ جتنی بھی مخلوقات عرش سے لے کر فرش تک سب آپ کے مرہون منت ہیں، آپ کی جہانگیریت ایک عظیم رحمت کی صورت میں تمام مخلوقات پر سایہ فگن ہے۔ وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ.

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جہانگیر عظیم نے تعلیمات کا آغاز اسی وقت سے شروع کر دیا تھا جب آپ پر پہلی وحی نازل ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت و رسالت سے مشرف ہوئے تھے، کفار قریش اور عرب کے قبائل نے آپ کی تعلیمات جس کی اساس وحدانیت اور کلمہ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُـحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پر قائم تھی، بہت سخت مخالفت شروع کر دی اور جب آپ نے دین کی تبلیغ شروع کی تو یہ لوگ آپ کے جانی دشمن ہو گئے اور آپ کو طرح طرح سے ایذائیں پہنچاتے تھے حتی کہ آپ کے عزیز و اقارب بھی دشمن ہو گئے اور آپ کو طرح طرح سے ایذائیں پہنچاتے تھے۔ آپ پر پتھر برساتے تھے، طائف کے بازار میں آپ کو لہولہان کر دیا مگر پھر بھی آپ کے پائے ثبات میں لغزش نہیں آئی اور آپ دین اسلام کی تبلیغ اور تعلیمات اسلامی کی ترویج کے لئے پر عزم کوششیں کرتے رہے۔ آپ کی کوششوں سے دین حق خطۂ حجاز سے نکل کر جزیرہ نما عرب میں پھیلنے لگا۔

آپ اور دین اسلام کو ختم کرنے کے لئے کفار مکہ نے بہت کوششیں کیں اور اسکی خاطر انہوں نے جنگ بدر، جنگ اُحد، جنگ خندق لڑی مگر دین حق کو ختم نہ کر سکے، آخر کار فتح مکہ کی صورت میں فتح مبین حاصل ہوئی جسکا اللہ تعالیٰ نے آپ سے وعدہ کیا تھا۔

تعلیمات اسلامی کا مکمل آغاز فتح مکہ سے شروع ہوا، خانہ کعبہ میں 360 بت نصب

تھے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو لکڑی سے گرانا شروع کردیا، آپ کی زبان مبارک سے ارشاد ہوا: ''وَجَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ، اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا'' آپ کے صحابی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کعبہ کی دیواروں کو پاک کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقعہ پر ایک خطبہ دیا:

> ایک خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، اسکا کوئی شریک نہیں، اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا، اس نے اپنے عاجز بندے کی مدد کی اور تمام بتوں کو تنہا توڑ دیا، ہاں! آج تمام مفاخر سارے انتقامات وخون بہائے قدیم سب میرے قدموں کے نیچے ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا اے قوم قریش! اب جاہلیت کا غرور اور نسب کا افتخار خدا نے مٹا دیا۔ تمام انسان آدم کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے پھر آپ نے کلام مجید کی یہ آیت تلاوت کی۔ ﴿يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا، اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ، اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾. پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ﴾ لوگو! میں نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہارے قبیلے اور خاندان بنائے تا کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو لیکن خدا کے نزدیک مشرف وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے، خدا جاننے والا اور ایک واقف کار ہے، اللہ اور اس کے رسول نے شراب کی خرید وفروخت حرام کردی۔

خطبہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر اُٹھا کر جباران قریش کو دیکھا ان میں وہ حوصلہ مند سردار بھی تھے جو اسلام کو مٹانے میں بہت سرکردہ تھے اور جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طرح طرح کی گستاخیاں اور ظلم کئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے

پوچھا '' کچھ معلوم ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کرنے والا ہوں''؟ اگر چہ یہ سب سرکش اور گمراہ تھے اور اسلام کے دشمن تھے لیکن مزاج شناس تھے، بول اُٹھے آپ کریم ابن کریم ہیں اور ہمارے شریف بھائی اور شریف برادر زادہ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت فرمایا تم پر کوئی مواخذہ نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو۔

خطبہٗ حجۃ الوداع

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں صرف ایک حج کیا ہے، حج کے موقع پر جو خطبہ دیا وہ تعلیمات اسلامی کا خلاصہ یعنی تعلیمات جہانگیری کی اصل روح ہے، یہ وہ دن تھا کہ اسلام اپنے پورے جاہ وجلال کے ساتھ نمودار ہوا اور جاہلیت کے تمام بے ہودہ رسوم مٹا دیئے گئے، اس موقع پر آپ نے اعلان فرمایا:

''ہاں جاہلیت کے تمام دستور میرے پاؤں کے نیچے ہیں، لوگو! بیشک تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ ایک ہے، ہاں عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب سے، اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کی جہالت اور آباؤ اجداد پر فخر کو مٹا دیا، انسان خدا سے ڈرنے والا مؤمن ہوتا ہے یا اسکا نافرمان شقی، تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے، اسلام کے رشتہ نے انسانوں کو باہم بھائی بنا دیا، ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ (مستدرک حاکم، طبقات ابن سعد) غلاموں کے ساتھ برابر کا سلوک کرنا چاہئے، تمہارے غلام تمہارے غلام! جو تم خود کھاؤ وہی انکو کھلاؤ جو خود پہنو وہی انکو پہناؤ۔

عرب میں اگر ایک شخص کسی کے ہاتھ سے قتل ہوجاتا تو قاتل ومقتول کے قبیلوں میں پشت در پشت تک انتقام کا سلسلہ چلتا رہتا اور ایک ایک قتل کے بدلے میں سینکڑوں برس تک خون کی ندیاں بہتی رہتی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاہلی حمیت کو مٹادیا اور سب سے پہلے آپ نے اپنے خاندان کا خون معاف کر دیا۔ اس موقع پر آپ نے فرمایا:

''جاہلیت کے تمام خون (انتقام) باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے میں نے اپنے خاندان کے ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون باطل کرتا ہوں۔

(ابوداؤد)

سارے عرب میں وسیع سودی کاروبار پھیلا ہوا تھا، سرمایہ دار غریبوں کا خون چوستے تھے، آپ نے اس موقع پر سب سے پہلے اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ کا سود باطل کیا:

''جاہلیت کے تمام سود باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے اپنے خاندان کے فرد عباس بن عبدالمطلب کا سود باطل کرتا ہوں''۔

عورتوں کا کوئی درجہ نہ تھا، زمانہ جاہلیت میں ان کی حیثیت غلاموں اور لونڈیوں کی طرح تھی، آپ نے فرمایا: ''عورتوں کے معاملات میں خدا سے ڈرو، تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے۔ (طبری، سیرت ہشام)

عرب میں جان و مال کی حفاظت کی کوئی ضمانت نہ تھی، جس کو کوئی چاہتا قتل کر دیتا تھا اور جسکا مال چاہتا تھا چھین لیتا تھا، آپ نے دونوں کی حرمت کو قائم کیا۔ آپ نے فرمایا:

''تمہارا خون اور تمہارا مال تا قیامت اسی طرح حرام ہے جس طرح یہ دن اس مہینہ میں اور اس شہر میں حرام ہے۔'' (باب حجۃ الوداع مسلم)

پھر آپ نے امت کی راہنمائی کے لئے ہدایت ربانی کا مجموعہ امت کے سپرد کیا اور تاکید فرمائی:

''میں تم میں ایک چیز چھوڑتا ہوں اگر تم نے اسکو مضبوطی سے پکڑ لیا تو تم لوگ گمراہ نہ ہوگے، وہ چیز کیا ہے؟ یہ کتاب اللہ (قرآن حکیم) ہے''۔ خدا نے ہر حقدار کو (از روئے وراثت) اسکا حق دیا ہے اب کسی وارث کے لئے وصیت جائز نہیں۔ لڑکا اس شخص کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا۔ زنا کار کیلئے پتھر اور انکا حساب خدا کے ذمہ ہے، جو شخص اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کے نسب ہونے کا دعویٰ کرے اس پر خدا کی لعنت ہے''۔ پھر فرمایا: ہاں عورت کو اپنے شوہر کے مال میں سے اسکی اجازت کے بغیر کچھ لینا جائز نہیں۔ قرض ادا کیا جائے، عاریت واپس کی جائے، عطیہ لوٹایا جائے ضامن تاوان کا ذمہ دار ہے۔'' (ابن ماجہ، ابوداؤد)

یہ تمام احکامات بیان کرکے آپ نے مجمع سے پوچھا: تم سے خدا میری نسبت پوچھے گا تو تم کیا جواب دو گے؟ صحابہ نے عرض کیا ہم کہیں گے کہ آپ نے خدا کا پیغام یونہی دیا اور اپنا فرض ادا کر دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلی آسمان کی طرف اُٹھائی اور فرمایا: اے خدا! گواہ رہنا۔ اے خدا! گواہ رہنا۔ اے خدا! گواہ رہنا۔

عین اس وقت جب آپ نبوت کے آخری فرائض انجام دے رہے تھے یہ آیت نازل ہوئی (بخاری، مسلم، سنن ابوداؤد):

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً.

یعنی آج ہم نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لئے مذہب اسلام کا انتخاب کیا۔

خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ ادا کی پھر ناقہ پر سوار ہو کر

موقف تشریف لائے اور کھڑے ہو کر قبلہ رو دیر تک دعا میں مصروف رہے، آفتاب ڈوبتے وقت یہاں سے مزدلفہ کی طرف کوچ کیا، مغرب وعشاء ملا کر پڑھی پھر کچھ آرام کیا۔ پھر طلوع آفتاب سے پہلے وقوف کر کے یہاں منی کی طرف کوچ کیا۔ راستہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم حج کے مسائل پوچھتے تھے آپ جواب دیتے تھے اور زور زور سے مناسک حج کی تعلیم فرماتے جاتے تھے، رمی جمرہ پہنچ کر رمی جمرہ کیا اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

مذہب میں غلو اور مبالغہ سے بچو تم سے پہلے کی قومیں اسی سے برباد ہوئیں"۔
(نسائی)

پھر فرمایا:

"حج کے مسائل سیکھ لو میں جانتا ہوں کہ شاید اس کے بعد مجھے دوسرے حج کی نوبت نہ آئے۔" (مسلم)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تعلیم بہت سادہ تھا، استفساری طریقہ سے لوگوں کو بات سمجھاتے تھے جو لوگوں کے دل و دماغ میں بیٹھ جاتی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کچھ معلوم ہے کہ آج کون سا دن ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: خدا اور اسکا رسول ہی زیادہ بہتر جانتا ہے۔ آپ خاموش رہے، پھر فرمایا کیا آج قربانی کا دن نہیں ہے؟ لوگوں نے پھر اسی طرح جواب دیا ہاں بے شک ہے۔ پھر پوچھا یہ کون سا شہر ہے لوگوں نے بدستور جواب دیا آپ نے سکوت کیا پھر فرمایا کیا یہ بلدۃ الحرام نہیں ہے؟ لوگوں نے عرض کیا ہاں بے شک ہے۔"

اس طریقہ استفسار سے جب لوگوں کے دلوں میں یہ مثال پوری طرح جاگزین ہوگئی کہ آج کا مہینہ اور شہر محترم ہے یعنی اس مقام پر خونریزی جائز نہیں تو پھر فرمایا:

"تمہارا خون تمہارا مال اور تمہاری آبرو (تا قیامت) اسی طرح سے محترم

ہے جس طرح یہ دن اس مہینہ اور اس شہر میں محترم ہے''۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا:
''کہیں میرے بعد تم گمراہ نہ ہو جانا کہ خود تم لوگ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو، تم کو خدا کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس کرے گا۔''
آپ نے ظلم کی مندرجہ ذیل الفاظ میں بیخ کنی فرمائی:
''ہاں مجرم اپنے جرم کا خود ذمہ دار ہے، ہاں باپ کے جرم کا بیٹا ذمہ دار نہیں اور بیٹے کا باپ ذمہ دار نہیں۔''
پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''اگر کٹی ہوئی ناک کا کوئی حبشی بھی تمہارا امیر ہو اور تم کو خدا کی کتاب کے مطابق لے کر چلے تو اسکی اطاعت اور فرمانبرداری کرنا۔'' (مسلم)
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''ہاں! شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ اب تمہارے شہر میں اس کی پرستش قیامت تک نہ کی جائے گی، البتہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں تم اسکی پیروی کرو گے اور وہ اس پر خوش ہو گا۔'' (ابن ماجہ)
اپنے خطبہ کے آخر میں آپ نے اسلام کے فرائض یاد دلائے:
''اپنے پروردگار کو پوجو، پانچ وقت نماز پڑھو، مہینہ بھر کے روزے رکھو اور میرے احکام کی اطاعت کرو، خدا کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔
(مستدرک حاکم)
خطبہ کے بعد پوچھا:

''کیوں میں نے پیغام خداوندی سنادیا؟ سب نے کہا ہاں۔ پھر آپ نے فرمایا: اے خدا! گواہ رہنا۔ پھر آپ نے لوگوں سے کہا کہ جولوگ اس وقت موجود ہیں وہ ان لوگوں کو یہ پیغام پہنچادیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔''

مقام خم غدیر پر پہنچ کر ایک مختصر سا خطبہ دیا:

''حمد وثنا کے بعد آپ نے فرمایا اے لوگو! میں بھی بشر ہوں ممکن ہے خدا کا فرشتہ جلد آجائے اور مجھے موت قبول کرنا پڑے۔ میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں۔ ایک خدا کی کتاب جس کے اندر ہدایت اور روشنی ہے، خدا کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو اور دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں، میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تم کو خدا کو یاد دلاتا ہوں۔'' (مسلم)

مقام اُحد پر آپ نے فرمایا:

''میں تم سے پہلے حوض کوثر پر جارہا ہوں، اس کی وسعت اتنی ہے جتنی ایلہ سے نجف تک۔ مجھ کو تمام دنیا کے خزانوں کی کنجی دی گئی ہے، مجھ کو اسکا خوف نہیں کہ میرے بعد تم شرک میں مبتلا ہوجاؤ گے، البتہ اس بات کا ڈر ہے کہ تم دنیا میں نہ مبتلا ہوجاؤ اور اس کے لئے آپس میں کشت وخون نہ کرو اور اس طرح ہلاک نہ ہوجاؤ جس طرح تم سے پہلے کی قومیں ہلاک ہوئیں۔'' (مسلم)

جہانگیر عظیم کا وصال

18 یا 19 صفر ۱۱ ہجری کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنت البقیع تشریف لے گئے، آپ کی

طبیعت کافی دنوں سے ناساز تھی لیکن اس کے باوجود آپ تمام ازواج مطہرات کے گھر باری باری قیام فرما ہوئے، اخیر میں جب مرض زیادہ بڑھا تو ان سے اجازت لے کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے یہاں مستقل قیام فرمایا۔ جب تک چلنے کی طاقت رہی نماز مسجد میں ادا فرماتے رہے پھر آخری نماز ظہر یا عشاء کی پڑھانے کے بعد پھر دوبارہ مسجد کا قصد لیا لیکن مرض کی شدت اور نقاہت سے ہر مرتبہ غش آ گیا اس لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز پڑھاتے رہے، وصال سے کچھ دن پہلے آپ نے چند وصیتیں فرمائیں:

''کوئی مشرک عرب میں نہ رہنے پائے، سفراء کا اسی طرح سے احترام کیا جائے جس طرح آپ کے زمانے میں کیا جاتا تھا۔''

اس دن ظہر کے وقت کچھ طبیعت میں افاقہ ہوا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے سہارے مسجد میں تشریف لائے، جماعت کھڑی ہو چکی تھی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے، آپ کی آہٹ پا کر پیچھے ہٹے، آپ نے اشارہ سے انکو روکا اور خود ان کے پہلو میں بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کا آخری خطبہ دیا:

''خدا نے اپنے بندہ کو اختیار دیا ہے کہ خواہ دنیا کی نعمتوں کو قبول کرے یا خدا کے پاس جو انعامات ہیں انکو لے تو اُس نے خدا ہی کے پاس کی چیزوں کو قبول کیا، سب سے زیادہ جس کی دولت اور محبت کا ممنون ہوں وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں، اگر دنیا میں کسی کو اپنی امت میں سے دوست بنا سکتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بناتا لیکن اسلام کا رشتہ دوستی کے لئے کافی ہے، مسجد کے رخ کوئی دریچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دریچہ کے سوا باقی نہ رکھا جائے، ہاں تم سے پہلے قوموں نے اپنے پیغمبروں اور بزرگوں کی قبروں کو عبادت گاہ

بنالیا۔ دیکھو تم ایسا نہ کرنا میں تم کو منع کرتا ہوں''۔ (بخاری و مسلم)

خطبہ کے بعد آپ گھر تشریف لائے وہاں آپ کی بیٹی حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا اور آپ کی پھوپھی موجود تھیں ان سے آپ نے فرمایا:

''اے پیغمبر خدا کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا اور اے پیغمبر خدا کی پھوپھی صفیہ رضی اللہ عنہا! خدا کے ہاں کے لئے کچھ کرلو، میں تمہیں خدا سے نہیں بچا سکتا۔''

آپ نے عین بیماری کی شدت میں اشارہ فرمایا:

''یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو انہوں نے اپنے پیغمبر کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا۔'' (بخاری و مسلم)

پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''اے عائشہ! وہ اشرفیاں کہاں ہیں؟ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا سے بدگمان ہو کر ملے گا؟ جاؤ انکو اس کی راہ میں خیرات کردو۔'' (مسند احمد بن حنبل)

12 ربیع الاول 11 ہجری کو اتنا سکون ہوا کہ حجرہ مبارک کا پردہ اُٹھا کر مسجد نبوی میں دیکھا کہ لوگ نماز فجر میں مشغول تھے یہ منظر دیکھ کر تبسم فرمایا اور پھر پردہ گرادیا، بار بار غشی کے دورہ پڑنے لگے، اسی حالت میں یہ الفاظ فرمائے:

''ان لوگوں کے ساتھ جن پر خدا نے اپنا انعام فرمایا، خداوند بڑا رفیق ہے۔''

اسی حالت میں اپنے ہاتھ سے مسواک کی، سہ پہر کے وقت سانس اُکھڑنے لگی اور زبان مبارک سے نکلا ''نماز اور غلام'' پاس ہی پانی کی لگن رکھی ہوئی تھی اس میں بار بار ہاتھ ڈال کر پانی چہرہ پر ملتے تھے، اس دوران آپ نے ہاتھ اُٹھا کر تین مرتبہ فرمایا:

''اب کوئی اور نہیں بس وہی رفیق درکار ہے''۔

یہ کہتے کہتے آپ کی روح قدس عالم بالا کو پرواز کرگئی اور رب کائنات نے اس جہانگیر عظیم کو اپنے پاس بلالیا۔

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا استقلال

جہانگیر عظیم کا وصال عظیم حادثہ تھا جس نے تمام صحابہ اور مسلمانوں کو دیوانہ بنا دیا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو شدت غم اور فرط عقیدت ومحبت میں آپ کی وفات کا یقین نہیں آرہا تھا، آپ وارفتگی کے عالم میں تلوار کھینچ کر کہتے تھے جو شخص کہے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اسکا سر قلم کردوں گا۔ وفات کے دن صبح کو آپ کی طبیعت بحال دیکھ کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آپ کی اجازت سے جہاں ان کی بیوی رہتی تھیں چلے گئے تھے۔ وہاں سے واپس ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوچکا تھا اور مسجد نبوی کے دروازہ پر وارفتگان محبت میں شور برپا تھا، آپ سیدھے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں تشریف لے گئے اور رخ انور سے نقاب اُٹھا کر پیشانی مبارک کو بوسہ دیا اور رو کر کہا:

''میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، خدا کی قسم آپ پر دو موتیں جمع نہیں ہوسکتیں، وہ موت جو آپ کے لئے مقدر تھی وہ آچکی، اس کے بعد دوسری موت نہ آئے گی۔''

(بخاری، کتاب الجنائز باب دخول المیت بعد الموت)

حجرہ شریف سے باہر نکل کر دیکھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ قسم کھا کھا کر وصال نبوی

سے انکار کررہے تھے۔ یہ نازک وقت تھا اگر محرم رازِ نبوت، یارِ غار حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی دینی بصیرت اس وقت مسلمانوں کی دستگیری نہ کرتی تو معلوم نہیں کیا نتائج نکلتے؟ آپ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ انہوں نے وارفتگی میں کوئی توجہ نہ دی تو آپ نے الگ مسلمانوں کو مخاطب کیا اور بصیرت آموز تقریر فرمائی:

''جو لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پرستش کرتے تھے تو بیشک وہ مرگئے اور جو خدا کو پوجتے تھے تو بے شک وہ زندہ ہیں اور کبھی نہ مرے گا''۔

پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾

محمد صلی اللہ علیہ وسلم صرف ایک رسول ہیں جن سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے۔

آپ کی تقریر ایسی دل نشین تھی کہ وارفتگان محبت مسلمانوں اور عاشقان رسول صحابہ کی نگاہوں سے پردہ اُٹھ گیا اور وہ مطمئن ہوگئے۔

وصال کے دن شام ہو چکی تھی، تجہیز و تکفین اور قبر کن کے مراحل رات سے پہلے انجام نہ پاسکتے تھے، ادھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین الگ بے خود اور مبہوت ہورہے تھے، اس لئے تجہیز و تکفین دوسرے دن سہ شنبہ کو عمل میں آئی۔ غسل کی سعادت اعزہ خاص حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت قثم بن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے قبر مبارک کھودی اور باری باری سے تمام مسلمانوں نے بلا امام نماز جنازہ پڑھی اور سہ شنبہ ۱۳ ربیع الاول 11 ہجری بمطابق 632ء کو کونین کی دولت گراں مایہ کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ پاک و مطہر زمین کے سپرد کردیا، اس کائنات کے سب سے بڑے جہانگیر مدینہ منورہ میں مدفون ہیں، جنکا مزار شریف

کعبہ کا کعبہ ہے، عالم اسلام کے دلوں کی دھڑکن ہے اور مرجع خلائق ہے۔ ہر مسلمان آپ کے نام نامی پر اپنی جان و مال قربان کرسکتا ہے، آپ کی محبت ایمان کی شرط ہے۔ آپ کا مرقد مبارک وہ طاقت ور مقناطیس ہے جو تمام عالم اسلام کے دلوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔

اخلاق نبوی

جس طرح اسلام اپنی تعلیمات کی جامعیت اور دین فطرت ہونے کے لحاظ سے دوسرے مذاہب سے ممتاز ہے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیمات کے نمونہ عمل کے لحاظ سے دوسرے تمام انبیاء و رسل میں امتیاز حاصل ہے، رسول پاک کے علاوہ کسی پیغمبر کی زندگی کے چند واقعات کے سوا ان کے سوانح حیات اور اخلاق و سیرت کے حالات محفوظ نہیں، اس لئے ان کی زندگی کو عملی نمونہ کی حیثیت سے نہیں پیش کیا جاسکتا۔ اس کے مقابلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک ایک خد و خال محفوظ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو مکارم اخلاق کی تعلیم دی اور انکو عملاً برت کر دکھایا، خود قرآن حکیم نے آپ کے اخلاق حمیدہ کا یہ جامع مرقع پیش کیا ہے:

﴿اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ﴾

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم اخلاق کے بڑے درجہ پر ہو۔

آپ کا اسوۂ حسنٰی اخلاقیات کا وہ روشن مینارہ ہے کہ جس کی تقلید سے قلوب منور ہوگئے، آپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے انسانوں نے بڑے کمال کے مدارج حاصل کئے، آپ کے اسوۂ حسنٰی کی پیروی کرتے ہوئے آپ کے صحابہ اور آپ کی امت کے اولیاء اللہ غوث، قطب، ابدال بن گئے۔ تمام عالم کے دلوں پر حکومت کرنے والے جہانگیر آپ کے اخلاقیات کا پَرتو ہیں، آپ ﷺ کے مکارم اخلاق نے اس راستہ کا تعین کردیا جس پر چل کر انسان اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل

کرلیتا ہے اور نفس مطمئنہ کا حامل ہو جاتا ہے۔

آپ کی ذات گرامی مکارم اخلاق کی جملہ جزئیات کا مجسم پیکر تھی۔ رقتِ قلب، زہد ورع، عفت وعصمت، حسنِ معاملہ، خلق، عدل وانصاف، صداقت، جود وسخا، ایثار وقربانی، محبت ورحمت، زہد وقناعت، صداقت وامانت، دیانت، تواضع ومساوات، ضبط وحلم، عفو ودرگذر، حُسنِ سلوک، دشمنوں کفار ومشرکین یہود ونصاریٰ کے ساتھ برتاؤ، عبادت وتصرف، مہمان نوازی، سادگی وبے تکلفی، مساکین اور محتاج کی دلجوئی، صبر ورضا، شکر، شرم وحیا، عزم واستقلال، شجاعت وشہامت، گداگری اور سوال سے نفرت، صدقہ سے پرہیز، ہدیہ دینا اور قبول کرنا۔ تعظیم وبیجا مداحی کی ناپسندیدگی، دوسروں کی حاجت روائی۔ آپ کی ذات گرامی شرافت انسانی کے جملہ اوصاف وکمالات کی ایک جامع تصویر تھی۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذکر کو بلند کیا:

﴿وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ﴾

اور وہ اس طرح سے کہ عرش سے لے کر فرش تک جتنی بھی مخلوقات ہیں وہ ہر وقت آپ کا ذکر کرتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں۔ خاص طور پر مسلمانوں کی کوئی عبادت ایسی نہیں جو آپ کے ذکر سے خالی ہو، حتی کہ نماز پڑھتے ہوئے بھی آپ کا ذکر کیا جاتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا جاتا ہے، شہادت کی انگلی اُٹھا کر آپ کی رسالت کی اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی گواہی دی جاتی ہے اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ اس جہانگیر عظیم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کا ایک جزء بنالیا۔ چونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ محبوب ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے بھی آپ پر درود وسلام بھیجتے رہتے ہیں۔

جہانگیر عظیم کی قناعت اور سادگی

مشہور مؤرخ ''ایف کے ہٹی'' آپ کی قناعت وسادگی کو خراج تحسین پیش کرتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی اقتدار و دولت کے زمانے میں بھی ایک کچے گھر میں ویسی ہی سادہ زندگی بسر فرماتے رہے جیسے غربت وگم نامی کے زمانے میں تھی۔ آپ کے کچے گھر میں چند حجرے ایک صحن میں کھلتے تھے اور اسی سے انکا راستہ تھا، جیسے اس زمانے میں عرب وشام کے پرانی وضع کے مکانوں میں ہوتا تھا۔ آپ کو بارہا اپنے کپڑوں میں پیوند لگاتے ہوئے دیکھا گیا ہے، لوگوں کے واسطے آپ کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا، تھوڑی سی متاع بھی آپ نے وصال کے بعد چھوڑی تو وہ سرکاری ملکیت سمجھی گئی۔ آپ نے 12 کے قریب شادیاں کیں، ان میں سب سے زیادہ عزیز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تھیں جو آپ کے عزیز دوست، یارِ غار و مزار حضرت صدیق اکبر کی چھوٹی صاحبزادی تھیں، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جو آپ کی پہلی بیوی تھیں ان سے کئی بچے پیدا ہوئے مگر آپ کے بعد ان میں صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا زندہ رہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نامی گرامی زوجہ تھیں۔ ایک مسیحی قبطیہ ماریہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے ابراہیم پیدا ہوئے تھے جن کے شیر خوارگی میں مرجانے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت غم ہوا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی روزانہ زندگی کا ہر فعل چھوٹا یا بڑا ایک دستور العمل کا مرتبہ رکھتا ہے۔ جس کی لاکھوں اشخاص آج تک بالارادہ ہو بہو نقالی (پیروی) کرتے ہیں۔ کوئی دوسرا شخص جسے دنیا کے کسی حصے نے بھی انسان کامل سمجھا ہو اس کی اتنی جزئی نقل (پیروی) نہیں کی جاتی جتنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کی جاتی ہے۔

تبلیغ دین اور تعلیمات جہانگیری کا فروغ

سرکار دو عالم جہانگیر عظیم صلی اللہ علیہ وسلم کا اصلی کام نہ صرف عرب بلکہ ساری دنیا کی

مخلوق کو توحید الٰہی کی دعوت دینا اور سارے عالم میں اسلام کی تبلیغ واشاعت تھا۔ کفار عرب کی مخالفت اور مزاحمت اس راہ میں سنگ گراں بنی رہی اور کفار کی اس مخالفت نے جنگ کی شکل اختیار کر لی لیکن مزاحمتوں کے باوجود تبلیغ اسلام کا کام برابر جاری رہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت اولوالعزمی اور پامردی کے ساتھ ان تمام مشکلات کا مقابلہ کیا اور اپنے مقصد میں ڈٹے رہے، اس عرصہ میں اسلام آہستہ آہستہ پھیلتا رہا اور جس قدر مزاحمتیں دور ہوتی گئیں اسلام کی اشاعت کی رفتار بڑھ گئی، حتی کہ فتح مکہ کے بعد جب قریش کی طاقت کا خاتمہ ہو گیا اور عربوں کا مذہبی مرکز کعبۃ اللہ یعنی مکہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا اس وقت سارے عرب میں اسلام کی روشنی پھیل گئی، کفر وجہالت کی تاریکی ختم ہو گئی۔ یہی رسالت کا حقیقی کارنامہ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ اسلام اور اسلامی تعلیمات کے مختلف طریقے اختیار فرمائے، شروع شروع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تنہا لوگوں سے ملتے رہے اور اسلام کی دعوت دیتے رہے پھر میلوں اور قبائل میں جا کر اللہ کا پیغام پہنچاتے تھے اور اس راہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت صعوبتوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ کبھی کبھی آپ کی جان کو بھی خطرہ لاحق ہو جاتا تھا مگر پائے ثبات کو لغزش نہ آئی اور نہایت تندہی اور جانفشانی کے ساتھ تبلیغ دین کو جاری رکھا۔

سابقین اوّلین اور انصار کی جماعت جو آپ پر جان نچھاور کرتی تھی، تبلیغ اسلام کا سنگ بنیاد ثابت ہوئی، اس کے بعد جیسے جیسے اسلام میں تقویت آتی گئی تبلیغ میں بھی وسعت پیدا ہوتی گئی، تربیت یافتہ مبلغین اور چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی شکل میں صحابہ کرام کو مختلف قبائل اور مقامات پر بھیجا جانے لگا، جس قبیلہ میں کوئی آدمی مسلمان ہو جاتا تھا وہ خود جا کر اپنے قبیلہ میں اسلام کی اشاعت کرتا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امراء، سرداروں اور بادشاہوں کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجے، ایران کے کسریٰ اور قیصر روم، مقوقش، عزیز مصر، اور شاہ حبشہ نجاشی کو خطوط بھیجے۔ جن

لوگوں نے آپ کے خطوط کی توہین کی اللہ نے اُن سے حساب لے لیا اور کچھ ہی مدت بعد وہ بادشاہ مارے گئے اور ان کی سلطنت مملکت اسلامی کا حصہ بن گئی۔

جب شاہ حبش نجاشی کے پاس نامہ مبارک پہنچا تو اس کے احترام میں وہ تخت سے نیچے اُتر گیا اور نامہ مبارک کو آنکھوں سے لگا کر چوما۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ جو ہجرت اولیٰ سے حبشہ گئے تھے اور اب تک وہیں مقیم تھے ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے اسلام قبول کر لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خط لکھ کر بھیجا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے پیغمبر اور اس کے رسول ہیں۔

اسلام لانے سے پہلے شاہ نجاشی نے ان مسلمانوں کو پناہ دی تھی جو کفارِ مکہ کے ظلم وستم سے تنگ آ کر ہجرت کر کے حبشہ آ گئے تھے۔ ابوسفیان اور مکہ کے کافر سرداروں نے بہت کوششیں کیں کہ شاہ نجاشی مسلمانوں کو وہاں سے نکال دے، انہوں نے اس سلسلے میں ایک وفد بھیجا اور بادشاہ سے گذارش کی کہ یہ ہمارے باغی غلام ہیں یہ ہمارے معبودوں اور دیوتاؤں کو بُرا کہتے ہیں اور ہماری قوم کے ایک فرد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی اور رسول مانتے ہیں اور ہمارے آبائی دین اور بت پرستی کے خلاف ہیں۔ بادشاہ نجاشی نے انکا موقف سننے کے بعد مہاجر بن حبشہ کے امیر حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو بلایا کہ وہ کفار مکہ کے وفد کا جواب دیں اور اپنا موقف پیش کریں۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر ایک مختصر سی تقریر کی:

> ''ہم جاہلیت کے لوگ بت پرستی کرتے تھے، مردہ جانور کھاتے تھے اور اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ دیتے تھے، ہماری قوم کے لوگ غریبوں کو کھا جاتے تھے، یہ جہالت تھی۔ جب خدا نے ہم میں سے ایک نبی بھیجا جس کے نسب سے ہم آگاہ ہیں اسکی صداقت، امانت، دیانت اور پاکیزگی کو خوب جانتے ہیں، اسی نے ہم کو ذات واحد کی عبادت کی دعوت دی کہ اسے خدائے واحد مانیں اور اسی ذات واحد کی پرستش کریں اور پتھروں اور بتوں کو جنہیں ہم

اور ہمارے آباؤ اجداد خدا کے بجائے پوجتے ہیں ترک کر دیں، پھر اس نے حکم دیا کہ باتوں میں صداقت کے پابند رہیں، حق داروں کے حق ادا کریں، اہل و عیال کا ساتھ دیں، خون گرانے اور بدی کرنے سے احتراز کریں، ہمیں اس نے زناکاری، جھوٹی شہادت، یتیموں کا حق غصب کرنے اور پارسا عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا۔ صرف خدائے واحد کے بغیر کسی کو شریک کئے پرستش فرض کی اور نماز، زکوٰۃ ادا کرنے اور روزے رکھنے کا حکم دیا۔'' (تاریخ ملت عربی از پروفیسر فلیپ ہٹی)

تقریر سن کر نجاشی نے کہا: اگر تم کو کچھ کلام الٰہی یاد ہو تو سناؤ، حضرت جعفر طیار نے سورۂ مریم کا ابتدائی حصہ سنایا، اسے سن کر نجاشی اور اسکے بطریق پر بے اختیار رقت طاری ہوگئی اور اس نے کہا: خدا کی قسم یہ کلام اور عیسیٰ علیہ السلام کا کلام ایک ہی چراغ کے دو پرتو ہیں اور قریش کے سفیروں کو صاف جواب دے دیا کہ یہ لوگ تمہارے حوالہ نہیں کئے جاسکتے۔

(مسند احمد بن حنبل، سیرۃ ابن ہشام)

اسلامی تعلیمات کے اثرات

اسلامی تعلیمات نے پوری دنیا کو متاثر کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تعلیمات کا عملی نمونہ پیش کیا جس نے چوتھائی صدی کے اندر اندر وحشی عربوں کی کایا پلٹ دی، بت پرستی و گمراہی کی تاریکیوں میں ڈوبے ہوئے کفر کی جہالت سے آلودہ بد اخلاق اور بدکردار لوگ دنیا کے معلم اخلاق بن گئے اور پھر ان کے اثر سے علم کی روشنی تمام عالم میں پھیلی۔ آج دنیا میں جہاں کہیں بھی توحید کی کرن نظر آتی ہے وہ سب اسلام ہی کے آفتاب عالم تاب کا پرتو ہے۔ دنیا کے تہذیب و تمدن اور اخلاقیات پر اسکا گہرا اثر مرتب ہوا، قبائلی عصبیت، حسب نسب کے غرور کو ختم

کر کے یہ بتادیا کہ تمام انسان بحیثیت انسان ایک ہیں اور تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اخلاقیات اور انسانیت کے وہ اصول بتادیئے جس پر چل کر دنیا کی تمام قومیں مہذب اور متمدن ہوگئیں۔ اسلامی تعلیمات نے ان راستوں کا تعین کردیا جس پر چل کر انسان اخلاقیات کی اعلیٰ اقدار کے حامل ہوجاتے ہیں، عبادت وریاضت سے لے کر انسانوں کو معاشرتی زندگی کے ادب وآداب اور قرینے سکھائے جن پر عمل پیرا ہو کر انسان کو راحت وسکون میسر آتی ہے۔ علم کا حاصل کرنا ہر مؤمن کیلئے فرض کردیا۔ اسلام کی اس روشن خیالی نے عورتوں میں بھی علم حاصل کرنے کا جذبہ پیدا کردیا اور مردوں کے ساتھ ساتھ عورتیں بھی نامور عالم بنیں۔

اسلامی مفکروں اور فلاسفہ نے ایشیا اور افریقہ کے علاوہ یورپ کی اقوام کو متاثر کیا اور جو علاقہ اسلامی مملکت کا حصہ بنے یا ان کے زیر اثر آئے ان میں علم فضل اپنے عروج پر پہنچا اور علم کے مختلف شعبوں میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ یورپی اقوام نے بھی کمالات حاصل کیے۔

آج جو دنیا خصوصاً یورپ تہذیب وتمدن، سائنس اینڈ ٹیکنالوجی میں اتنا آگے چلا گیا ہے وہ سب اسلامی تعلیمات کا مرہون منت ہے۔

اسلام کی جہانگیریت کا اعتراف

پروفیسر ٹی ڈبلیو آرنلڈ نے ''دعوت اسلامی'' (مترجم: ڈاکٹر عنایت اللہ) میں اسلام کی ہمہ گیری اور جہانگیریت کا اعتراف کیا ہے۔ فاضل مصنف لکھتے ہیں:

> اسلام کی کامیابی کے اسباب میں سب سے پہلا سبب اس کی تعلیم کی سادگی ہے۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ محمد رسول اللہ یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں، یہی وہ سادہ سے عقیدے ہیں جن کا اقرار نو مسلم کے لئے ضروری ہے، اسلامی دینیات کی تاریخ میں کہیں اس بات کا

پتہ نہیں چلتا کہ علمائے اسلام کی مجالس نے عامۃ المسلمین پر اس سادہ سے کلمہ شہادت کے بجائے کوئی ایسا رمزو کنایہ ٹھونسنے کی کوشش کی ہو جس کی عبارت مشکل اور پیچیدہ ہو، یہ اسلامی عقیدہ اتنا صاف اور سادہ ہے کہ انسان کی قوت ایمان کو اس کے قبول کرنے میں کوئی زحمت نہیں اُٹھانی پڑی، اس کو سمجھنے میں انسان کو کوئی عقلی مشکلات پیش نہیں آتیں بلکہ ادنیٰ فہم کے لوگ بھی اسکو سمجھ سکتے ہیں اس لئے وہ لوگ بھی کہ جن کو الٰہیات کی مصطلحات کا مطلق علم نہیں وہ دوسروں کو یہ کلمہ سکھا سکتے ہیں، اس کلمہ کے پہلے حصہ میں ایک ایسا عقیدہ بیان ہوا ہے جو تقریباً تمام بنی نوع انسان کے نزدیک ایک بدیہی امر ہے۔ اس کا دوسرا حصہ خدا اور انسان کے باہمی تعلق کے ایک ایسے نظریہ پر مبنی ہے جو پہلے نظریہ کی طرح عام ہے، یعنی دنیا کی تاریخ میں خدا وقتاً فوقتاً پیغمبروں کے ذریعہ سے لوگوں پر اپنی وحی نازل کرتا ہے۔ اسلامی عقیدہ کی یہ خصوصیت کہ اسکا دارومدار عقل پر ہے اور اس سے اسلام کی اشاعت میں بہت سہولت پیدا ہوگئی۔

پروفیسر مونٹے کا دین اسلام کی جہانگیریت کا اعتراف

اسلام ایک ایسا مذہب ہے جسکا اندازِ فکر بنیادی اور حقیقی طور پر عقلی (Rationalistic) ہے، اسکے مذہبی عقائد کی بنیاد عقلی اُصول پر ہے۔ تو یہ تعریف اسلام پر بعینہٖ صادق آتی ہے۔ اور یہ بات درست ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے پُر جوش شخص تھے کہ جن کے دل میں ایمان کی حرارت اور ایقان کی آتش موجزن تھی اور یہ قابل قدر خوبی تھی جو انہوں نے بہت سے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں پیدا کردی۔ چنانچہ انہوں نے اپنی

اصلاحات کو آسمانی الہام اور وحی کی صورت میں ظاہر کیا۔

موہن داس کرم چند گاندھی کا اعتراف

میں نے پوری تاریخ انسانیت کا مطالعہ کرلیا، صرف پیغمبر اسلام ہی ایک ایسے انسان ہیں جن کی زبان سے ادا ہونے والا ہر لفظ اُن کے عمل کے تابع ہوتا تھا۔

جہانگیر اعظم حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کے دیرینہ رفیق اور اسلام کے سب سے پرانے جاں نثار، محرم اسرار نبوت، ثانی اثنین فی الغار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین ہوئے۔ آپ کا اسم مبارک ''عبداللہ'' اور کنیت ''ابوبکر'' رضی اللہ عنہ اور ''صدیق عتیق'' لقب ہے، آپ کے والد ماجد کا نام ''ابوقحافہ'' تھا، آپ قریش کی شاخ بنوتمیم سے تعلق رکھتے تھے، آپ کا شجرہ نسب پانچویں پشت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا تھا، آپ کا گھرانہ زمانہ جاہلیت میں بھی بہت معزز تھا اور قریش کے سیاسی نظام میں خون بہا کی امانت داری کا عہدہ آپ کے خاندان کو ملا تھا، آپ کا پیشہ تجارت تھا، آپ اپنے بچپن ہی سے سلیم الطبع اور نیک فطرت کے حامل تھے، آپ کا دامنِ اخلاق ایام جاہلیت کی تمام خرابیوں سے پاک وصاف تھا، آپ کا حسنِ اخلاق وامتیازی اور متانت وسنجیدگی تمام عرب میں مشہور تھی اور تمام شرفائے مکہ آپ کو عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

آپ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں تقریباً دو سال چھوٹے تھے، آپ کی طبیعت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت سے یکسانیت رکھتی تھی، اس لئے بچپن ہی سے دونوں میں گہرے دوستانہ تعلقات پیدا ہو گئے تھے۔ دونوں حضرات ایک دوسرے کی فطرت و طباع سے واقف تھے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب پہلی مرتبہ اسلام کی دعوت دی اور آپ کو غار حرا کا واقعہ بتایا تو آپ نے بغیر کسی شک وشبہ کے فوراً اسکی تصدیق کر دی، آپ کے اس یقین کامل کو دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو صدیق عتیق کا لقب عطا کیا۔ تمام مسلمان آپ کو صدیق اکبر کہتے ہیں۔

قبول اسلام کے بعد آپ اسلام کی تبلیغ میں آنحضرت کے دست راست بن گئے اور راہ خدا میں جان و مال، عزت و آبرو سب نثار کر دی اور میدان جانثاری میں آپ اتنے آگے بڑھ گئے کہ کوئی صحابی آپ سے بازی نہ لے سکا۔ بعض بعض مواقع پر گھر کا تمام اثاثہ خدا کی راہ میں دے دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اے صدیق کچھ اپنے اہل وعیال کے لئے بھی چھوڑا ہے۔ آپ نے عرض کیا ان کے لئے اللہ اور اسکا رسول ہی کافی ہے۔ کسی صحابی کی اسلامی خدمات آپ کے برابر نہیں ہیں۔ آپ مردوں میں وہ پہلے شخص ہیں جس نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا اور مکہ کی پر خطر مظلومیت کی زندگی کے ہر مرحلہ میں آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ڈٹ کر ساتھ دیا۔ تبلیغ اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاں بھی جاتے آپ سائے کی طرح ان کے ساتھ ہوتے اور اپنے جاننے والوں سے آپ کا تعارف کرواتے تھے۔ (تفسیر کنز العمال جلد 4، ص 319)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ جیسے اکابر صحابہ کرام اور بڑے بڑے اساطین اسلام آپ ہی کی کوششوں سے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ کفار کے ظلم وجور کے مقابلے میں سینہ سپر رہے۔ (بخاری باب مالقی النبی وصحابہ من المشرکین فی مکہ)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ، حضرت عامر بن فہیرہ اور متعدد غلاموں کو جو اسلام لانے کے جرم میں اپنے مشرک آقاؤں کے ظلم وستم کا نشانہ بنے تھے، آپ نے اپنے مال سے انکو آزاد کرایا۔ مسجد نبوی کی تعمیر کا جب حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ کیا تو آپ نے اس زمین کی قیمت (جو دو یتیموں کی ملکیت تھی) ادا کی، اس طرح مدینہ میں پہلا خانہ خدا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مدد سے تعمیر ہوا (تفسیر فتح الباری جلد 7، ص 192)

غزوات بدر، اُحد، بنی مصطلق، حدیبیہ، خیبر، فتح مکہ، حنین وطائف وغیرہ تمام معرکوں میں مجاہدانہ شریک ہوئے اور سب سے نمایاں اور ممتاز خدمات انجام دیں۔ حدیث، سیرت اور طبقات کی تمام کتابوں میں اس کی تفصیل ہے۔ اسلام کے آغاز سے لیکر وصال نبوی تک ہر مرحلہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانثارانہ رفقات کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کی قربانیوں اور بے لوث خدمات کا اتنا اثر تھا کہ آپ فرماتے تھے کہ:

''جان و مال کے لحاظ سے مجھ پر ابوبکر رضی اللہ عنہ سے زیادہ کسی کا احسان نہیں ہے''۔ (بخاری باب فضائل ابوبکر رضی اللہ عنہ)

اس رفاقت اور بے لوث خدمات کی بناء پر صحابہ رضی اللہ عنہ کی جماعت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسلام کے سب سے بڑے محسن اور اسرار نبوی کے محرم تھے، اس لئے قدرتاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد خلافت رسول اللہ کے آپ سب سے زیادہ مستحق تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں خاص خاص مواقع پر اسکا شرف حاصل ہوتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا سب سے بڑا منصب یعنی مسجد نبوی کی امامت کا شرف حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا ہے۔ (بخاری باب اہل العلم والفضل حق بالامۃ) جو درحقیقت آپ کی جانشینی کی طرف اشارہ تھا لیکن چونکہ اسلام کا نظام شوریٰ پر ہے اس لئے آپ نے اپنی طرف سے کسی کو اپنا جانشین نامزد نہیں کیا اور اسکا فیصلہ امت پر چھوڑ گئے۔ آپ کی تعلیمات نے صحابہ کرام میں صحیح بصیرت اور قوت فیصلہ پیدا کر دی تھی اس لئے آپ کے بعد اسلامی نظام کے قیام میں کسی غلطی کا امکان باقی نہ رہا، یہی وجہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جانشین کے بارے میں سکوت فرمایا۔

حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد منافقین کو فتنہ انگیزی کا موقع مل گیا، ہر طرف شورش و بغاوت پیدا ہوگئی، دشمنانِ اسلام نے مزید اس میں آگ لگا دی، جس دن آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال فرمایا اسی دن جانشینی کا مسئلہ کھڑا ہوگیا اور نازک صورتحال پیدا ہوگئی، سقیف بنو ساعدہ میں انصار کی جماعتیں اور عرب قبائل اکٹھا ہو گئے اور ہر قبیلہ جانشینی کا دعویدار ہوگیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے ساتھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو لیکر وہاں پہنچے، جب آپ نے یہ نازک صورتحال دیکھی تو آپ نے نہایت نرمی کے ساتھ ان قبائل کو سمجھایا اور برمحل ایک تقریر کی۔ آپ نے کہا:

''مجھے تم لوگوں کے فضائل ومناقب اور تمہاری خدمات جو تم لوگوں نے اسلام کے لئے انجام دیں اس سے انکار نہیں ہے لیکن عرب قوم قریش کے علاوہ کسی خاندان کی قیادت تسلیم نہیں کریں گیں، آپ نے فرمایا کہ مہاجرین اپنے تقدم فی اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاندانی تعلق کی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کے زیادہ مستحق ہیں۔ یہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور یہ عمر خطاب رضی اللہ عنہ میرے ساتھ موجود ہیں ان میں سے جس کے ہاتھ پر چاہو بیعت کرلو۔''

یہ سنتے ہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیا اور فرمایا کہ آپ ہم سب میں بزرگ و برتر ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ مقرب ہیں اس لئے ہم آپ کے ہاتھوں پر بیعت کرتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شخصیت ہر جماعت میں ایسی تھی کہ اس پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا تھا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پیش قدمی سے ایک بہت زبردست انقلاب ہوتے ہوتے بچ گیا۔ اس کے دوسرے دن تمام عرب نے آپ کی خلافت کو تسلیم کرلیا۔ مسجد نبوی میں عام بیعت ہوئی اور آپ خلافت پر متمکن ہوئے۔

(بخاری جلد اول، صفحہ ۵۱۸)

اس موقع پر آپ نے تقریر کی:

''لوگو! میں تم پر حاکم بنایا گیا ہوں حالانکہ میں تمہاری جماعت میں سب سے زیادہ بہتر نہیں ہوں، اگر میں اچھا کام کروں تو تم میری اطاعت کرو اور اگر کجروی اختیار کروں تو مجھے سیدھا کردو، سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت، تمہارا ضعیف فرد بھی میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ میں دوسروں سے اسکا حق اسکو نہ دلادوں اور تمہارا اقوی شخص بھی میرے نزدیک ضعیف ہے یہاں تک کہ میں اس سے دوسروں کا حق نہ حاصل کرلوں۔ یاد رکھو جو قوم جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ دیتی ہے خدا اسکو ذلیل وخوار کردیتا ہے اور جس قوم میں بدکاری پھیل جاتی ہے خدا اس قوم کو مصیبت میں مبتلا کردیتا ہے۔ اگر میں خدا اور رسول کی اطاعت کروں تو تم لوگ میری اطاعت کرو اور اگر میں نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت لازم نہیں۔

(طبقات ابن سعد، ج ۳ ق اول، ص ۱۲۹)

اولوالعزمی واستقامت

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیماری کے آخری ایام میں تھے تو آپ نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں ایک لشکر زید بن حارث کے انتقام لینے کے لئے شام بھیجنے کا حکم دیا، ابھی یہ مہم روانہ ہی ہوئی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال فرمایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر سن کر مدینہ سے کچھ فاصلے پر لشکر رک گیا، صحابہ نے آپ سے کہا کہ عرب میں انقلاب کے آثار ہیں، شورشیں ہورہی ہیں ایسی حالت میں اس لشکر کو مرکز خلافت سے دور بھیجنا خلاف مصلحت ہے، اس مہم سے پہلے شورشوں اور انقلاب کا تدارک ضروری ہے۔ آپ

نے فرمایا! قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر مدینہ میں اتنا سناٹا ہو جائے کہ درندے آ کر میری ٹانگیں نوچیں تب بھی میں اس مہم کو جس کی روانگی کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا نہیں روک سکتا۔

(تاریخ الخلفاء جلال الدین سیوطی ص ۷۱)

انہیں انقلاب انگیز حالات میں آپ نے فوج روانہ کی اور خود پا پیادہ مدینہ کے باہر تک لشکر کو رخصت کرنے گئے، رخصت کرتے وقت لشکر کو ہدایت دی: خیانت نہ کرنا، مال نہ چھپانا، بے وفائی نہ کرنا، دشمنوں کا مثلہ نہ کرنا، بوڑھوں بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا، ہرے بھرے پھلدار درختوں کو نہ کاٹنا، کھانے کے علاوہ جانوروں کو بے کار نہ ذبح کرنا۔

(طبری، ص ۱۲۵۰)

احیائے دین

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جھوٹے مدعیان نبوت پیدا ہو گئے اور انہوں نے غیر معمولی طاقت حاصل کر لی۔ مسیلمہ کذاب، اسود عنسی، طلیحہ بن خویلد اور ایک عورت سجاح بنت خویلد نے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کیا، آپ نے ان کے خلاف لشکر کشی کی اور ان سب کا استحصال کیا، بہت سے قبیلہ مرتد ہو گئے تھے۔ ان پر آپ نے فوج کشی کی، کچھ لوگ ہلاک ہو گئے اور باقی نے توبہ کر کے دوبارہ اسلام قبول کر لیا۔ اس زمانے میں کچھ قبائل اسلام کے رکن زکوٰۃ کے منکر ہو گئے آپ نے ان کے خلاف تلوار اُٹھائی حالانکہ بہت سے صحابہ ان کے خلاف تلوار اُٹھانے سے احتراز کر رہے تھے لیکن آپ کی مذہبی بصیرت، اصابت رائے اور استقلال واستقامت کو دیکھ کر سب آپ کے ہم خیال ہو گئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ کو بھی آپ کی اصابت رائے کا اعتراف کرنا پڑا کہ اگر آج زکوٰۃ نہ دینے پر ان لوگوں کو چھوڑ دیا جائے تو کل یہ لوگ صوم وصلوٰۃ کے منکر ہو جائیں گے اور اسلام ایک تماشہ بن جائے گا۔ حضور

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جو فتنے پیدا ہوئے تھے وہ سب دب گئے، گویا اسلام کو دوبارہ زندگی ملی۔ (طبری)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے وہ خطبات جو آپ نے مختلف موقعوں پر فرمائے وہ تعلیمات اسلامی یعنی تعلیمات جہانگیری میں ایک نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔

ایک حاکم ولید بن عتبہ کو نصیحت:

''جلوت وخلوت میں خدا کا خوف رکھو، جو خدا سے ڈرتا ہے وہ اس کے لئے ایسی سبیل اور ایسا رزق کا ذریعہ پیدا کر دیتا ہے جو کسی کے گمان میں نہیں آسکتا، جو خدا سے ڈرتا ہے وہ اسکے گناہ کم کر دیتا ہے اور اسکا اجر دوبالا کر دیتا ہے، بیشک بندگان خدا کی خیر خواہی بہترین تقویٰ ہے، تم خدا کی ایسی راہ میں ہو جس میں افراط وتفریط اور ایسی چیزوں سے غفلت کی گنجائش نہیں جس میں مذہب کے استحکام اور خلافت کی حفاظت مضمر ہے، اس لئے سستی اور تغافل کو راہ نہ دینا''۔

(تاریخ طبری، ج ۴، ص ۲۰۸۳)

شام کے فوجی افسروں سے خطاب:

تم ایسی قوم کو پاؤ گے جنہوں نے اپنے آپ کو خدا کی عبادت کے لئے وقف کر دیا ہے، انکو چھوڑ دینا ان سے کوئی تعرض نہ کرنا، میں تم کو دس وصیتیں کرتا ہوں، کسی عورت، کسی بچے یا بوڑھے کو قتل نہ کرنا، پھل دار درختوں کو نہ کاٹنا، کسی آباد جگہ کو ویران نہ کرنا، کھانے کے سوا بکری یا اونٹ کو مت ذبح کرنا، نخلستان نہ جلانا، مال غنیمت میں غبن نہ کرنا، بزدلی نہ دکھانا۔

(تاریخ الخلفاء، ص ۹۴)

ذمیوں کے حقوق کے بارے میں نصیحتیں:

ان کی خانقاہوں اور گرجے نہ منہدم کئے جائیں اور نہ انکا کوئی قصر گرایا جائیگا جس میں وہ ضرورت کے وقت دشمنوں کے مقابلہ میں قلعہ بند ہوتے ہیں، ناقوس بجانے کی ممانعت نہ ہوگی اور نہ تہوار کے موقع پر صلیب نکالنے سے روکے جائیں گے۔

(کتاب الخراج، قاضی ابو یوسف)

تدوین قرآن کریم

تدوین قرآن کریم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا بڑا کارنامہ ہے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے اپنے قول ''یَتْلُوْ صُحُفاً مُّطَھَّرَۃً'' میں بیان فرمایا ہے کہ قرآن صحیفوں میں لکھا ہوا موجود تھا لیکن اسکے اجزاء متفرق تھے، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انکو ایک جگہ جمع کیا جو ان کے بعد محفوظ رہا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اسکے متعدد نسخے نقل کرا کے دوسرے شہروں میں بھیجے۔''

(فتح الباری، ج۹، ص ۱۰)

جماعت صحابہ میں صدیق اکبر سب سے زیادہ اسرار شریعت کے محرم اور روح اسلامی کے دانائے راز تھے، قرآن، تفسیر، فقہ اور تمام اسلامی علوم میں آپ کا پایہ بلند تھا، قرآن پاک کے فہم وتدبر میں آپ کی نظر کی رسائی بہت بلند مرتبہ رکھتی تھی، دوسرے صحابہ کے ذہن ان گہرائیوں تک نہیں پہنچ سکتے۔ علم الانساب جو عربوں کا ممتاز علم تھا آپ کا شمار بڑے پائے کے عالموں میں ہوتا تھا۔ سارے عرب آپ کے تدبر وفراست کو تسلیم کرتے تھے۔ آپ کی ذات ان کے لئے

سایۂ رسول کے مانند تھی۔

وصال سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہدایات:

''میرے بعد بیت المال کا جو قرض میرے ذمہ ہے اسے ادا کرنا، میرے پاس مسلمانوں کے مال سے ایک لونڈی اور دو اونٹنیاں ہیں اسے عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھجوا دینا، اس کے علاوہ اگر کوئی چیز نکل آئے تو ان سب کو بیت المال میں جمع کرا دینا۔'' کفن کے متعلق فرمایا: ''میرے بدن پر جو کپڑا ہے اسے دھو کر کفن دینا پھر آپ نے پوچھا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس دن پردہ فرمایا میری بھی یہ آرزو ہے، آپ کو بتایا گیا کہ دوشنبہ کے دن۔''

آپ کی آرزو پوری ہوئی اور 21 جمادی الثانی 13 ھ دوشنبہ کو کو آپ نے اس جہان فانی سے پردہ فرمالیا۔

سیرت جہانگیر اکبر

آپ انتہائی رقیق القلب، نرم خو، متواضع، خاکسار، اور زہد و ورع کا مسجم پیکر تھے، اسلام سے قبل آپ کا دامنِ اخلاق جاہلی دور کی برائیوں اور آلائشوں سے پاک وصاف تھا، رقیق القلب ایسے تھے کہ بات بات پر آنکھیں اشکبار ہو جاتی تھیں، مسلمانوں کی فلاح واصلاح میں مصروف رہتے تھے۔ تواضع وسادگی کا یہ حال تھا کہ محلّہ والوں تک کا کام اپنے ہاتھوں سے انجام دیتے تھے۔ خلافت ملنے کے بعد ایک لڑکی جسکی بکری کا دودھ دوہتے اسکو بڑی فکر ہوئی، آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ خلافت مجھ کو خلق خدا کی خدمت سے نہیں روک سکتی، زہد و عبادت کا یہ حال تھا کہ نماز کی حالت میں خشک لکڑی کے مانند نظر آتے ہیں، برقت اتنی طاری رہتی کہ روتے روتے

ہچکی بندھ جاتی، آخرت کا خوف ہر وقت دامن گیر رہتا، کبھی کبھی آپ فرماتے کہ کاش میں درخت ہوتا کہ آخرت کے خطروں سے وہ محفوظ ہے، چڑیوں کو چہچہاتے دیکھتے تو فرماتے پرندو! تم خوش نصیب ہو، دنیا میں چگتے اور درختوں کے سایہ میں بیٹھتے ہو اور قیامت کے محاسبہ کا تم کو کوئی خطرہ نہیں، کاش ابو بکر تمہاری طرح ہوتا۔

(طبقات ابن سعد، تاریخ الخلفاء، کنز العمال)

مشہور عیسائی مؤرخ پروفیسر ایف کے ہٹی کا بیان

دنیا کو فتح کرنے کی پہلی تحریک حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو دی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں نقطۂ عروج کو پہنچی۔ حضرت علی کے زمانے میں وہ تھوڑے دن کے لئے رک گئی کیونکہ ان کی خلافت اندرونی فسادات میں اتنی گھری رہی کہ مزید توسیع کا موقع نہ مل سکا۔

بہر حال پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کی پہلی ہی نسل کے خاتمے تک اسلامی سلطنت دریائے سیحوں سے شمالی افریقہ کے سرتیس تک پھیل گئی۔ عربی خلافت اسلام کا آغاز صفر سے ہوا تھا اور اب دین کی سب سے قوی حکومت بن چکی تھی۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جنہوں نے عرب کو فتح کیا اور امن سے بہرہ مند کیا، درویشانہ سادگی سے رہتے تھے، ان کا غریبانہ گھر سنخ میں تھا، وہیں ان کی بیوی حبیبہ رضی اللہ عنہا رہتی تھیں اور آپ اپنے مختصر عہد کے ابتدائی 4 ماہ تک وہاں سے روزانہ دار الخلافت مدینہ آتے اور پھر واپس چلے جاتے تھے، انہیں کوئی معاوضہ نہیں ملتا تھا کیونکہ حکومت کی آمدنی ہی میں کچھ نہ تھا، مسجد نبوی کے صحن میں وہ جملہ امور سلطنت انجام دیتے تھے، ذاتی اوصاف اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر غیر متزلزل ایمان نے انہیں نو مولود اسلام کی تاریخ میں سب سے زیادہ دل کش

کردار بنا دیا تھا اور ''الصدیق'' کا لقب دلوایا، عام روایات میں انہیں جتنی استقامات اور مضبوطی کا مالک بتایا جاتا ہے حقیقت میں وہ اس سے بہت زیادہ صفات کے حامل تھے، جسمانی طور پر وہ چھریرے بدن، سبک چہرے اور کھلتے ہوئے رنگ کے آدمی تھے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے وصال پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تاثرات:

جس وقت حضرت ابوبکر صدیق کے وصال کی خبر مدینے میں پھیلی تو شہر میں ایک کہرام مچ گیا، وصال نبوی کے دن کا نقشہ دوبارہ لوگوں کی نگاہ میں بھرنے لگا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس خبر کو سنا تو رو پڑے اور روتے ہوئے آپ کے مکان پر آئے اور دروازہ پر کھڑے ہو کر فرمانے لگے:

> ''اے ابوبکر رضی اللہ عنہ خدا تم پر رحم کرے، بخدا تم تمام امت میں سب سے پہلے ایمان لائے اور ایمان کو اپنا خلق بنایا، تم سب سے زیادہ صاحب ایقان ہو، سب سے غنی اور سب سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت ونگہداشت کرتے تھے، سب سے زیادہ اسلام کے حامی وخیر خواہِ مخلوق تھے، تم خلق، فضل، ہدایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر تھے، اللہ تعالیٰ تم کو اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے بہترین جزا دے، تم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی جب دوسروں نے تکذیب کی اور اس وقت رسول خدا کی غمخواری کی جب دوسروں نے بخل کیا، جب لوگ نصرت وحمایت سے رکے ہوئے تھے تو تم نے کھڑے ہو کر رسول خدا کی مدد کی، خدا نے تم کو اپنی کتاب میں صدیق کہا: ﴿وَالَّذِیْ جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖ﴾ تم اسلام کی پشت وپناہ ہو اور کافروں کے بھگانے والے تھے، نہ تمہاری

حجت بے راہ ہوئی اور نہ تمہاری بصیرت ناتواں ہوئی، تمہارے نفس نے کبھی بزدلی نہیں دکھائی، تم پہاڑ کی مانند مستقل مزاج تھے، تند ہوائیں نہ تم کو اُکھاڑ سکیں نہ ہلا سکیں، تمہاری نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ضعیف البدن، قوی الایمان، منکسر المزاج، اللہ کے نزدیک بلند مرتبہ، زمین پر بزرگ مؤمنوں میں بڑے ہیں، نہ تمہارے سامنے کسی کو طمع ہو سکتی تھی نہ خواہش کمزور، تمہارے نزدیک قوی اور قوی تمہارے نزدیک کمزور تھا یہاں تک کہ کمزور کا حق دلا دو اور زور آور سے حق لے لو۔"

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے تاثرات:

"اے خلیفہ رسول اللہ! تم نے اپنے بعد قوم کو بڑی سخت تکلیف دی اور انکو مصیبت میں ڈال دیا، تمہارے غبار کو بھی پہنچنا بہت مشکل ہے، میں تمہاری برابری کہاں کر سکتا ہوں؟

(از تاریخ اسلام مصنفہ: مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی)

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

عدل وانصاف کے جہانگیر اعظم جو دنیا میں عدل وانصاف کی ایسی مثالیں چھوڑ گئے ہیں کہ اس روئے زمین پر ابھی تک انکا ثانی نظر نہیں آتا، البتہ ایسے جہانگیر کہ جنہوں نے آپ کی پیروی کی وہ لوگ بھی تاریخ کے اوراق پر زندۂ جاوید ہوگئے اور ان کی ہستیاں تاریخ میں روشن ہوگئی ہیں۔ یہ عظیم ہستی جناب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ہے، آپ کا اسم مبارک ''عمر'' رضی اللہ عنہ اور ''فاروق'' لقب ہے۔ آپ قریش کی ایک شاخ بنوعدنان سے تعلق رکھتے تھے، آپ کا شجرہ نسب آٹھویں پشت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے، آپ کا خاندان زمانہ جاہلیت میں بھی ممتاز تھا، قریش کے نظام میں سفارت اور مقدمات کے فیصلوں کا عہدہ آپ ہی کے خاندان میں تھا، اسلام سے قبل فنون سپاہ گری، پہلوانی اور خطابت سے بڑی دلچسپی رکھتے تھے، تجارت کے سلسلہ میں بہت سے ممالک کا سفر کر چکے تھے، سفارت کا خاندانی عہدہ حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ ہی کو تفویض کیا، قبائل میں جب کوئی پیچیدہ مسئلہ درپیش ہوتا تو آپ ہی کو سفیر بنا کر بھیجا جاتا تھا، آپ اپنے فہم وتدبر سے اسکو حل کرتے تھے۔

اسلام قبول کرنے سے پہلے آپ اسلام کے سخت دشمن تھے، آپ کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعائیں مانگتے تھے کہ عمر رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرلیں، اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کے طفیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اسلام قبول کرنے کی سعادت عطا کی، آپ کے اسلام لانے سے پہلے چالیس آدمی مسلمان ہو چکے تھے، یہ لوگ کفار کے ڈر اور خوف سے چھپ کر نماز پڑھتے تھے کیونکہ کفار مسلمانوں پر طرح طرح کے ظلم ڈھاتے تھے، اس لئے کسی میں اعلانیہ عبادت کرنے کی جرأت نہ تھی، بہت سے لوگ اپنے اسلام کا اظہار بھی نہیں کرسکتے تھے۔

جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو دفعتاً حالت بدل گئی، آپ کسی سے دبنے والے نہیں تھے، نہایت بہادر اور جری شخصیت کے حامل تھے، آپ نے اسلام لانے کے بعد خانۂ کعبہ میں جا کر نماز ادا کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی جرأت اور بے باکی پر آپ کو فاروق کا لقب عطا کیا۔

ہجرت کے بعد جنگ بدر، اُحد اور غزوات میں آپ شریک رہے، غزوہ بدر میں آپ نے اپنے اعزہ کو اپنے ہاتھوں سے قتل کیا، غزوہ تبوک میں اپنا آدھا مال خدا کی راہ میں دے دیا، اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرح آپ نے بھی جان اور اپنا مال اسلام پر نثار کر دیا، آپ کی جرأت وشجاعت اور جانثاری سے اسلام کو بڑی تقویت ملی، ایثار قربانی میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بعد انکا درجہ تھا۔ ان کی جانثاری اور فداکاری اور خدمات اسلامی کی بناء پر انکو بارگاہ نبوی میں خاص تقرب حاصل تھا لیکن جو تقرب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حاصل تھا وہ کسی صحابی رضی اللہ عنہ کو نہ تھا۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتے۔ (مستدرک الحاکم ج3، فضائل عمر رضی اللہ عنہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد سقیفۂ بنو ساعدہ کے فتنہ کو دبانے میں حضرت عمر فاروق کا بڑا دخل ہے، آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پر بیعت کر کے اختلاف کا خاتمہ کر دیا، آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں خاص مشیر اور انکے دست راست رہے، ان کے بیشمار فضائل اور اوصاف کی بناء پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد انکو اپنا جانشین نامزد کر دیا، آپ کی نامزدگی پر کچھ لوگوں کو اختلاف ہوا اور ان کی تند مزاجی اور سخت گیری جو ان کی حق پرستی کی وجہ سے تھی، کچھ صحابہ نے شکایت کی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب ان پر بار خلافت پڑے گا تو یہ موم کی طرح نرم ہو جائیں گے۔

جب آپ خلیفۃ المسلمین بنے تو تمام عالم اسلام نے آپ کو پسند کیا۔ امور سلطنت میں اکابر صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے مشیر تھے، آپ تمام کام صحابہ کے مشورہ سے انجام دیتے تھے، آپ نے جمہوری روایات کو اور مضبوط کیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے کارنامے

عدل وانصاف، فتوحات، محاصل کی فراوانی، ظلم وستم کا انسداد، امن وامان، خوشحالی اور رعایا کی فارغ البالی ان تمام اوصاف وکمالات کے لحاظ سے جو کسی جہانگیر کے لئے طرۂ امتیاز ہوسکتے ہیں وہ تمام صفات آپ کے دور خلافت میں موجود تھے، دنیا کا کوئی حکمران فاروق اعظم کے مقابلہ میں پیش نہیں کیا جاسکتا۔ آپ جہانگیر بھی تھے اور جہاندار بھی تھے، آپ کی ان تمام صفات کا اعتراف دنیا کے تمام مؤرخین نے کیا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اسلامی سلطنت اور اسلام کو بہت فروغ حاصل ہوا، اسلام خطۂ عرب سے نکل کر افریقہ اور ایشیائی ممالک اور سرزمین ہند تک پھیل گیا۔ آپ کی کوششوں کو جاری رکھتے ہوئے بعد میں آنے والے جہانگیروں نے دنیا کے بہت سے ممالک پر غلبہ حاصل کرلیا اور اسلام کی سادگی اور پاکیزگی نے یہاں کے عوام پر اپنا اثر مرتب کیا، چنانچہ لاکھوں کی تعداد میں لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ چنگیز خان، ہلاکو اور تیمور نے ایک عالم کو زیر نگیں کیا لیکن اس کے ساتھ ساتھ علاقوں کو تباہ وبرباد کردیا، یہ لوگ سب جہانگیر تھے لیکن جہاندار نہ تھے، یہ خوبیاں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ میں تھیں کہ انہوں نے قوانین کی پابندی کے ساتھ روم وایران فتح کئے، اس احتیاط کے ساتھ کہ کوئی دوسرا فاتح زمین کا ایک چپہ بھی فتح نہیں کرسکتا۔ آپ نے خون ناحق بہائے بغیر ایک عالم کو فتح کرلیا جبکہ دوسرے ظالم وجابر حکمراں جن علاقوں کو فتح

کرتے تھے وہاں انسانی لاشوں کے انبار اور کھوپڑیوں کے پہاڑ کھڑے کر دیتے تھے اور وہاں تباہ شدہ کھنڈروں کے علاوہ کوئی شے نظر نہیں آتی تھی۔ آپ تعلیمات اسلامی کے بہت بڑے علم بردار تھے۔ آپ کے دور میں خون ناحق کا ایک قطرہ بھی نہیں گرنے پایا۔

مسلمان جس ملک میں قدم رکھتے تھے اپنے حسن اخلاق سے وہاں کے باشندوں کو ایسا گرویدہ بنا لیتے تھے کہ وہ اپنی قوم کے مقابلہ میں ان کے معاون و مددگار بن جاتے تھے، مفتوح شہروں اور علاقے کے لوگوں کو امان دے دیتے تھے جس کی وجہ سے بہت سی قوموں نے اسلام قبول کر لیا۔ یہ حقیقت ہے کہ اسلام نے ان میں ایسا جوش و جذبہ، عزم و استقلال، ہمت و حوصلہ، اخلاق، حمیت، عدل و انصاف، دیانت و راست بازی پیدا کر دی تھی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس میں ایسی جلاء دے دی تھی کہ دنیا کی کوئی قوم انکا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔

آپ نے عدل و انصاف کے ساتھ ملک گیری کی جس کی مثال نہیں، کسی حکومت کے عدل و انصاف کو جانچنے کا سب سے بڑا معیار یہ ہے کہ غیر قوموں کے ساتھ اسکا طرز عمل کیا ہے اور ان کی حکومت میں کیا حقوق حاصل ہیں؟ اس معیار سے فاروقی عدل و انصاف اور مساوات دنیا کے لئے ایک نمونہ تھا۔ کسی قوم کے حقوق تین چیزوں سے متعلق ہوتے ہیں: جان و مال اور مذہب، ان کے سوا جتنے حقوق ہیں سب انہیں کے ماتحت آتے ہیں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تمام مفتوحہ علاقوں کے ان بنیادی حقوق کو محفوظ قرار دیا۔ بیت المقدس کے عیسائیوں کو از روئے معاہدہ جو حقوق دیئے وہ آپ کے قول کی ایک مثال ہیں:

> ''یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ نے اہل ایلیا کو دی۔ یہ امان جان و مال، گرجا، صلیب، تندرست اور بیمار اور ان کے تمام اہل مذہب کے لئے ہے، نہ ان کے گرجا میں سکونت اختیار کی جائے گی نہ وہ ڈھائے جائیں گے، نہ ان کے احاطہ کو نقصان پہنچایا جائے گا، نہ اُن کی

صلیبوں اوران کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی، مذہب کے بارے میں
کسی پر جبر نہیں کیا جائے گا نہ اُن میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا۔
(طبری، فتح بیت المقدس)

اسلامی مملکت میں غیر مسلموں کی حفاظت کے لئے ایک ٹیکس ہوتا ہے جسے جزیہ کہتے ہیں۔ نادار بے کس و یتیم اور معذور اشخاص کے لئے جزیہ معاف کر دیا گیا ہے، اس کے لئے آپ نے احکامات جاری کر دیئے تھے، اگر کوئی بوڑھا بھاری کام کرنے سے معذور ہو جائے یا کوئی آفت آئے یا وہ دولت مندی کے بعد غریب ہو جائے اور اس کے اہل مذہب اسے خیرات دینے لگیں تو اس شخص کا جزیہ موقوف کر دیا جاتا تھا اور اسکو اور اس کی اولاد کو بیت المال سے ماہانہ خرچہ دیا جاتا تھا۔ اسلام کی ان خوبیوں نے غیر مسلم لوگوں کے دلوں کو اپنی جانب کھینچ لیا تھا اور یہی وجہ تھی کہ یہ لوگ جوق در جوق حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے تھے۔

خلفاء راشدین کا یہ خاصہ تھا کہ وہ لوگ خود کو مسلمانوں اور مخلوق خدا کا خادم سمجھتے تھے اور غرور و تکبر سے پاک تھے، سادگی کو اپنا شعار بناتے تھے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ان خصوصیات سے متصف تھے۔ ایک واقعہ سے آپ ان خصوصیات کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ جس زمانے میں ایران پر لشکر کشی کی گئی اور قادسیہ کے میدان میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے ایک لشکر کے ساتھ ایرانی فوجوں کے ساتھ نبرد آزما تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نہایت بے چینی کے ساتھ فتح و نصرت کی خبر سننے کے لئے بے تاب تھے، آپ قاصد کے انتظار میں روزانہ شہر سے باہر چلے جاتے تھے، ایک دن حسب دستور آپ مدینہ سے باہر تشریف لے گئے ایک شتر سوار پر نظر پڑی وہ شہر کی طرف آرہا تھا آپ نے اس سے پوچھا اس نے کہا کہ مبارک ہو میں لشکر کا قاصد ہوں اور فتح و نصرت کی خوشخبری لیکر آرہا ہوں۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس سے لڑائی کی کیفیت اور فتح کے تفصیلی حالات دریافت کرنے شروع

کر دیئے اور شہسوار کی رکاب پکڑے ہوئے اس کے ساتھ ساتھ دوڑتے ہوئےمدینہ میں داخل ہوئے ،شتر سوار حالات سناتا جاتا تھا اور اپنے اونٹ پر سوار مدینے میں دربار خلافت کی جانب گامزن تھا، شہر میں داخل ہو کر شتر سوار نے دیکھا کہ ہر شخص جو سامنے آتا ہے وہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو امیر المؤمنین کہہ کر سلام علیک کرتا ہے، تب اسکو معلوم ہوا کہ جو شخص میرے ساتھ پیدل چل رہا ہے وہ خلیفہ وقت ہے، یہ معلوم کر کے وہ ڈرا اور اونٹ سے اُترنا چاہا لیکن فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم حالات سناتے جاؤ اور بدستور اپنے اونٹ پر سوار چلو، چنانچہ اسی طرح گھر تک آئے، مسجد نبوی میں پہنچ کر لوگوں کو جمع کیا اور فتح کی خوشخبری سب کو سنائی، آپ نے اس موقع پر نہایت پُر اثر تقریر فرمائی جس کا کچھ حصہ تحریر کر رہا ہوں:

''بھائیو! میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تم کو اپنا غلام بنانا چاہوں، میں تو خود اللہ تعالیٰ کا غلام ہوں، البتہ خلافت کا کام میرے سپرد ہے، اگر میں یہ کام اس طرح انجام دوں کہ تم آزادی سے اپنے گھروں میں اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرو تو یہ میری خوش نصیبی ہے اور اگر خدانخواستہ میری یہ خواہش ہو کہ تم لوگ میرے دروازے پر حاضری دیا کرو تو یہ میری بدبختی ہوگی، میں تم کو تعلیم دیتا ہوں اور نصیحت کرتا ہوں لیکن صرف قول سے نہیں بلکہ عمل سے بھی''۔ (تاریخ اسلام، مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی)

جہانگیر کی شہادت

23 ہجری کو آپ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا ایک غلام ابولولوء فیروز جو ایک آتش پرست تھا اس نے اپنے آقا کی شکایت کی کہ وہ بہت ٹیکس وصول کرتے ہیں، آپ سے ٹیکس کم کرانے کی درخواست کی، آپ نے پوچھا کہ تمہارا پیشہ کیا ہے اس

نے کہا کہ آہنگری، نجاری، نقاشی، آپ نے فرمایا ان پیشوں کے مقابلہ میں یہ ٹیکس زیادہ نہیں ہے، اس بات پر وہ ناراض ہوگیا اور وہاں سے چلا گیا۔ دوسرے دن فجر کی نماز کے وقت مسجد میں آیا، آپ نماز پڑھا رہے تھے، اس نے خنجر کے مسلسل چھ وار کیے، آپ بُری طرح زخمی ہو کر گر پڑے، آپ کی جگہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے نماز پڑھائی۔

کچھ لوگوں نے ابولولوء فیروز کو گرفتار کرلیا اس نے خودکشی کرلی، نماز تمام ہونے کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو مسجد سے اُٹھا کر لائے، آپ نے پوچھا میرا قاتل کون تھا؟ آپ کو بتایا کہ ایک آتش پرست ہے، آپ نے فرمایا الحمدللہ میرا قاتل مسلمان نہیں ہے۔

زخم کاری تھے، آپ کے بچنے کی کوئی امید نہیں تھی، آپ نے اپنے بڑے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا اور ان سے آقائے نامدار کے پہلو میں دفن ہونے کی آرزو کی، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا یہ جگہ میں نے اپنے لئے محفوظ رکھی تھی لیکن عمر رضی اللہ عنہ کو میں اپنے اوپر ترجیح دیتی ہوں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ واپس آئے اور آ کر آپ نے بتایا، آپ کے چہرہ پر بشاشت نمودار ہوئی، آپ نے فرمایا اے عبداللہ! جب میرا جنازہ وہاں لے جانا تو ام المؤمنین سے دوبارہ اجازت لے کر میرے جنازے کو اندر لے جانا، چنانچہ ایسا ہی ہوا جب جنازہ دروازے پر پہنچا تو حضرت عبداللہ نے آواز دی کہ ام المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ باریابی کی اجازت چاہتا ہے۔ حضرت صدیقہ نے فرمایا انہیں اندر لے آؤ، پھر صدیقہ وہاں سے باہر چلی گئیں، آپ کو حجرہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

سیرت فاروق اعظم

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اسلامی تعلیمات کی مجسم تصویر تھے، تمام محاسن اخلاق کا

سرچشمہ، خشیت الٰہی ہے جو آپ کی رگ رگ میں بھرا ہوا تھا، خوف خدا ہر وقت طاری رہتا تھا اس کے مؤاخذہ سے اکثر لرزہ براندام رہتے تھے۔ فرماتے تھے کہ اگر آسمان سے ندا آئے کہ ایک آدمی کے سوا تمام لوگ جنتی ہیں تب بھی مؤاخذہ کا خوف زائل نہ ہوگا کہ شاید وہ بدقسمت انسان میں ہی ہوں۔ (کنز العمال، ج 4، ص 345)

ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیوں! ابوموسیٰ تم اس پر راضی ہو کہ ہم لوگ اسلام، ہجرت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کے طفیل چھوٹ جائیں، نہ ہم کو ثواب ملے اور نہ عذاب۔ ابوموسیٰ نے کہا میں اس پر راضی نہیں ہوں، ہم لوگوں نے نیکیاں کی ہیں لہذا اس کے صلہ کی امید رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اے ابوموسیٰ! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں عمر رضی اللہ عنہ کی جان ہے میں تو صرف اس قدر چاہتا ہوں کہ بے مؤاخذہ چھوٹ جاؤں۔ (بخاری باب ایام جاہلیہ)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نماز میں عموماً ایسی سورتیں تلاوت کرتے تھے کہ جن میں قیامت کی ہولناکی اور خدا کی عظمت وجلال کا ذکر ہوتا تھا۔ انہیں پڑھ کر آپ زاروقطار روتے تھے اور آپ کے جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔

حُبِّ رسول

آپ کو حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے والہانہ محبت تھی، جان، مال اور اولاد ہر محبوب چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا تھی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات سے ناراض ہو کر چند دن کے لئے ان سے علیحدگی اختیار کر لی تھی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کاشانۂ نبوی پر حاضر ہوئے لیکن کئی مرتبہ باریابی کی اجازت طلب کی لیکن اجازت نہیں ملی تو پکار کر عرض کیا خدا کی قسم! میں ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی

اللہ عنہا کی سفارش کے لئے نہیں آیا ہوں، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیں تو اپنی بیٹی کا سر قلم کر دوں۔ (فتح الباری)

آپ کو اتباع سنت کا خاص خیال تھا، مسلمانوں کی فارغ البالی اور مال و متاع کی کثرت کے باوجود آپ بڑی عُسرت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت بی بی حفصہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ اب خدا نے مسلمانوں کو مرفوع الحال کر دیا ہے اس لئے آپ کو نرم کپڑوں اور اچھی غذا سے پرہیز نہ کرنا چاہئے۔ آپ نے جواب دیا اے جانِ پدر! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عسرت کی زندگی بھول گئے، خدا کی قسم! میں اپنے آقا کے نقش قدم پر چلوں گا کہ آخرت کی فراغت اور خوشحالی نصیب ہو۔ (بخاری شریف، باب الزہد)

زہد وقناعت

آپ کے اخلاق حمیدہ کا سب سے روشن پہلو آپ کا زہد و تقویٰ اور سادگی ہے، آپ کا زہد صحابہ کبار میں مسلم تھا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قدامت اور ہجرت کے لحاظ سے بہت سے لوگوں کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر فضیلت حاصل ہے، لیکن زہد و قناعت اور سادگی و تواضع میں وہ سب صحابہ سے بڑھے ہوئے تھے۔

حکومت کے تخت جلال پر بیٹھ کر جس زہد و قناعت کا نمونہ آپ نے دنیا کے سامنے پیش کیا اس کی مثال دنیا کی تاریخ میں مشکل سے ملے گی۔

جب ایران پر فوج کشی ہو رہی تھی اور قیصر و کسریٰ کے سفیروں سے معاملہ درپیش تھا اس وقت آپ کے بدن پر پیوند لگا ہوا کرتا اور سر پر پھٹا ہوا عمامہ، پاؤں میں بوسیدہ چپل اور اسی حالت میں آپ بیوہ اور ضعیف عورتوں کے گھروں میں پانی بھرنے کے لئے کاندھے پر مشک رکھے ہوئے پانی پہنچاتے تھے۔ جب آپ تھک جاتے تو مسجد کے ننگے فرش یا خاک پر لیٹ کر سو

جاتے تھے۔(طبقات ابن سعد، کنز العمال، ج4،ص345)

سادگی

خلیفۃ المسلمین ہونے کے باوجود آپ سفر میں جہاں کہیں پڑاؤ کرتے تھے تو زمین پر جہاں کہیں جگہ مل جاتی آپ آرام فرماتے، آپ کوئی خصوصی اہتمام نہیں کرتے تھے، آپ کی سادگی کی وجہ سے ان لوگوں کو جن کی نگاہیں شان وشوکت ڈھونڈتی ہیں آپ کو پہچاننے میں دقت ہوتی تھی۔

شام کے سفر میں جب بیت المقدس پہنچے تو مسلمانوں نے اس خیال سے کہ عیسائی امیر المؤمنین کو ایسی معمولی حالت میں دیکھ کر اپنے دل میں کیا کہیں گے، ترکی گھوڑا اور قیمتی لباس پیش کیا۔آپ نے ان سے فرمایا:''خدا نے ہم کو جو عزت دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور وہ ہمارے لئے کافی ہے''۔

زندگی کے کسی دور میں آپ کی سادگی میں فرق نہیں آیا، آپ کی سادگی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ آپ کے گذارے کے لئے جو وظیفہ مقرر کیا گیا تھا، جب مالی حالت درست ہوجائے تو پھر وہ نہ لیں گے، آپ فرماتے تھے کہ مسلمانوں کے مال میں میرا صرف اتنا ہی حق جتنا ایک یتیم کے مال میں اسکے متولی کا ہوتا ہے۔آپ کے لباس میں چند جوڑے موٹے کپڑے کے ہوتے تھے اور ان میں بھی پیوند لگے ہوتے تھے۔

(طبقات ابن سعد، ج ۳،ص ۱۹۸)

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک دن خطبہ فرمارہے تھے میں نے دیکھا کہ ان کے تہہ بند میں بہت سے پیوند لگے ہوئے ہیں، جب میں نے شمار کیا تو وہ بارہ پیوند تھے، کبھی کبھی ایک جوڑا کافی عرصہ تک دھودھو کر پہنتے تھے۔

(کنز العمال، ج ۴،ص ۳۲۷)

ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت بی بی حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یا امیر المؤمنین! خدا نے آپ کو فارغ البال کیا ہے، آپ کے پاس بہت سے ممالک کے سفیر اور وفود آتے رہتے ہیں، اس لئے آپ کو اپنی زندگی میں تبدیلی لانا چاہئے۔ آپ نے فرمایا افسوس! تم دونوں امہات المؤمنین ہو کر مجھ کو دنیا کی ترغیب دیتی ہو۔ آپ نے فرمایا اے عائشہ! تم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھول گئیں جبکہ تمہارے گھر میں صرف ایک کپڑا تھا جسے آپ دن میں بچھاتے تھے اور رات اوڑھتے تھے، اور اے حفصہ رضی اللہ عنہا! تم کو یاد نہیں کہ ایک مرتبہ تم نے فرش دوہرا بچھا دیا تھا اس کی نرمی کے سبب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات بھر سوتے رہے اور جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آذان کہی تو اسوقت ان کی آنکھ کھلی، آپ نے کہا اے حفصہ! تم نے یہ کیا کیا کہ فرش دوہرا کر دیا۔

(کنز العمال، ج ۴، ص ۳۵۰)

غذا میں بے چھنے ہوئے موٹے آٹے اور جو کی روٹی اور روغن زیتون ہوتا تھا، کبھی کبھار گوشت یا اچھی چیز کھا لیتے تھے، کھانے میں اچھی چیزیں بہت کم کھاتے تھے۔ ایک مرتبہ عتبہ بن مرقد رضی اللہ عنہ آپ کے کھانے میں شریک ہوئے، اُبلا ہوا گوشت اور سوکھی روٹی کے ٹکڑے ان کے حلق سے نہیں اُترتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تم سے نہیں کھایا جاتا تو نہ کھاؤ، انہوں نے فرمایا کہ یا امیر المؤمنین! اگر آپ کھانے پینے میں کچھ زیادہ صرف کریں تو اس سے مسلمانوں کے مال میں کچھ کمی واقع ہو جائے گی؟ آپ نے فرمایا: افسوس اے دوست! تم مجھے دنیاوی عیش و عشرت کی ترغیب دیتے ہو۔

(کنز العمال، ص ۳۴۸)

یہ تھا اس جہانگیر اعظم کی زندگی کا خلاصہ کہ جس کی اخلاقی عظمت کو مسلمان تو مسلمان غیر مسلم بھی خراج عقیدت پیش کرتے ہیں، اکثر مؤرخین انکو تاریخ میں عمر دی گریٹ کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔

پروفیسر ایف کے ہٹی کے تاثرات

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنی مستعدی اور خداداد اوصاف سے متصف تھے۔ زہد اور سادگی آپ کا شعار تھا، بلند قامت، مضبوط جثے کے آدمی تھے، سر کے بال اُڑے ہوئے تھے، خلیفہ ہونے کے بعد کم سے کم یعنی کچھ مدت تجارت سے بسر اوقات کرتے رہے اور تمام عمر ایک بدوی شیخ کی طرح زندگی گذاری جس میں ظاہری نمود ونمائش وآرائش کا بالکل دخل نہ تھا۔ حقیقت میں مسلمان منصفوں میں وہ اپنے عدل وتقویٰ اور درویشانہ سادگی کے باعث سب سے محبوب و محترم ہیں اور جملہ صفات حسنہ کا جو ایک خلفیہ میں ہونی چاہئے مجسمہ مانے جاتے ہیں۔

اسلامی تاریخ کی رو سے قرن اول میں پیغمبر اسلام کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام سب سے بڑھ کر عظمت کا حامل ہے، ان کی سیرت پر حرف زنی کی کہیں گنجائش نہیں مل سکتی۔ بعد کے جملہ متدین حکمرانوں کے لئے وہ بہترین نمونہ رہے ہیں، ان کے پاس ایک کرتا اور ایک چادر تھی ان میں جابجا پیوند لگے ہوئے تھے۔ کھجور کے پتوں کا بچھونا تھا۔ اعلائے کلمۃ اللہ، عربوں اور مسلمانوں کی سلامتی، حفظ حقوق کے سوا اور کسی شی کی فکر نہ تھی، اُصول و پابندی اور قوانین کی سختی کی روایات سے تاریخیں بھری ہوئی ہیں، بدچلنی اور شراب خوری کی سزا میں اپنے بیٹے کو بھی معاف نہیں کیا، اتنے کوڑے لگوائے کہ وہ ہلاک ہوگیا مگر آپ کا انصاف متزلزل نہ ہوسکا۔

آپ عدل وانصاف کے جہانگیر اعظم تھے۔ رہتی دنیا تک آپ کے عدل کی بازگشت سنائی دیتی رہے گی، آپ کے بعد عادل تو بہت ہوئے لیکن آپ جیسا عادل تا قیامت پیدا نہیں ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اور صحابہ کرام کا تبصرہ

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی، اسلام کے اقبال میں کمی آگئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب تک یہ شخص (حضرت عمر فاروق کی طرف اشارہ فرما کر) تم میں موجود رہے گا فتنوں کا دروازہ بند رہے گا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آسمان کا ہر فرشتہ عمر کا وقار کرتا ہے اور زمین کا ہر شیطان ان سے ڈرتا ہے۔ ایک روز کعب بن احبار رضی اللہ عنہ سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تم نے میرا ذکر صحائف بنی اسرائیل میں دیکھا ہے انہوں نے کہا ہاں، آپ کی نسبت لکھا ہے کہ ایک شخص امیر شدید ہوں گے جو راہ خدا میں کسی ملامت کرنے والے سے نہ ڈریں گے اور آپ کے بعد جو خلیفہ ہوگا اسکو ظالم لوگ قتل کر دیں گے اور پھر اسکے بعد بلا اور فتنہ پھیل جائے گا۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ ہم اکثر یہ ذکر کیا کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں شیاطین قید میں رہے اور آپ کے انتقال کے بعد آزاد ہو گئے۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ
شرم وحیاء کے جہانگیر

پیکر شرم وحیاء، ذوالنورین، کامل الحیاء والایمان حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ جن کی حیاء کی عرش سے لیکر فرش تک دھوم مچی ہوئی ہے، آپ کے بارے میں حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ عثمان رضی اللہ عنہ سے تو فرشتے بھی حیاء کرتے ہیں۔ حضرت زید بن ثابت کا قول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عثمان میرے پاس سے گذرے تو مجھ سے ایک فرشتہ نے کہا کہ مجھے ان سے شرم آتی ہے کیونکہ قوم انکو قتل کر دے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس طرح عثمان رضی اللہ عنہ خدا اور رسول سے حیاء کرتے ہیں، فرشتے بھی ان سے حیاء کرتے ہیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں امام حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ نہانا چاہتے تو دروازہ بند کر کے کپڑے اُتارنے میں اس قدر شرماتے کہ اپنی پشت ہی سیدھی نہ کرتے۔

اسلام لانے سے پہلے آپ کی کنیت ''ابوعمرو'' تھی لیکن اسلام لانے کے بعد جب حضرت بی بی رقیہ سے آپ کی شادی ہوگئی تو آپ کی کنیت ''ابوعبداللہ'' ہوگئی، حضرت عبداللہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد تھے اور حضرت ابوطالب دونوں کی ایک بہن جو حضرت عبداللہ کے ساتھ جڑواں پیدا ہوئی تھیں وہ حضرت عثمان غنی کی نانی تھیں، اس طرح آپ رشتہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن کے بیٹے تھے۔ آپ کا لقب ''ذوالنورین'' ہے کیونکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یکے بعد دیگرے آپ کو اپنی دو صاحبزادیاں آپ کے حبالۂ عقد میں دی تھیں۔ جنگ بدر کے موقع پر آپ کی زوجہ اور رسول کریم کی بیٹی حضرت بی بی رقیہ سخت بیمار

تھیں، اس لئے رسول کریم نے آپ کو انکی تیمارداری کے لئے جنگ میں حصے لینے سے منع فرمادیا اور کہا اے عثمان! تم کو بدری صحابی کا رتبہ ملے گا اور جنگ کے مال غنیمت میں سے انکے برابر حصہ ملے گا۔ آپ کا شمار بدری صحابہ میں کیا جاتا ہے۔ چونکہ آپ تمام صحابہ میں مالدار تھے اس لئے اسلام لانے کے بعد اپنے مال کا بہت بڑا حصہ اسلام کی راہ میں خرچ کردیا۔ مدینہ میں میٹھے پانی کا ایک کنواں مسلمانوں کے پانی پینے کے لئے ایک یہودی سے خریدلیا۔ تمام غزوات میں سامان حرب کی خریداری کے لئے اپنا پیسہ خرچ کیا۔

آپ صحابہ کرام میں کثرت عبادت کے لئے خصوصی شہرت رکھتے تھے اور رات بھر کھڑے ہوکر نماز پڑھتے تھے۔ سال کے اکثر دنوں میں روزے رکھا کرتے تھے۔ مسجد نبوی کی بغل میں ازواج مطہرات کے لئے کچھ زمین آپ نے اپنی رقم سے خریدی تھی۔ ایک سال مدینہ میں قحط پڑا تو آپ نے تمام محتاجوں کو غلہ دیا۔ جنگ تبوک کے انتظامات کے لئے آپ نے 6 سو اونٹ اور پچاس گھوڑے اور ایک ہزار دینار پیش کئے۔ مناسک حج سب سے بہتر جانتے تھے۔ سوائے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اور کوئی شخص دنیا میں ایسا نہیں کہ جس کے نکاح میں کسی نبی کی دو بیٹیاں رہی ہوں۔ آپ بیعت اسلام میں چوتھے مسلمان ہیں، آپ کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے۔

شہادت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

دراصل آپ کی شہادت مسلمانوں میں تفرقہ کی ابتداء ہے۔ حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ پیش گوئی جو انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں کی تھی اب اس کے پورے ہونے کا وقت آگیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عثمان اُحد پہاڑ پر قیام فرماتھے کہ اُحد پہاڑ زلزلہ کے ایک جھٹکے سے لرزنے لگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی

وقت فرمایا: ''اے اُحد! ٹھہر جا ٹھہر جا، کیا تجھے پتہ نہیں کہ تجھ پر ایک اللہ کا رسول، ایک صدیق اور ایک شہید قیام فرما ہیں، اُحد اسی وقت ساکن ہوگیا۔ یہ شہید حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ تمام طاقتیں جو اسلام کے خلاف اندورونی طور پر صف آراء تھیں وہ سب اکٹھی ہوگئیں اور انہوں نے سادہ لوح تابعین کو بھی اپنے ساتھ ملالیا، ان طاقتوں میں نو مسلم مجوسی اور عیسائی پیش پیش تھے۔ بصرہ اور ایران اور مدینے کے منافقین نے انکا ساتھ دیا۔ چنانچہ بلوائیوں اور شورش پسندوں نے مدینہ میں اکٹھا ہو کر مدینہ میں ہلہ بول دیا اور قصر خلافت کو گھیرے میں لے لیا۔

اس محاصرہ کے دوران حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بلوایوں کو سمجھانے کی کوشش بھی کی لیکن منافقین نے ان کی تمام کوششوں پر پانی پھیر دیا۔ صحابہ کرام نے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی بہت سمجھایا لیکن کچھ صحابہ اور ان کے بیٹے آپ کے گھر پر پہرا دے رہے تھے جن میں حضرت امام حسن، حضرت حسین، حضرت عبداللہ بن زبیر، محمد بن طلحہ اور حضرت سعد بن العاص پیش پیش تھے، جب بلوائیوں نے سمجھانے بجھانے پر بھی اپنا ارادہ ترک نہیں کیا اور خلیفۃ المسلمین کو شہید کرنے کے لئے بضد تھے تو مشہور صحابی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تلوار برہنہ لے کر بلوائیوں سے لڑنے کے لئے آگے آگئے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو جب یہ معلوم ہوا تو انہوں نے آپ کو روکا اور تمام صحابہ کو واپس جانے کا حکم دیا اور کہا کہ میں نہیں چاہتا کہ آپ لوگ میرے لئے لڑیں کیونکہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عہد لیا تھا اور میں اس پر قائم ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تھا کہ جب ایسا موقع آجائے تو تم ہرگز ان بلوائیوں سے جدال وقتال نہ کرنا۔ آپ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو حکم دیا وہ بلوائیوں سے نہ لڑیں بلکہ واپس چلے جائیں مگر انہوں نے جانا پسند نہ کیا اور بدستور بلوائیوں کو حملہ سے روکتے رہے۔

مغیرہ بن الاخنس نے جب یہ حالت دیکھی کہ بلوائی ہر طرف سے آپ کیگھر میں گھسنے کی کوشش کررہے ہیں تو وہ اپنے چند جانثاروں کے ساتھ بلوائیوں پر حملہ آور ہوئے اور کئی بلوائیوں کو

مارنے کے بعد خود بھی شہید ہو گئے۔ بہت سے اکابرین صحابہ نے بار بار بلوائیوں کو سمجھایا لیکن وہ اپنی مذموم حرکت سے باز نہیں آئے اور آپ کی شہادت چونکہ قول رسول کریم کے مطابق آپ کا مقدر تھی، لہٰذا وہ ہو کر رہی۔ آپ کے گھر کے پڑوس سے باغی کسی طرح آپ کے گھر میں داخل ہو گئے۔ آپ قرآن حکیم فرقان مجید کی تلاوت فرما رہے تھے آپ اس میں اتنے محو تھے کہ بلوائیوں کی آمد کا پتہ بھی نہ چلا، جب یہ آیت تلاوت کر رہے تھے کہ ﴿فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ اسی وقت ایک بلوائی نے آپ پر تلوار سے حملہ کر دیا، آپ کی زوجہ حضرت بی بی نائلہ نے اپنے ہاتھ سے اس حملہ کو روکنے کی کوشش کی تو آپ کے ہاتھ کی چند انگلیاں کٹ کر زمین پر گر گئیں، جہانگیر شرم وحیاء کے خون سے قرآن شریف سرخ ہو گیا، آپ پر تلوار کے علاوہ نیزہ سے بھی حملہ ہوا اور آپ اسی حالت میں جام شہادت نوش فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ حادثہ جانکاہ ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ ھ یوم جمعہ کو وقوع پذیر ہوا۔ مسلمانوں کو روٹی کپڑا مہیا کرنے والے، مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے دن اور رات کوشاں رہنے والے، تمام غزوات کے لئے سامان حرب اکٹھا کرنے والے، اپنی تمام دولت اسلام پر اور مسلمانوں پر لٹانے والے اس جہانگیر کی لاش تین دن تک بے گور و کفن پڑی رہی۔ بلوائیوں نے مدینہ میں گھروں کو لوٹنا شروع کر دیا تھا۔ کسی میں یہ جرأت نہیں تھی کہ آپ کی تجہیز و تکفین کرتا، آخر کچھ صحابۂ رسول نے ہمت کی اور آپ کو ان ہی کپڑوں میں جو آپ کے تن پر تھے دفن کرنے کے لئے لے گئے، بلوائیوں نے نماز جنازہ اور دفن کرنے میں رکاوٹ ڈالی لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سمجھانے پر دفن کرنے دیا۔ آپ کے جنازہ میں حضرت زبیر، حضرت امام حسن، حضرت ابوجہم بن حذیفہ اور کچھ صحابہ رسول و تابعین شامل تھے۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی، شہادت کے وقت آپ کی عمر شریف ۸۲ سال کے لگ بھگ تھی، آپ کو جنت البقیع کے قریب مدفون کیا۔

عادات وخصائل

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نہایت سلیم الطبع اور بردبار شخصیت کے حامل تھے، عہد جاہلیت میں بھی شراب، زنا، چوری اور دوسری اخلاقی خرابیوں سے بہت دور تھے۔ مسلمان آپ کی سخاوت سے ہمیشہ فیض یاب ہوتے رہتے تھے۔ ہر سال حج کو جاتے اور منی میں اپنا خیمہ خود نصب کرتے تھے، جب تک حجاج کو کھانا کھلا لیتے لوٹ کر اپنے خیمہ میں نہ آتے۔ اور یہ وسیع دعوت اپنے جیب خاص سے کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہائی محبت تھی، جب کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والے فاقہ میں ہوتے اور حضرت عثمان کو کسی طرح پتہ چلتا تو آپ بے چین ہو جاتے اور فوراً کھانے کا ضروری سامان بھجواتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا ان کے لئے دُعا کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر فرماتے: اے اللہ! میں عثمان سے راضی ہوں تو بھی ان سے راضی ہو جا۔ ایک مرتبہ دور صدیقی میں سخت قحط پڑا، لوگوں کو کھانا اور غلہ دستیاب نہ ہونے کی سخت تکلیف ہوئی، جب آپ کو معلوم ہوا تو آپ نے ایک ہزار اونٹ غلہ سے لدے ہوئے جو تجارت کے لئے آپ نے منگوائے تھے آپ نے سب غلہ مدینہ کے فقراء ومساکین میں تقسیم کر دیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اسی شب میں نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے پر جا رہے ہیں آپ کے جسم پر نوری حلہ (جوڑا) تھا، میں دوڑ کر آگے بڑھا اور عرض کیا کہ مجھ کو آپ کی زیارت کا بے حد اشتیاق تھا، آپ نے فرمایا مجھے جانے کی جلدی ہے، عثمان رضی اللہ عنہ نے آج ایک ہزار اونٹ غلہ صدقہ دیا ہے اور خدا تعالیٰ نے اسکو قبول فرما کر جنت میں ایک عروس کے ساتھ عثمان کا عقد کیا ہے میں اس عقد میں شریک ہونے جا رہا ہوں۔ آپ ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد کرتے تھے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ

امام الاصفیاء، اسد اللہ الغالب، مظہر العجائب، حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ وہ جہانگیر ہیں کہ جو اہل طریقت کے دلوں پر حکومت کرتے ہیں۔ تمام اولیاء کرام کی نظر میں آپ تصوف اور طریقت کے امام ہیں، صوفیوں کے اکثر سلاسل آپ سے شروع ہوتے ہیں، آپ حضرت ابوطالب کے بیٹے اور حضور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ''ابوتراب'' کے لقب سے سرفراز کیا تھا، آپ کو یہ لقب بہت پسند تھا، آپ کی شادی حضور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی چھوٹی بیٹی حضرت بی بی فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے ہوئی تھی جن سے آپ کے تین صاجزادے اور کچھ صاجزادیاں پیدا ہوئیں۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور محسن۔ آخر الذکر بچپن میں فوت ہوگئے تھے۔

آپ کو اسلام لانے میں سبقت حاصل ہے۔ بچوں میں سب سے پہلے مسلمان ہیں۔ آپ کا ان صحابہ میں شمار ہوتا ہے کہ جنہوں نے قرآن شریف کو جمع کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کیا تھا۔ آپ نے ابتدائی عمر سے کبھی بتوں کی پوجا نہیں کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی تو آپ کو مکہ میں چھوڑ گئے کہ آپ تمام امانتیں جو حضور مقبول کے پاس جمع تھیں وہ لوگوں کو واپس پہنچادیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کے بعد آپ نے بھی مکہ سے مدینہ ہجرت کرلی۔ تمام جنگوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے۔ جنگ تبوک کو جاتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام یعنی مدینہ کا عامل بنائے تھے۔ جنگ اُحد میں آپ کے جسم مبارک پر سولہ

زخم آئے تھے، جنگ خیبر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جھنڈا آپ کے ہاتھ میں دیا تھا اور فرما دیا تھا کہ خیبر کا قلعہ آپ کے ہاتھوں سے فتح ہوگا، آپ نے قلعہ خیبر کا دروازہ اُکھاڑ کر اپنی پشت پر اُٹھالیا تھا۔ پھر ایک طرف پھینک دیا۔ بعد میں بہت سے لوگوں نے بہت طاقت لگا کر وہاں سے دوبارہ اُٹھایا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں غزوہ تبوک کے موقع پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مدینہ میں رہنے کا حکم دیا تو حضرت علی رضی اللہ نے کہا کہ آپ مجھ کو عورتوں اور بچوں پر خلیفہ بنا کر چھوڑ جاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تالیف قلب کے لئے فرمایا کہ تم اس بات سے خوش نہیں ہوتے کہ میں تم کو اسی طرح چھوڑتا ہوں جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کو چھوڑا تھا۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

جب آیت مباہلہ نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو طلب فرمایا اور کہا کہ الٰہی یہ میرے کنبہ کے لوگ ہیں۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جسکا میں دوست ہوں اس کے علی بھی دوست ہیں۔ پھر فرمایا کہ الٰہی جو علی سے دشمنی رکھے تو بھی اس سے دشمنی رکھ۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابیوں کے درمیان بھائی چارہ کرائی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ روتے ہوئے آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ نے ہر ایک میں مواخات قائم کروائی لیکن میں باقی رہ گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم دنیا و آخرت میں میرے بھائی ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا میں علم کا شہر ہوں اور علی اسکا دروازہ ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ہم سب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ زیادہ معاملہ فہم ہیں۔

حضرت عثمان غنی کی شہادت کے بعد ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سامنے انکا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا کہ علی سے زیادہ سنت کا اب کوئی واقف نہیں رہا۔ حضرت عمار بن یاسر سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا کہ دو شخص شقی ترین ہیں، ایک احمر جس نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کونچیں کاٹیں اور دوسرا وہ شخص ہوگا جو تیرے سر پر تلوار مار کر تیری داڑھی کو جسم سے جدا کرے گا۔

خلافت کے بارے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بیان

ایک مرتبہ کچھ لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ سنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے کوئی وعدہ فرمایا تھا کہ میرے بعد تم خلیفہ بنائے جاؤ گے اور اس بات کی صداقت کے لئے آپ سے بڑھ کر اور کون ہوسکتا ہے جو صحیح صورتحال بتا سکے۔ یہ سن کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو غصہ آ گیا اور آپ نے فرمایا یہ بالکل غلط ہے، انتہائی جھوٹی افواہ ہے، ایسا کوئی بھی وعدہ حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے نہیں کیا۔ اور اگر ایسا وعدہ کیا ہوتا تو میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ممبر پر کیوں کھڑا ہونے دیتا اور انکو اپنے ہاتھ سے نعوذ باللہ قتل نہ کر دیتا چاہے میرا ساتھ دینے والا ایک بھی نہ ہوتا۔

آپ نے فرمایا کہ آنحضرت کی بیماری نے طول کھینچا تو ایک دن مؤذن نے حاضر ہو کر آپ کو نماز کے واسطے بلایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکر کو لے جاؤ وہ میری جگہ نماز پڑھائیں گے اور صدیق اکبر حضور کی زندگی میں نماز پڑھاتے رہے، پھر آپ کے وصال کے بعد بھی نماز پڑھاتے رہے۔ ہم نے اپنی جگہ غور کیا تو بات سمجھ میں آ گئی اور ہم نے اس شخص کو دنیا کے لئے بھی قبول کر لیا جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جگہ مصلے پر کھڑا کیا تھا کیونکہ نماز دین کی اساس ہے اور صدیق اکبر دین اور دنیا دونوں کے قائم رکھنے والے ہیں۔ بس ہم نے

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مستحق سمجھا اور پھر ان سے بیعت کرلی اور اسکے لئے کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا اور کسی نے کسی کو نقصان پہنچانے کا ارادہ نہیں کیا نہ کوئی متنفس ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیزار ہوا۔ لہٰذا میں نے بھی انکا حق ادا کیا اور ان کی اطاعت کی، ان کے لشکر میں شامل ہوکر ان کی طرف سے جنگیں لڑا، وہ مجھے جو کچھ دیتے تھے میں لے لیتا تھا جہاں کہیں وہ مجھے لڑنے کا حکم دیتے تھے میں لڑتا تھا۔ اور ان کے حکم سے حد شرع لگاتا تھا۔ جب ان کا وصال ہوگیا تو وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ بنا گئے، میں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی وہی برتاؤ کیا جو صدیق اکبر کے ساتھ تھا۔ اور اسی طرح سے پیش آیا جیسے صدیق اکبر کے ساتھ پیش آتا تھا۔

جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا تو میں نے اپنے دل میں سوچا کہ میری اسلام میں سبقت اور قربتِ رسول اور دوسری خصوصیات کو دیکھتے ہوئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ میری خلافت کا حکم دیں گے لیکن وہ ڈرے کہ کہیں ایسے شخص کا انتخاب نہ کرجاؤں جسکا انجام اچھا نہ ہو۔ چنانچہ انہوں نے اپنے نفس کے ساتھ اپنی اولاد کو بھی خلافت سے محروم کردیا۔ اگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بخششیں اور عطا کے اُصول پر چلتے تو اپنے بیٹے سے بڑھ کر کسی کو مستحق نہ سمجھتے۔ غرض انتخاب قریش کے ہاتھ میں آیا جن میں سے ایک میں بھی تھا۔ جب قریش انتخاب کے لئے جمع ہوئے تو میں نے خیال کیا کہ وہ مجھ سے تجاوز نہ کریں گے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ہم سے وعدہ لیا کہ جو کوئی بھی خلیفہ مقرر کیا جائے گا ہم اس کی اطاعت کریں گے۔ پھر انہوں نے حضرت عثمان کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اب جو میں نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ مجھ سے وعدہ لیا گیا تھا وہ غیر کی اطاعت کے لئے لیا گیا تھا لہٰذا میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بیعت کرلی اور ان کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا تھا۔

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا وصال ہوگیا تو میں نے خیال کیا کہ وہ لوگ تو گذر گئے جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارا امام بنایا تھا اور وہ بھی گذر گئے جن کے لئے ہم سے وعدہ لیا گیا تھا تو میں بیعت لینے پر آمادہ ہوگیا۔ چنانچہ اہل حرمین شریفین، کوفہ وبصرہ کے رہنے والوں نے مجھ سے بیعت کرلی، اب معاملۂ خلافت میں ایک ایسا شخص میرا مدمقابل ہے جس کی نہ قرابت ہے نہ علم نہ سبقتِ اسلام حالانکہ میں مستحق خلافت ہوں۔

ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ نے ایک خطبہ میں کہا تھا کہ الٰہی ہمیں ویسی ہی صلاحیت عطا کر جیسی تو نے خلفائے راشدین کو عطا فرمائی تو آپ کے نزدیک وہ خلفاء راشدین کون ہیں؟ یہ سن کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور فرمانے لگے میرے دوست ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ دونوں امام الہدیٰ اور شیخ الاسلام تھے۔ قریش نے بعد از رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ ان دونوں کی پیروی کی اور جن لوگوں نے انکی پیروی کی انہوں نے نجات حاصل کرلی۔ اور جو لوگ ان کے راستے پر پڑ گئے وہی گروہ خدا ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جھوٹ سے سخت نفرت تھی۔ ایک مرتبہ آپ کچھ فرمارہے تھے کہ ایک شخص نے آپ کو جھٹلایا۔ آپ نے بددعا کی، وہ شخص ابھی مجلس سے اُٹھنے بھی نہ پایا تھا کہ اس کی آنکھیں جاتی رہیں۔

ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا کہ خنثیٰ مشکل کی میراث میں کیا کیا جائے؟ تو آپ نے جواب لکھ بھیجا کہ اسکی پیشاب گاہ کی صورت سے میراث کا حکم جاری ہونا چاہئے یعنی اگر پیشاب گاہ مردوں کی مانند ہو تو اس کا حکم مرد کا ہوگا اور اگر عورت کی طرح ہو تو عورت کا حکم جاری ہوگا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ خدا کا شکر ہے کہ دین کے معاملہ میں میرا دشمن بھی مجھ سے استفتاء کرتا ہے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے نالش کی کہ فلاں شخص یہ کہتا ہے کہ اس نے خواب میں میری ماں کے ساتھ جماع کیا۔ آپ نے فرمایا اس خواب

بیان کرنے والے کو دھوپ میں کھڑا کر کے اس کے سایہ پر کوڑے برساؤ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اقوال وملفوظات:

آپ نے فرمایا:

''لوگو! اپنے اعمال وقلوب سے جدائی پیدا کرو، قیامت میں آدمی کو اسکا بدلہ ملے گا جو کچھ دنیا میں کر جائے گا اور ان ہی کے ساتھ انکا حشر ہوگا جن سے اسے محبت ہوگی، قبول عمل میں اہتمام بلیغ کرو کیونکہ کوئی عمل بغیر تقویٰ اور خلوص کے قابل قبول نہیں۔ اے عالم قرآن! قرآن بھی بن، عالم وہی ہے جس نے پڑھ کر عمل کیا اور اپنے علم وعمل میں موافقت پیدا کی۔''

آپ نے فرمایا کہ:

''ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ عالموں کے علم وعمل میں سخت اختلاف ہوگا، وہ لوگ حلقہ باندھ کر بیٹھیں گے اور ایک دوسرے پر فخر ومباہات کریں گے حتی کے کوئی شخص ان کے پاس آبیٹھے گا تو اس کو الگ بیٹھنے کا حکم دیں گے۔''

آپ نے فرمایا:

''یاد رکھو حلقہ ومجلس سے تعلق نہیں رکھے بلکہ ذات الٰہی سے تعلق رکھے، حسن خلق آدمی کا جوہر ہے، عقل اسکا مددگار ہے اور ادب انسان کی میراث ہے۔

وحشت غرور سے بھی بدتر چیز ہے۔

ایک شخص نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا کہ مسئلہ تقدیر سمجھا دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ اندھیرا راستہ ہے نہ پوچھ۔ اس نے پھر وہی سوال کیا آپ نے فرمایا کہ بحر عمیق ہے اس میں غوطہ مارنے کے کوشش نہ کرو اس نے پھر وہی عرض کیا۔ آپ نے فرمایا یہ خدا کا بھید ہے

تجھ سے پوشیدہ رکھا گیا ہے، کیوں تو اسکی تفتیش کرتا ہے؟ اس نے پھر وہی عرض کیا۔ آپ نے فرمایا اچھا یہ بتا کہ خدا نے تجھ کو اپنی مرضی کے موافق بنایا ہے یا تیری فرمائش کے موافق؟ اس نے کہا خدا نے اپنی مرضی کے موافق بنایا ہے۔ آپ نے فرمایا بس پھر جب وہ چاہے گا تجھے استعمال کرے گا تجھے اس سے کیا چارہ ہے۔

ہر مصیبت کی انتہا ہوتی ہے اور جب کسی پر مصیبت آتی ہے تو وہ اپنی انتہا تک پہنچ کر رہتی ہے، عاقل کو چاہئے کہ جب مصیبت میں گرفتار ہو تو بھٹکتا نہ پھرے اور اس کے دفع کی تدبیر نہ کرے کیونکہ اور زحمت ہوتی ہے۔

آپ نے فرمایا:

مانگنے پر کسی کو دینا بخشش ہے اور بغیر مانگے دینا سخاوت ہے، آپ نے فرمایا عبادت میں سستی کا پیدا ہونا مصیبت میں تنگی واقع ہونا، لذتوں میں کمی آجانا اپنے گناہوں کی سزا ہے۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو آپ نے آخری بار نصیحت کی اور فرمایا:

''سب سے بڑی تونگری عقل ہے اور سب سے زیادہ مفلسی حماقت ہے۔ سخت ترین وحشت غرور ہے اور سب سے بڑا اکرم حسن خلق ہے، احمق کی صحبت سے بچو وہ چاہتا ہے کہ تمہیں نفع پہنچائے لیکن نقصان پہنچاتا ہے۔ جھوٹے سے پرہیز کرو وہ قریب کو بعید ترین اور بعید ترین کو قریب ترین کر دیتا ہے۔ بخیل کی صحبت سے پرہیز کرو کیونکہ وہ تم سے وہ چیز چھڑا دیگا جس کی تم کو سخت ضرورت ہے۔ فاجر کے پاس نہ بیٹھو کیوں کہ وہ تمہیں کوڑیوں کے بدلہ بیچ دے گا۔''

پانچ باتیں یاد رکھو: کسی شخص کو سوائے گناہ کے اور کسی چیز سے ڈر نہیں ہونا

چاہئے۔ سوائے خدا کے کسی آدمی سے اُمید نہیں رکھنی چاہئے۔ جو شخص کوئی چیز نہ جانتا ہو اس کے سیکھنے میں کبھی شرم نہ کرے۔ کسی عالم سے جب کوئی ایسی بات پوچھی جائے جس کو وہ نہ جانتا ہو تو اسکو بلا دریغ کہہ دینا چاہئے کہ خدا بہتر جانتا ہے۔ صبر اور ایمان میں وہی نسبت ہے جو سر اور جسم میں ہے۔ جب صبر جاتا رہے تو سمجھو ایمان جاتا رہا۔ جب سر ہی جاتا رہا تو جسم کیسے بچ سکتا ہے؟ فقیہ اس شخص کو کہنا چاہئے جو لوگوں کو خدا سے نا اُمید نہ کرے اور گناہوں کی رخصت نہ دے اور خدا کے عذاب سے بے خوف نہ کردے۔ قرآن سے اعراض کرا کر کسی اور طرف مائل نہ کرے۔

انار کو اس پتلی سی جھلی کے ساتھ کھانا چاہئے جو دانوں کے ساتھ ہوتی ہے کیونکہ معدہ میں جا کر غذا کو پکا دیتی ہے، ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ جب مومن غلام سے بھی زیادہ ذلیل ہوگا۔

(تاریخ اسلام مؤلفہ مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت

فرقہ خارجیہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جنگیں ہوئیں جس میں ہزاروں خارجی مارے گئے، جنگ نہروان میں صرف ان کے نو آدمی باقی بچے، باقی تمام آدمی ہلاک ہوگئے۔ ان نو آدمیوں میں خوارج کے امام بھی تھے۔ یہ لوگ مختلف علاقوں میں پھیل گئے اور انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف لوگوں کو اُکسانا شروع کردیا۔ ان کے خلاف منفی پروپیگنڈا کرتے تھے اور لوگوں کو بہکاتے تھے۔ ان کی حکومت کے منفی پروپیگنڈا کرتے تھے اور لوگوں کو بہکاتے تھے، ان کی حکومت کے خلاف بغاوت کے لئے لوگوں کو اُکساتے تھے۔ منافقین نے بھی

بھرپور ساتھ دیا چنانچہ فارس، ایران، بصرہ اور مختلف مقامات پر کچھ کامیابی ہوئی لیکن جب انکو خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی تو حجاز کے علاقہ میں اِدھر اُدھر آوارہ پھرنے لگے۔ مکہ معظّمہ میں ان کے تین بڑے سردار عبدالرحمٰن بن ملجم، برک بن عبداللہ تمیمی اور عمرو بن بکر جمع ہوئے اور آپس میں جنگ نہروان کا ذکر کر کے افسوس کرتے تھے پھر تینوں نے اس رائے پر اتفاق کیا کہ کیوں نہ ہم لوگ سب سے بڑے سرداروں کو جنہوں نے عالم اسلام کو پریشان کر رکھا ہے قتل کر ڈالیں۔

خارجیوں کی نظر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص دین سے خارج ہوگئے لہٰذا انکا قتل واجب ہوگیا۔ حالانکہ یہ گمراہ کن عقیدہ تھا، دراصل خارج یہ ہوگئے۔ عبدالرحمٰن ابن ملجم حضرت علی رضی اللہ کے قتل پر مامور ہوا۔ برک بن عبداللہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے قتل پر اور عمرو بن بکر تمیمی حضرت عمرو بن العاص کے قتل پر مامور ہوئے۔ اس کام کے لئے ایک تاریخ 14 رمضان المبارک یوم جمعہ نماز فجر کے وقت کا تعین ہوا۔ تینوں آدمی کوفہ، دمشق اور مصر روانہ ہوئے۔ جب رمضان المبارک کی مقررہ تاریخ آئی تو برک بن عبداللہ تمیمی نے دمشق کی جامع مسجد میں داخل ہوکر جب کہ جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نماز فجر کی امامت کررہے تھے، تلوار کا وار کیا اور یہ سمجھ کر کہ تلوار کا وار صحیح لگا ہے بغیر دیکھے وہاں سے بھاگا لیکن اسکو گرفتار کرلیا گیا۔ جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ زخمی ہوگئے لیکن چونکہ زخم مہلک نہ تھا اسلئے چند روز کے علاج معالجہ کے بعد صحت یاب ہوگئے۔ برک بن عبداللہ کو قتل کردیا گیا۔

دوسرا قاتل جو مصر میں حضرت عمرو بن العاص کے قتل پر مامور تھا وہ بھی اسی دن یعنی 14 رمضان المبارک کو مسجد میں داخل ہوا اور امام جو نماز پڑھا رہے تھے عمرو بن العاص سمجھ کر انکو قتل کردیا۔ حضرت عمرو بن العاص اتفاق سے اس دن بیماری کی وجہ سے مسجد میں نہ آسکے اور دھوکے میں خارجہ بن جبیر جو ایک فوجی افسر تھا مارا گیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قاتل عبدالرحمٰن بن ملجم کوفہ میں آکر اپنے دوستوں سے ملا، آخر خوب سوچ سمجھ کر اپنے دوست شبیب بن شجرہ اشجعی سے اپنا ارادہ ظاہر کیا اور اس سے معاونت چاہی بعد میں وہ آمادہ ہوگیا۔ ابن ملجم ان لوگوں سے اکثر ملتا تھا جنکے اعزہ جنگ نہروان میں مارے گئے تھے اور وہ سب لوگ اندر ہی اندر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دشمن تھے۔ وہ سب اس بات پر خوش ہوئے انہیں لوگوں میں ایک حسین و جمیل دوشیزہ بھی تھی۔ جسکا نام ''قطام'' تھا، اسکے بھائی اور باپ مقتولین میں شامل تھے اور وہ حضرت علی سے بدلہ لینا چاہتی تھی۔ ابن ملجم اس کے حسن سے متاثر ہوا اور اس پر فریفتہ ہوگیا۔ اس نے اس دوشیزہ کو شادی کا پیغام دیا۔ قطام نے کچھ شرائط پیش کیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ تین ہزار درہم حق مہر ہوگا اور دوسری شرط یہ ہے کہ ایک لونڈی اور ایک غلام دے گا اور آخری شرط یہ ہے کہ حضرت علی کا کٹا ہوا سر، یہ سب میرا مہر ہے۔ ابن ملجم نے کہا کہ تیری دونوں شرائط میں پوری نہیں کرسکتا البتہ حضرت علی کا کٹا ہوا سر پیش کرسکتا ہوں، قطام نے کہا چل تو آخری شرط پوری کردے تو باقی سب میں معاف کرتی ہوں۔

قطام نے اپنے ایک رشتہ دار ''وردان'' کو ابن ملجم کی مدد کے لئے مقرر کیا۔ آخر وقت مقررہ 14 رمضان المبارک کو مسجد کوفہ کے دروازے کے قریب چھپ کر بیٹھ گئے اور جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نماز فجر کے لئے مسجد میں داخل ہوئے تو سب سے پہلے وردان نے بڑھ کر تلوار کا وار کیا مگر اسکا وار خالی گیا کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آگے بڑھ گئے تھے، ابن ملجم نے فوراً لپک کر آپ کی پیشانی مبارک پر تلوار کا ہاتھ مارا جو بہت کاری پڑا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ زخم کھا کر ابھی ہوش میں تھے۔ آپ نے مجرموں کو پکڑنے کا حکم دیا مگر وہ دونوں مسجد سے نکل کر بھاگ گئے۔ ابن ملجم مسجد سے باہر نہ نکل سکا وہ مسجد کے ایک گوشے میں چھپ گیا مگر گرفتار کرلیا گیا۔ شبیب کو ایک شخص حضری نے پکڑا مگر وہ چھوٹ کر بھاگ گیا اور ہاتھ نہ آیا۔ وردان بھاگ کر اپنے گھر کے قریب پہنچ چکا تھا مگر لوگوں نے اسکو پکڑ لیا وہ وہیں قتل کردیا گیا۔

ابن ملجم گرفتار ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا آپ نے حکم دیا کہ اگر میں اس زخم سے مر جاؤں تو تم بھی قصاص میں اسکو قتل کر دینا اور اگر میں اچھا ہو گیا تو میں خود جو مناسب ہو گا کروں گا، پھر آپ نے بنو ہاشم کو وصیت کی اور کہا میرے قتل کو مسلمانوں کی خونریزی کا بہانہ نہ بنانا۔ صرف اسی شخص کو جو میرا قاتل ہے قصاص میں قتل کرنا۔ پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے حسن! اگر اس زخم کے صدمہ سے مر جاؤں تو تم بھی اسکو تلوار سے ایسا ہی وار کرنا کہ اسکا کام تمام ہو جائے۔ دیکھو مثلہ ہرگز نہ کرنا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مثلہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

ابن ملجم کی تلوار کا زخم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کنپٹی پر پہنچا تھا اور تلوار کی دھار دماغ تک اُتر گئی تھی مگر آپ جمعہ کے دن تک زندہ رہے اور ہفتہ کو 17 رمضان المبارک بعض قول کے مطابق 21 رمضان المبارک کو آپ نے وصال فرمایا۔

آپ کے وصال فرمانے سے پیشتر ”جندب بن عبداللہ“ نے آ کر عرض کیا کہ اگر آپ ہم سے جدا ہو جائیں تو ہم لوگ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں؟ آپ نے فرمایا میں اس کے متعلق کچھ نہیں کہتا تم لوگ جو مناسب سمجھنا کرنا۔ پھر حسنین کو بلا کر فرمایا کہ میں تم کو خدا تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے اور دنیا میں مبتلا نہ ہونے کی وصیت کرتا ہوں۔ تم کسی چیز کے حاصل نہ ہونے پر افسوس نہ کرنا، ہمیشہ حق بات کہنا، یتیموں پر رحم کرنا، بے کسوں کی مدد کرنا، ظالم کے دشمن اور مظلوم کے مددگار رہنا، قرآن شریف پر عامل رہنا اور اللہ کے حکم کی تعمیل میں ملامت کرنے والوں کی ملامت سے نہ ڈرنا۔

پھر آپ نے محمد بن علی (حنیف) اپنے تیسرے بیٹے سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں تم کو بھی انہی باتوں کی اور اپنے دونوں بھائیوں کی تعظیم مدِّ نظر رکھنے کی وصیت کرتا ہوں ان کا تم پر بڑا حق ہے، ان کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کرنا۔ پھر حسنین سے کہا کہ میں تم دونوں کو بھی محمد بن

علی (حنیف) کے ساتھ حسن سلوک اور رعایت کے ساتھ پیش آنے کی وصیت کرتا ہوں۔ پھر آپ ایک عام وصیت تحریر کرانے لگے مگر وقت اجل نے مہلت نہ دی اور آپ کی زبان مبارک سے سوائے لا الہ الا اللہ کے سوا دوسرا کلمہ ادا نہ ہوا۔ آپ نے جان آفریں خدا کے سپرد کر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سیرت علی مرتضٰی، شیر خدا

حضرت علی رضی اللہ عنہ فطرتاً سلیم الطبع تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آغوش میں تربیت پائی تھی اس لئے آپ کی ذات خلق نبوی کا پیکر اور تعلیمات اسلامی کی تصویر تھی۔ آپ کے فضائل اخلاق میں سب سے زیادہ نمایاں زہد وتقویٰ ہے، آپ کی پوری زندگی اس طرح زہد ورع میں ڈوبی ہوئی تھی کہ کسی واقعہ کو اس سے الگ کر کے دکھانا مشکل ہے، آپ کی زندگی کا ہر پہلو زہد کا مظہر تھا۔ زہد کے بارے میں آپ کا قول ہے کہ دنیا مردار ہے جو اسے حاصل کرنا چاہتا ہے اسے کتوں کی صحبت کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ (امام نووی)

آپ پر غربت وامارت کے مختلف دور گذرے ہیں لیکن کسی دور میں خرافات دنیاوی کی جانب آنکھ نہیں اُٹھائی۔ چند برسوں کے بعد ہی آپ کو عیش وراحت کے سامان میسر آ گئے تھے اور آپ کی آمدنی اتنی ہو گئی تھی کہ چالیس ہزار درہم سالانہ اسکی زکوٰۃ ہوتی تھی لیکن اس زمانہ میں بھی فاقوں کی نوبت آجاتی تھی۔ (مسند احمد بن حنبل ج اول ص 125)

آپ کے پاس معمولی سا گھر تھا اسکے علاوہ اور کوئی جائیداد نہیں تھی، آپ نے ساری عمر کوئی دوسری عمارت نہیں بنوائی۔ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا اپنے ساتھ جو مختصر سا جہیز لائی تھیں اسمیں تاعمر کوئی اضافہ نہ ہوسکا۔ آپ کے ساتھ ساز وسامان میں ایک مینڈھے کی کھال تھی جو ستر کا کام دیتی تھی۔ اوڑھنے کے لے ایک مختصر سی چادر ہوتی تھی کہ اگر آپ سر چھپاتے تھے

تو پاؤں کھل جاتا تھا اور اگر پاؤں ڈھانپتے تو سر برہنہ ہو جاتا تھا۔

کوئی ملازم نہ تھا گھر کا سارا کام حضرت بی بی فاطمہ انجام دیتی تھیں۔ چکی پیستے پیستے ان کے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے تھے۔ کئی کئی دن گھر میں چولہا نہیں جلتا تھا۔ ایک مرتبہ فاقوں کی نوبت آگئی تو بھوک کی حالت میں مزدوری کی تلاش میں نکلے، اطراف مدینہ میں ایک بڑھیا کے کھیت میں کام کر کے کچھ کھجوریں حاصل کیں۔ ایک مرتبہ اپنی تلوار بیچ کر سامان خورد و نوش حاصل کیا۔ (کنز العمال ص 459) آپ کے در سے کوئی سائل خالی ہاتھ نہیں جاتا تھا۔ اکثر آپ سائلوں کو کھانا دے دیتے تھے اور خود بھوکے سو جاتے تھے۔

امانت و دیانت

آپ امین تھے دیانت کے ساتھ آپ مسلمانوں کی امانت بیت المال میں رکھتے تھے اور اس کی حفاظت کرتے تھے۔ ہر طرح کی تکالیف برداشت کرتے تھے لیکن بیت المال سے ایک حبہ لینا حرام سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ سخت سردی میں ایک معمولی سی چادر اوڑھے ہوئے تھے، آپ کا جسم کانپ رہا تھا ایک شخص نے دیکھا تو کہنے لگا یا امیر المؤمنین! بیت المال میں آپ کا اور آپ کے اہل و عیال کا بھی حق ہے۔ آپ اپنے اوپر اتنی تکلیف کیوں اُٹھاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میں تمہارے حصہ کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اگر میں اپنے حصہ سے زیادہ لوں تو دوسرے مسلمانوں کی حق تلفی ہوگی۔

آپ کی یہ تکلیفیں دیکھ کر ایک مرتبہ آپ کے غلام قنبر نے بیت المال سے آپ کے لئے سونے چاندی کے کچھ برتن علیحدہ کر لئے اور آپ سے عرض کیا کہ بیت المال میں آپ کا اور آپ کے اہل و عیال کا بھی حق ہے لیکن آپ کچھ باقی نہیں چھوڑتے اس لئے میں نے آپ کے لئے ایک چیز چھپائی ہے۔ فرمایا وہ کیا ہے؟ قنبر نے عرض کیا آپ چل کر دیکھ لیں۔ آپ نے جا کر دیکھا

تو سونے چاندی کے برتن تھے۔ آپ نے فرمایا تیری ماں تجھ کو روئے تو میرے گھر کو اتنی بڑی آگ میں دھکیلنا چاہتا ہے اور اسی وقت سارے برتن تول تول کر مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے۔ (کنز العمال، ج9،ص49)

لباس و غذا

غذا بہت معمولی اور آپ کا لباس نہایت سادہ ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ کھانے میں شریک ہوئے، کھانا بہت سادہ تھا۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا امیر المؤمنین! آپ کو پرندے کے گوشت کا شوق نہیں ہے؟ فرمایا خلیفہ وقت کو مسلمانوں کے مال سے صرف دو پیالوں کا حق ہے، ایک خود کھالے اور دوسرا اپنے اہل وعیال کو کھلائے۔ ایک مرتبہ فالودہ کا پیالہ پیش کیا گیا لیکن آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا کتنا خوش رنگ اور خوش ذائقہ ہے لیکن میں نفس کو ایسی غذاؤں کا عادی بنانا پسند نہیں کرتا جسکا وہ عادی نہ ہو۔

(مسند احمد بن حنبل جلد اول صفحہ ۷۸)

آپ زیادہ تر جو کی روٹی کھاتے تھے، اکثر فاقے میں رہتے تھے، اکثر اپنا کھانا حاجت مندوں کو دے دیتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے اور آپ کے بچوں نے تین وقت سے کھانا نہیں کھایا تھا، جب کھانے کا انتظام ہوگیا اور کھانا کھانے کے لئے دستر خوان پر آپ کے دونوں صاحبزادے حسن وحسین رضی اللہ عنہما اور بی بی فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا اور آپ جیسے ہی بیٹھے اسی وقت دروازے پر ایک فقیر نے صدا دی کہ اللہ کے نام مجھے کھانے کے لئے کچھ دو۔ میں تین دن سے فاقے میں ہوں، آپ نے فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا اور دونوں صاحبزادوں سے کہا کہ یہ شخص ہم لوگوں سے زیادہ ضرورت مند ہے، لہٰذا آپ نے کھانا اس فقیر کو دے دیا اور خود اپنے اہل وعیال کے ساتھ اس دن بھوکے سو گئے۔

جہانگیر امن و آشتی

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ

امن و آشتی کے امام، صلح جوئی اور خیر کے سب سے بڑے جہانگیر اعظم دلوں کے جوڑنے والے نفرتوں کو ختم کرنے والے، تحمل و بردباری کے تاجدار اعظم حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ جنہوں نے دنیاوی خلافت کو ٹھکرا کر مسلمانوں کے قتل عام کو جو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سے جاری تھا اسکو بند کرادیا۔ آپ کے اس عظیم کارنامہ کی وجہ سے اسلامی ممالک میں امن و سکون پیدا ہو گیا اور اسلامی طاقت جو پارہ پارہ ہو رہی تھی یک جا ہو گئی۔ جس کے نتیجہ میں مسلمان دنیا کی ایک عظیم طاقت بن گئے۔

آپ کا اسم مبارک ''حسن'' اور کنیت ''ابو محمد'' اور ''ریحانۃ النبی'' لقب ہے۔ آپ سرکار دو عالم کی صاحبزادی حضرت بی بی فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے بطن سے 3 ہجری میں مدینہ میں پیدا ہوئے تھے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولادیں آپ کی زندگی میں ہی انتقال کر گئی تھیں، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کی اولاد سے محبت کرتے تھے۔ خاص طور سے حضرت امام حسن سے زیادہ محبت تھی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے خاص انس و تعلق تھا اسلئے آپ ان کی ناز برداری فرماتے تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی صورت و شکل اپنے نانا سے کافی مشابہت رکھتی تھی۔ سن رشد کو پہنچنے کے بعد کسی میدان میں آپ کا قدم پیچھے نہیں رہا۔ جب سبائیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر پر حملہ کیا تو آپ ان کی مدافعت میں زخمی ہو گئے تھے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد کوفہ اور عراق کے لوگوں نے آپ کے ہاتھ

پر خلافت کی بیعت کر لی تھی۔ عرب کے ایک نامور مدبر حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نے بیعت کے لئے سب سے پہلے ہاتھ بڑھایا جو آخر دم تک آپ کے وفادار رہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ہی سے جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جو والی شام تھے اپنے دل میں شروع ہی سے عالم اسلام پر حکومت کرنے کی آرزو رکھتے تھے اور انہوں نے اس مقصد کی خاطر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ بھی کی تھی بظاہر قصاصِ عثمان کو سامنے رکھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ان کی یہ تمنا پوری نہ ہو سکی۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ بڑے نرم خو، متحمل مزاج اور صلح جو اور امن پسند شخص تھے اس لئے جنگ وجدال سے آپ کو طبعی نفرت تھی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اسکا اندازہ تھا چنانچہ اپنی آرزو ملک گیری پوری کرنے کا انکو موقع مل گیا اور انہوں نے اس مقصد کو پورا کرنے کیلئے عراق پر فوج کشی کر دی۔

عبداللہ بن عامر ایک فوجی جرنیل کی قیادت میں ایک لشکر مدائن کی طرف بھیجا۔ جب حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو شامی فوج کی پیش قدمی کی اطلاع ملی تو آپ نے قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ ان کے مقابلے کے لئے بھیجا اور خود ان کے عقب سے سباط روانہ ہو گئے۔ عراقی فوج جو آپ کے ساتھ تھی انکی تعداد چالیس ہزار کے لگ بھگ تھی۔ آپ کا لشکر جب مدائن پہنچا تو منافقین نے یہ افواہ اُڑا دی کہ شامی فوج سے جنگ میں قیس بن سعد رضی اللہ عنہ جو آپ کے وفادار جرنیل تھے مارے گئے یہ خبر اُڑتے ہی عراقی فوج میں بھگدڑ مچ گئی، لوگوں نے حضرت امام حسن کے خیمہ پر حملہ کر دیا اور انکا سارا سامان لوٹ لیا حتی کہ جس فرش پر آپ بیٹھے ہوئے تھے وہ بھی چھین لیا۔ اپنی فوج کا یہ رنگ دیکھ کر آپ دلبرداشتہ ہوئے، آپ چونکہ شروع سے ہی جنگ وجدال اور قتال سے نفرت کرتے تھے اور فوج کا یہ رنگ دیکھ کر آپ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مصالحت پر آمادہ ہو گئے۔ جب آپ کو اپنی فوج کی کمزوری اور جنگ سے پہلو تہی کا اندازہ ہوا تو آپ وہیں رک گئے اور لشکر سے مخاطب ہوئے۔

لوگو! میں کسی مسلمان کی جان سے اپنے دل میں کینہ نہیں رکھتا اور تم کو اس نظر سے دیکھتا ہوں جس نظر سے اپنی ذات کو دیکھتا ہوں میں تم لوگوں کے سامنے ایک رائے پیش کرتا ہوں، سچ ہے اسے مسترد نہ کرو گے جس اتحاد و یکجہتی کو تم ناپسند کرتے ہو وہ اس اختلاف اور تفرقہ سے افضل و بہتر ہے جسے تم چاہتے ہو۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میں اکثر لوگ جنگ سے پہلو تہی کر رہے ہیں اس لئے تم لوگوں کو تمہاری مرضی کے خلاف مجبور کرنا نہیں چاہتا۔

یہ خیالات سن کر لوگ ایک دوسرے کا منہ تکنے لگا۔ خارجیوں کی ایک جماعت بھی آپ کے ساتھ تھی اس نے کہا حسن رضی اللہ عنہ اپنے باپ کی طرح کافر ہو گئے ہیں، ان میں سے کچھ آدمیوں نے آپ کے مصلّے اور کپڑے چھین لئے۔ ان کے عزائم دیکھ کر آپ گھوڑے پر سوار ہو گئے اور آپ نے بنو ربیعہ اور بنو ہمدان کے آدمیوں کو آواز دی، انہوں نے خارجیوں کو بزور قوت وہاں سے ہٹا دیا۔

آپ سباط سے مدائن روانہ ہو گئے راستے میں ایک خارجی ''جراح بن قسفہ'' نے آپ پر نیزہ سے حملہ کیا جو آپ کی ران پر لگا آپ معمولی زخمی ہو گئے، اس خارجی کو لوگوں نے قتل کر دیا۔ آپ مدائن میں آرام کرتے رہے معمولی علاج معالجہ سے آپ تندرست ہو گئے۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو فوج تھی وہ ناقابل اعتبار تھی ہر موقع پر غدار ثابت ہوگئی سوائے قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کے کہ جن کی فوج بہادر تھی اور آپ کے لئے لڑنے مرنے کے لئے تیار تھی۔ آپ کے ہمراہ جو چالیس ہزار فوج کے علاوہ چالیس ہزار کوفی فوج بھی تھی جو آپ کے ایک اشارے پر سر کٹانے کے لئے تیار تھی۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر فرمایا کہ عرب کے سر میرے قبضہ میں تھے جس سے میں صلح کرتا اس سے وہ بھی صلح کرتے اور جس سے میں جنگ کرتا اس سے وہ بھی جنگ کرتے۔ مگر آپ مسلمانوں کے خون کی قسمت پر خلافت خریدنا نہیں چاہتے تھے۔ حضرت

عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سے برابر مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہتی چلی آرہی تھیں، ملک سے امن وامان اُٹھ چکا تھا، اس لئے آپ چند شرائط پر جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہونے پر آمادہ ہو گئے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ آپ دستبردار ہونے پر آمادہ ہیں تو وہ بہت خوش ہوئے پھر جب ان کی باہم ملاقات ہوئی تو آپ سے بڑی محبت سے ملے۔ حضرت عمرو بن العاص نے اس موقع پر جناب امیر معاویہ سے کہا کہ آپ حضرت امام حسن سے درخواست کریں کہ وہ دستبرداری کے لئے اعلان کریں اور تقریر کریں، حضرت معاویہ نے کہا کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں لیکن ان کے اصرار پر آپ نے حضرت امام حسن سے خطاب کرنے کے لئے کہا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اصرار پر آپ نے مختصر سی جامع تقریر کی:

''امابعد: لوگو! خدا نے ہمارے اگلوں سے ہماری ہدایت اور پچھلوں سے تمہاری خونریزی کرائی، دانائیوں میں سب سے بڑی دانائی تقویٰ اور عجز میں سب سے بڑی برائی بداعمالیاں ہیں، یہ امر خلافت ہمارے اور معاویہ کے درمیان متنازعہ ہے، یا وہ اس کے واقعی حقدار ہیں یا پھر میں ہوں؟ دونوں صورتوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی اصلاح اور تم لوگوں کی خونریزی سے بچنے کے لئے میں اس امر خلافت سے دستبردار ہوتا ہوں۔''

پھر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا:

''خلافت تمہارے لئے چند روزہ سرمایہ۔''

یہ سن کر جناب معاویہ حضرت عمرو بن العاص سے کہنے لگے تمہارا مقصد پورا ہو گیا یہی سنوانا چاہتے تھے۔ پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ امام حسن رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہوئے اور کہا اے ابومحمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے آج جس قسم کی جواں مردی اور بہادری دکھائی ہے ایسی جواں

مردی اور بہادری آج تک کوئی بھی نہ دکھا سکا۔

(تاریخ اسلام مؤلفہ شاہ معین الدین ندوی)

مصالحت کے اثرات ونتائج

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی مصالحت کے نتائج ملک وملت کے لئے بہت مفید ثابت ہوئے۔ مسلمانوں میں خونریزی کا جو سلسلہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد سے چلا آرہا تھا وہ رکنے کا نام نہیں لے رہا تھا، ہزاروں مسلمانوں اور صحابہ وتابعین اس خونریزی کی نظر ہو چکے تھے۔ آپ کی مصالحت سے یہ خونریزی رک گئی اور ملک میں امن وسکون پیدا ہو گیا۔ جو طاقت خانہ جنگی سے پارہ پارہ ہو رہی تھی وہ پھر دشمنان اسلام کے مقابلہ میں صرف ہونے لگی اور بیرونی فتوحات اور اندرونی اصلاح وترقی کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو گیا جو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد بالکل رک گیا تھا۔ اس سال کو سنہ عام الجماء یعنی اتحاد واتفاق کہتے ہیں۔

لیکن شیعانِ علی اور خوارج کی جانب سے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو سخت مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا، وہ لوگ آپ کو 'مُذل المؤمنین' یعنی مسلمانوں کو رسوا کرنے والا اور 'مشود وجوہ المؤمنین' یعنی مسلمانوں کو روسیاہ کرنے والے 'عار المومنین' یعنی ننگ مسلمین کے القاب سے یاد کرتے تھے۔ آپ نہایت صبر وسکون کے ساتھ ان کی گستاخیوں کو برداشت کرتے رہے، لیکن آپ نے کبھی سیاست میں حصہ نہیں لیا۔

(تاریخ اسلام شاہ معین الدین ندوی)

امام نودی لکھتے ہیں: چالیس ہزار سے زیادہ آدمیوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور وہ سات مہینہ حجاز یمن عراق وخراساں وغیرہ پر حکمران رہے تھے۔ اس کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلے کے لئے اُٹھے، جب دونوں کا آمنا سامنا ہوا تو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو اند[illegible]ہوا کہ جب تک مسلمانوں کی بڑی تعداد جنگ میں نہ ماری جائے

کسی فریق کا غلبہ پانا بہت مشکل ہے۔اس لئے آپ چند شرائط پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہونے پر راضی ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشین گوئی کی تصدیق ہوگئی کہ ''میرا یہ لڑکا سردار ہے خدا اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو بڑے فریقوں میں صلح کرائے گا''۔

وصال

دست برداری کے نو سال بعد 50 ہجری میں مدینہ میں آپ کا انتقال ہوا، آپ کی موت کے بارے میں یہ بیان ہے کہ آپ کی ایک بیوی ''جعدہ بنت اسد نے آپ کو زہر دیا تھا لیکن اس کی تحقیق نہیں ہے۔ جب آپ زندگی سے مایوس ہو گئے تو امام حسین رضی اللہ عنہ کو بلوا کر ان سے واقعہ بیان کیا، انہوں نے زہر دینے والے کا نام پوچھا، آپ نے فرمایا نام پوچھ کر کیا کرو گے؟ عرض کیا قتل کروں گا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر میرا گمان صحیح ہے تو خدا بہتر بدلہ لینے والا ہے اور اگر غلط ہے تو میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کوئی ناکردہ گناہ پکڑا جائے۔

آپ کو اپنے نانا کے پہلو میں دفن ہونے کی بڑی تمنا تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اس کی اجازت مانگی تو انہوں نے بسرو چشم مسرت کے ساتھ اجازت مرحمت فرمائی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے احتیاطاً پھر وصیت کردی کہ میرے بعد دوبارہ اجازت حاصل کرنا، ممکن ہے زندگی میں میری مروت سے دے دی ہو۔ اور اگر اس وقت بھی وہ اجازت دے دیں تو روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مجھے دفن کرنا مگر مجھ کو خطرہ ہے کہ اس میں بنوامیہ مزاحم ہوں گے۔ اگر ایسی صورت درپیش ہو تو پھر بقیع کے گور غریباں میں دفن کردینا۔ زہر خورانی کے تیسرے دن آپ کا وصال ہو گیا۔

وصال کے بعد وصیت کے مطابق حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دوبارہ اجازت مانگی تو انہوں نے فراخدلی سے اجازت دے دی لیکن

بنوامیہ کی طرف سے جوامام حسن کوخطرہ تھا وہ صحیح نکلا۔ مروان بن الحکم کو جب اس کی خبر ہوئی تو اس نے کہا حسن رضی اللہ عنہ کسی طرح روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں دفن نہیں کیے جاسکتے۔ ان لوگوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو تو یہاں دفن نہیں ہونے دیا اور حسن رضی اللہ عنہ کو یہاں دفن کرنا چاہتے ہیں، یہ نہیں ہوسکتا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ بزور قوت دفن کرنے پر آمادہ تھے اور قریب تھا کہ بنو ہاشم اور بنوامیہ میں تلواریں چل جائیں کہ اتنے میں مشہور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پہنچ گئے اور چلائے کہ یہ کیا ستم ہے کہ ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نانا کے پہلو میں دفن کئے جانے سے روکا جارہا ہے؟ پھر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو امام حسن رضی اللہ عنہ کی وصیت یاد دلائی تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا غصہ ٹھنڈا پڑ گیا۔

حضرت سعد بن العاص رضی اللہ عنہ والی مدینہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور اس اقلیم صلح ورسالت کے تاجدار، علم و بردباری کے پیکر امن وآشتی کے جہانگیر اعظم کو حضرت بی بی فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ (الاستیعاب واسد الغابہ)

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ صفت خلق عظیم کی بناء پر اتنے محبوب ومقبول تھے کہ انکے وصال پر سارے مدینہ میں صف ماتم بچھ گئی۔ بازار بند ہوگئے گلیوں میں سناٹا چھا گیا۔ بنی ہاشم کی عورتوں نے ایک مہینہ تک سوگ بنایا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں فریاد وفغاں کرتے تھے اور پکار پکار کر کہتے تھے کہ لوگو! آج خوب رو لو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب دنیا سے اُٹھ گیا۔ آپ کے جنازہ میں اتنا ہجوم تھا کہ مدینہ میں اسکی مثال نہیں ملتی۔ ایک شریک جنازہ کا بیان ہے کہ اگر سوئی پھینکی جاتی کثرت اژدھام سے زمین پر نہیں گرتی۔ (تہذیب الکمال 89)

حضرت امام حسن کا عظیم الشان کارنامہ

دنیا کے تمام جہانگیروں کے کارنامے حکومت کے استحکام، فتوحات، ملکی وسعت، فوجوں کی کثرت کے معیار سے جانچے جاتے ہیں اور کچھ اونچے پیمانے پر معیار میں قوم کی

اصلاح وترقی بھی شامل ہوجائے تو پھر معیار بلند ہو جاتا ہے۔لیکن حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے دنیا کے سامنے ایک نمونہ پیش کیا۔آپ نے حکومت کی بنیاد مضبوط نہیں کی نہ ممالک فتح کئے نہ فوج وخزانہ جمع کیا بلکہ ان تمام چیزوں اور عظیم الشان حکومت جس کا ایک سرا سندھ سے لیکر اسپین تک پھیلا ہوا تھا صرف مسلمانوں کے خون سے بچنے کے لئے چھوڑ دیا۔ یہ کارنامہ ایسا ہے کہ جس کی مثال تاریخ عالم میں مشکل سے ملے گی۔ ظاہری حالت سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح ہے کہ آپ نے فوج کی کمزوری سے مجبور ہو کر حکومت چھوڑی دی۔ جس وقت آپ نے دست برداری کا ارادہ ظاہر کیا تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے عرض کیا خدارا! معاویہ رضی اللہ عنہ کی تصدیق کر کے والد صاحب کو قبر میں نہ جھٹلائے۔آپ نے فرمایا تم خاموش رہو میں معاملات کو تم سے بہتر سمجھتا۔

(ابن کثیر جلد ۳،ص ۱۴۱)

فضائل

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے مجمع العلم کے فرزند تھے اور اسی گہوارہ علم میں آپ نے پرورش پائی تھی۔ اس لئے آپ کو بھی اپنے اسلاف کے علمی ورثہ سے حصہ ملا تھا۔حدیث میں آپ کی روایات 13 ہیں جن میں اکثر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی کچھ روایات کی ہیں۔ فقہ میں آپ مدینے کے علم وافتاء جماعت کے رکن تھے۔آپ کے خطبات متانت، سنجیدگی اور پند وموعظ کی کتاب ہوتے تھے۔شاعری سے بھی ذوق رکھتے تھے۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ صورت وسیرت میں ذات نبوی کی تصویر تھے۔ مکارم اخلاق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ تھے۔ حد درجہ مستغنی اور دنیا سے بے نیاز تھے۔ عبادت میں آپ ایک کامل درویش تھے۔ فجر کے بعد طلوع آفتاب تک مصلیٰ پر رہتے تھے، آپ نے سواریوں کے ہوتے ہوئے بہت سے حج پا پیادہ ادا کئے۔آپ فرماتے تھے کہ مجھے خدا سے حجاب آتا ہے میں اس سے ملنے جاؤں اور پیادہ نہ جاؤں۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

قرۃ العین جگر گوشۂ رسول حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آنکھوں کی ٹھنڈک، دل کا چین حسین ابن علی، جان اولیاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے نواسے ہیں جو آپ کی بیٹی حضرت فاطمۃ الزہراء کے بطن سے 4 ہجری میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ دلوں پر حکومت کرنے والے یہ وہ جہانگیر ہیں کہ جن کی زندگی میں وہ قدر نہ کی گئی جو انکو شہادت پانے کے بعد حاصل ہوئی۔ شہادت پانے کے بعد وہ امر ہوگئے اور اتنے امر ہوئے کہ شاید رہتی دنیا تک ان کا ذکر ہوتا رہے گا۔ مسلمانوں کے تمام فرقے ہر سال ان کی یاد مناتے اور اکثر عالم اسلام ذکر واذکار اور عبادت کرتے ہوئے یا انکے مناقب بیان کرتے ہوئے، ان کی تعلیمات صبر ورضا کو بیان کرتے ہوئے ان کی یاد مناتے ہیں۔ دنیا کے بہت بڑے خطے میں ان کی یاد منائی جاتی ہے۔ محرم شروع ہوتے ہی مجالس اور جلسوں کا انعقاد ہوتا ہے۔ آپ ایسے جہانگیر تھے کہ جن کو مسلمان ہی نہیں بلکہ غیر مسلم بھی نہایت عقیدت واحترم سے یاد کرتے ہیں۔

آپ نے ایک ظالم وجابر بادشاہ کے خلاف کلمہ حق کو بلند کیا، کربلا کے تپتے ہوئے ریگ زار میں آپ کے سامنے دو راستے تھے ایک دنیا کا راستہ جس پر چلتے تو مال ومتاع، جاہ وحشم سب آپ کے قدموں میں ڈھیر کردیا جاتا اور دوسرا راستہ حق گوئی وصداقت کا تھا جس پر چلتے تو سر کٹ جانے کا ڈر تھا۔ لیکن آپ نے دونوں راستوں میں حق گوئی وصداقت کا راستہ اختیار کیا اور دین کی خاطر سر کٹا دیا لیکن ایک فاسق وفاجر کی بیعت سے انکار کردیا۔ حضرت خواجہ خواجگاں معین الدین حسن چشتی رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کو بہت خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے کہ رہتی دنیا تک کوئی بھی نہیں پیش کرسکتا۔

آپ فرماتے ہیں:

شاہ ہست حسین پادشاہ ہست حسین
دین ہست حسین دین پناہ ہست حسین
سرداد نہ داد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لاَ اِلٰہ ہست حسین

جیسے کہ تاریخ اسلام اس بات کی شاہد ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے یزید کو اپنی زندگی میں جانشین نامزد کر دیا جس کی جمہور اسلام میں کوئی جگہ نہ تھی، اس لئے صحابہ کرام وتابعین ان کے اس عمل سے ناراض ہو گئے، صحابہ کو منانے کے لئے اور اپنے لڑکے کے لئے زمینہموار کرنے کے لئے پیسے کا بے دریغ استعمال کیا۔ کچھ صحابہ تابعین نے بیعت کر لی لیکن بہت سے اکابرین صحابہ وتابعین نے بیعت سے انکار کیا چونکہ یزید فاسق و فاجر تھا اس لئے اسلامی طریقہ سے اسکی خلافت جائز نہیں تھی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ عمل کسی طریقہ سے بھی جائز نہیں تھا۔ یزید کے لئے جبراً بیعت لی جارہی تھی۔ انہوں نے یزید کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور چند صحابہ کے بارے میں تاکید کی کہ ان لوگوں سے جبر نہ کرنا اور ان کے ساتھ محبت سے پیش آنا۔ لیکن حضرت امیر معاویہ کے انتقال کے بعد جب یزید دمشق میں تخت خلافت پر متمکن ہوا تو اس کے بہی خواہوں نے حجاز کے ان عمائدین واکابرین سے بیعت لینے پر اصرار کیا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ مکہ و مدینہ نہ چھوڑتے تو شاید واقعہ کربلا وجود میں نہ آتا۔ انکو مکہ و مدینہ سے بلانے کے لئے کوفہ کے لوگوں نے بڑا کردار ادا کیا۔ امام عالی مقام کو وہاں بلانے کے لئے کوفیوں نے سینکڑوں خطوط بھیجے کہ ہم لوگ یزید کی بیعت سے منکر ہیں اور آپ سے بہتر کوئی خلافت کا مستحق نہیں۔ چنانچہ آپ یہاں تشریف لے آئیں، یہاں ہزاروں لوگ آپ کے دیدار کے مشتاق ہیں، یہ سب آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت امام حسین رضی اللہ

عنہ نہایت سیدھے سادھے اور بھولے اور سچے شخص تھے، وہ ان کوفیوں پر اعتبار کرنے لگے پھر بھی آپ نے صورتحال جاننے کے لئے اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ بھیجا۔ حضرت مسلم بن عقیل نے کوفہ کے کئی ہزار آدمیوں سے امام حسین کے لئے چھپ چھپ کر بیعت لی تاکہ کوفہ کے یزیدی گورنر حضرت نعمان بن بشیر کو پتہ نہ ملے لیکن یزید کی سی آئی ڈی نے یزید کو اطلاع دی کہ کوفہ میں حضرت امام حسین کے لئے بیعت لی جارہی ہے۔ اس نے لقمان بن بشیر کو ایکشن لینے کا حکم دیا انہوں نے جواب میں کہلا بھیجا کہ بظاہر میرے پاس ان کے خلاف کوئی ثبوت نہیں اس لئے میں انکو کیسے گرفتار کروں؟

یزید نے حضرت نعمان بن بشیر کو معزول کر دیا اور عبیداللہ بن زیاد ثقفی کو گورنر بنا کر بھیجا، یہ نہایت ظالم و جابر فرعون صفت حاکم تھا اس نے آتے ہی حضرت مسلم بن عقیل کو گرفتار کر لیا اور پھر آپ کو اور آپ کے صاحبزادوں کو قتل کر دیا۔ حضرت مسلم بن عقیل نے جب کافی لوگوں سے بیعت لے لی تھی تو امام حسین رضی اللہ عنہ کو خطوط روانہ کئے اور انکو یہاں آنے کے لئے لکھا۔ امام عالی مقام نے جب صحابہ پر اپنا کوفہ جانے کیلئے ارادہ ظاہر کیا تو تمام صحابہ نے اور آپ کے بھائی ابوالقاسم محمد حنفیہ نے آپ کو بہت منع کیا کہ آپ کوفہ نہ جائیں ہمیں آپ کی جان کا خطرہ ہے، کوفیوں پر بھروسہ نہ کریں انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ غداری کی، حضرت امام حسن کو زہر دیا، خدارا آپ ان پر بھروسہ نہ کریں لیکن آپ نے صحابہ کی بات نہ مانی اور کوفہ جانے کے لئے تیار ہو گئے۔

جب کوفہ کی طرف عازم سفر تھے کہ راستے میں فرزدق شاعر ملا، آپ نے اس سے کوفہ والوں کے بارے میں پوچھا۔ اس نے کہا یا امام! کوفہ والوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں لیکن ان کی تلواریں بنوامیہ کے ساتھ ہیں۔ جب آپ کوفہ سے کچھ منزل دور تھے کہ آپ کو حضرت مسلم بن عقیل اور ان کے صاحبزاروں کی شہادت کی اطلاع ملی، آپ نے یہ سن کر اپنے ساتھیوں سے

واپس جانے کا ارادہ ظاہر کیا لیکن مسلم بن عقیل کے بھائیوں اور بھتیجوں نے کہا ہم مسلم بن عقیل کی موت کا انتقام لیں گے اس لئے ہم واپس نہیں جا سکتے۔ امام عالی مقام نے فرمایا کہ اے عزیز ساتھیو! میں تمہارے بغیر زندہ رہ کر کیا کروں گا لہٰذا میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔

حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق چونکہ آپ کو درجہ شہادت عظمٰی ملنی تھی لہٰذا آپ نے اپنے آپ کو تقدیر کے حوالہ کر دیا۔ جب کربلا کے مقام پر پہنچے تو وہاں کو فیوں نے آپ کے ساتھیوں کی ناکہ بندی کر دی اور پانی بھی بند کر دیا۔ یہ ظلم کی انتہا تھی، آپ کے ساتھ آپ کے اہل وعیال اور خاندان کے افراد تھے جس میں شیر خوار بچے اور خواتین شامل تھیں۔

اتمام حجت کے لئے آپ نے یزیدی فوج سے خطاب کیا اور کہا کہ مجھے تین راستوں میں سے ایک راستہ اختیار کرنے کی اجازت دو۔ یا تو مجھے واپس جانے دو یا مجھے یزید کے پاس بھیج دو جو میرا قرابت دار ہے میں اس سے بات چیت کر کے اس مسئلہ کو حل کرلوں یا مجھے کسی دوسری سر زمین کی طرف جانے دو۔ ابن سعد نے جو فوج کا کمانڈر تھا اس بات کو مان لیا کہ ٹھیک ہے ہم آپ کو یزید کے پاس لے جانے کے لئے تیار ہیں تو وہ بھی مان گیا لیکن شمر ذی الجوشن نے کہا کہ اگر حسین رضی اللہ عنہ یزید کے پاس چلے گئے تو وہ سرخ رو ہو جائیں گے اور تمہاری حیثیت گھٹ جائے گی، اگر یزید کی بیعت تمہارے ہاتھوں سے ہو تو تمہارے لئے باعث اعزاز ہے، یہ سن کر ابن زیاد نے ابن سعد کو حکم دیا کہ حضرت امام عالی مقام کو سوائے بیعت کے اور کوئی راستہ نہ دو۔

جب آپ کو ابن سعد نے یزید کی بیعت کے لئے کہا تو آپ نے بیعت کرنے سے انکار کر دیا اور آخر کار وہی ہونا تھا جسکی توقع تھی۔ جنگ کربلا شروع ہوگئی۔ حضرت مسلم بن عقیل کے بیٹے سب سے پہلے میدان جنگ میں اُترے اور بڑی بہادری کے ساتھ لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ اس جنگ میں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے فرزند حضرت قاسم بھی شہید ہوئے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے آٹھ بیٹے میدان کربلا میں شہید ہوئے، آپ کے بھائی حضرت

عباس، حضرت عبداللہ، حضرت عثمان بن علی، حضرت ابوبکر بن علی، آپ کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح سینہ سپر ہو گئے اور کافی دیر دشمنوں کا مقابلہ کیا اور چاروں نے جام شہادت نوش فرمایا۔ آپ کے تمام ترفیق و اعزہ آپ کے ہمراہ تھے وہ سب لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

امام عالی مقام خستہ حال و نڈھال ہو چکے تھے، پیاس کا غلبہ تھا، آپ پانی پینے کے لئے فرات کی طرف بڑھے مگر یزیدی فوج نے تیروں کی بارش کر دی جس سے آپ کا چہرہ مبارک زخمی ہو گیا، آپ دریائے فرات سے بغیر پانی پیئے ہوئے واپس لوٹ آئے۔ زخموں سے تمام جسم چور چور تھا اور اب جاں بلب حسین رضی اللہ عنہ میں کوئی سکت باقی نہ رہ گئی تھی، عصر کا وقت آ گیا تھا۔ آپ قبلہ رو ہو کر زمین بوس ہوئے اور پیشانی مبارک سجدہ کرنے کیلئے گرم گرم ریت پر رکھ دی۔ آپ کے منہ سے یہ الفاظ جاری تھے:

اے رب میں تجھ سے راضی ہوں تو بھی مجھ سے راضی ہو جا۔

اسی حالت میں کوفیوں نے آپ کو گھیرے میں لے لیا اور سنان بن انس نے تیر سے وار کیا اور اسی حالت میں سنان بن انس اور خولی نے آپ کا سر مبارک تن سے جدا کر دیا۔ جہانگیر اعظم حسین رضی اللہ عنہ دنیا سے چلے گئے لیکن صبر و رضا کی ایسی مثال پیش کر گئے کہ جو لازوال ہے۔

کربلا کی تعلیمات

صبر و رضا کے پیکر رہتی دنیا تک دلوں پر حکومت کرنے والے جہانگیر حسین رضی اللہ عنہ نے اپنا سر کٹا دیا لیکن باطل کے آگے سر نہیں جھکایا۔ بھوکے پیاسے رہ کر کربلا کی تپتی ریت پر مشکل حالات میں صبر کا دامن نہیں چھوڑا۔ آپ اپنے خاندان کو صبر کی تلقین کرتے رہے۔ حتیٰ کہ جب آپ آخری جنگ لڑنے کے لئے گھوڑے پر بیٹھنے لگے اور اپنے عزیزوں کو آواز دی دیکھا تو سب عزیز شہید ہو چکے تھے، اس وقت آپ کی پیاری بہن حضرت بی بی زینب روتی ہوئی آئیں اور آپ

کے گھوڑے کی زین پکڑ کر کہنے لگیں: اے میرے بھائی! آپ ہم کو اکیلا چھوڑ کر مت جایئے۔ آپ نے کہا خدا تمہارا حامی و نگہبان ہے۔ جاؤ میں نے تم سب کو خدا کے سپرد کیا اور کہنے لگے اے میری بہن! مت رو مشکل حالات میں صبر سے کام لو۔ آپ نے فرمایا: خبردار! کافر عورتوں کی طرح میری لاش پر بین نہ کرنا نہ اپنے بال نوچنا اور نہ ماتم کرنا، خبردار ماتم کافروں کا شیوہ ہے، مسلمان مشکل حالات میں صبر کرتا ہے۔ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی تعلیمات ہیں۔

آپ کی تعلیمات میں حق کے لئے سر کٹا دینا اور باطل کے آگے سر نہ جھکانا اور مشکل حالات میں اپنے رب کو یاد کرنا کثرت سے عبادت کرنا اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا اور اللہ کے آگے رضا بہ رضا الٰہی رہنا، موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دشمن کا مقابلہ کیا لیکن پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔

یہ تھیں تعلیماتِ کربلا جو تعلیماتِ جہانگیری کے شہ پارے ہیں۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے لیکن آپ ہمیشہ کے لئے زندہ ہو گئے، آپ کی شہادت عظمیٰ کو شاعر نے کیا خوب انداز میں بیان کیا ہے:

قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے   اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ

حضرت عمر بن عبدالعزیز وہ جہانگیر ہیں کہ جنہوں نے دنیاوی بادشاہت کو خلافت راشدہ کے طرز پر دوبارہ قائم کرنے کی کوشش کی اوراس میں وہ کامیاب ہوگئے لیکن ڈھائی سال کے عرصہ میں وہ خلافت راشدہ کی جھلک دکھا کراس دنیا سے رخصت ہوگئے۔عدل وانصاف جہاں بانی میں انکا دور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور سے مماثلت رکھتا ہے۔امن وسکون، عدل وانصاف، اسلامی اصلاحات میں انکا دور خلفائے راشدین کے دور سے بھی آگے بڑھ گیا ہے۔

امورِ خلافت میں آپ نے عہد فاروقی کو اپنے لئے نمونہ بنالیا۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پوتے سالم بن عبداللہ کو لکھا کہ میں چاہتا ہوں کہ اگر خدا مجھے اس کی استطاعت دے تو میں رعایا کے معاملات میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی روش اختیار کروں، اس لئے تم میرے پاس ان کی تحریریں اور فیصلے کی نقول جوانہوں نے مسلمانوں اور ذمیوں کے بارے میں کہی ہیں وہ مجھ کو بجھوادو اور اگر خدا کو منظور ہے تو میں ان کے نقش پر چلتا رہوں گا۔

(طبقات ابن سعد، ص ۱۳۱۔۱۳۲)

یہ حقیقت ہے کہ بعض حیثیتوں سے آپ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور سے بڑھ گئے۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا زمانہ عہد رسالت سے بہت قریب تھا، ابھی اسلامی روح زندہ تھی اور مسلمان ابھی دنیا میں مبتلا نہیں ہوئے تھے۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے لئے کوئی طاقت مزاحم نہیں تھی اس لئے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا وہ زیادہ تعجب خیز نہیں ہے لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ہر طرح کے مخالف حالات میں عہد فاروقی کو زندہ کیا یہ بہت بڑا کارنامہ ہے۔اس زمانے کے اکابرین حضرت عمر بن عبدالعزیز کے کارناموں کو فاروقی کارناموں سے افضل سمجھتے ہیں، چنانچہ حضرت سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو لکھا کہ عمر بن

خطاب رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا وہ دوسرا زمانہ تھا، دوسرے قسم کے لوگ تھے اگر تم نے اس زمانہ اور لوگوں میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی پیروی کی تو تم ان سے افضل ہو گئے۔

(سیرت طبقات ابن سعد، عمر بن عبدالعزیز، علامہ ابن جوزی)

سلیمان بن عبدالملک بنوامیہ کے خلیفہ جب بستر مرگ پر تھے تو اپنے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز کو خلیفہ نامزد کر گئے، چنانچہ ان کے انتقال کے بعد آپ کو خلیفہ بنایا گیا۔ بارِ خلافت سر پر آتے ہی آپ کی طرز زندگی بالکل ہی بدل گئی۔ آپ ناز ونعم کے پروردہ شہزادے تھے، جو نہایت نفیس اور قیمتی لباس اور عطریات کا استعمال بکثرت کرتے تھے اور ان کے لباس کی نفاست اور خوشبو کے انتخاب کی شہرت عرب ممالک میں مشہور تھی۔ جب بارِ خلافت آن پڑا تو آپ کی طرز زندگی بالکل بدل گئی۔ تخت خلافت پر قدم رکھنے کے ساتھ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قالب اختیار کرلیا، سلمان بن عبدالملک کی تجہیز وتکفین سے فراغت پانے کے بعد حسب معمول جب آپ کے سامنے شاہی سواری پیش کی گئی تو آپ نے واپس کردی اور فرمایا کہ

''میرا خچر میرے لئے کافی ہے۔''

(طبقات ابن سعد، ج ۵، ص ۴۷۔۴۸)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ خلافت کی ذمہ داریوں سے بہت گھبرائے گھر آئے تو اس بارِ عظیم کی ذمہ داری سے چہرہ پریشان تھا، خادمہ نے پوچھا خیر تو ہے بات کیا ہوئی؟ کہا مشرق ومغرب میں امت محمدیہ کا کوئی فرد ایسا نہیں کہ جسکا مجھ پر حق نہ ہو اور بغیر مطالبہ اور اطلاع کے اسکا حق ادا کرنا مجھ پر فرض ہے۔ چونکہ آپ کا انتخاب شوریٰ سے نہیں ہوا تھا اس لئے بہت سوچ بچار کے بعد آپ خلافت سے دست برداری کے لئے آمادہ ہو گئے اور مسلمانوں کو جمع کر کے ان سے کہا:

''لوگو! میری خواہش اور عام مسلمانوں کی رائے لئے بغیر مجھے خلافت کی ذمہ داریوں میں مبتلا کیا گیا ہے اس لئے میری بیعت کا طوق جو گردن میں

ہے میں خود اسے اُتارے دیتا ہوں تم جسے چاہو اپنا خلیفہ منتخب کرلو"۔

یہ تقریر سن کر مجمع نے شور بلند کیا، ہم سب نے آپ کو خلیفہ بنایا اور ہم سب آپ کی خلافت پر راضی ہیں آپ خدا کا نام لے کر کام شروع کیجئے۔ جب آپ کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ کسی شخص کو آپ کی خلافت سے اختلاف نہیں ہے تو اس وقت آپ نے اس بارِ عظیم کو قبول کیا اور مسلمانوں کے ایک بڑے ہجوم سے خطاب کیا جس میں تقویٰ و آخرت کی تلقین کے بعد خلیفہ کی اصلی حیثیت واضح کی:

تعلیمات جہانگیری کی ایک عظیم مثال:

"اما بعد: تمہارے نبی کے بعد اب کوئی دوسرا نبی آنے والا نہیں ہے اور خدا نے اس پر جو کتاب اُتاری ہے اس کے بعد دوسری کتاب آنے والی نہیں۔ خدا نے جو چیز حلال کردی وہ قیامت تک کے لئے حلال ہے اور جو حرام کردی وہ قیامت تک کے لئے حرام ہے۔ میں اپنی جانب سے کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں ہوں بلکہ صرف احکام الٰہی کو نافذ کرنے والا ہوں۔ خود اپنی طرف سے کوئی نئی بات پیدا کرنے والا نہیں ہوں بلکہ محض پیرو ہوں۔ کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ خدا کی نافرمانی میں اس کی اطاعت کی جائے، میں تم میں کا کوئی ممتاز آدمی نہیں ہوں بلکہ معمولی فرد ہوں، البتہ تمہارے مقابلہ میں خدا نے مجھے زیادہ گراں بار کیا ہے"۔

(سیرت عمر بن عبدالعزیز۔ مصنفہ: علامہ ابن جوزی صفحہ ۱۰۸)

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا اصلی مقصد خلافت راشدہ کا دوبارہ احیاء تھا لیکن بنو امیہ کی حکومت کو دوبارہ جمہوری بنا دینا آپ کے اختیار میں نہ تھا لیکن کم سے کم اس کی بُرائیاں دور کر کے طرزِ حکومت کو خلافت راشدہ سے قریب تر کردینا چاہتے تھے آپ کو اس سلسلے میں بڑی

مخالفتوں اور کڑی آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ نے غصب شدہ جائیدادیں اور زمین بنو امیہ اور اپنے خاندان سے واگذار کروانے کا عمل شروع کیا اور اپنے خاندان کو جمع کر کے فرمایا:

''اے بنی مروان! تم کو شرف و دولت کا بڑا حصہ ملا ہے، میرا خیال ہے کہ امت کا نصف یا دو تہائی مال تمہارے قبضہ میں ہے۔''

لوگوں نے کہا کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے ہم یہ جائیداد اور زمین نہیں چھوڑیں گے پھر آپ نے مجمع سے خطاب کیا:

''اموی خلفاء نے ہم ارکان خاندان کو ایسی جاگیریں اور عطایا دیئے کہ خدا کی قسم جن کے دینے کا انکو کوئی حق نہیں تھا اور نہ تمہیں ان کے لینے کا، اب میں ان سب کو ان کے اصلی حقداروں کو واپس کرتا ہوں اور اپنی ذات اور اپنے خاندان سے شروع کرتا ہوں''۔

اس تقریر کے بعد آپ نے تمام جاگیروں کی اسناد منگوائیں اور ایک ایک اسناد کو پڑھ کر لوگوں کو سناتے تھے پھر قینچی سے کاٹ کاٹ کر پھینکتے جاتے تھے۔ صبح سے لے کر ظہر کی نماز تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ (تاریخ الخلفاء صفحہ 233)

آپ کی بیوی فاطمہ کو انکے باپ نے ایک بیش قیمت پتھر دیا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے بیوی سے کہا کہ اس کو بیت المال میں داخل کر دو یا مجھے چھوڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ، وفا شعار بیوی نے اسی وقت وہ پتھر بیت المال میں جمع کروا دیا۔ اسی زمانے کی بات ہے کہ ایک دن آپ نے اپنے گھر میں دیکھا کہ ان کی بیوی بیت المال کے چراغ کی روشنی میں گھر کا کام انجام دے رہی ہیں۔ یہ چراغ آپ اس وقت جلاتے تھے کہ جب امور خلافت انجام دینے ہوتے۔ آپ نے اپنی بیوی سے کہا اے فاطمہ! یہ خیانت ہے کہ تم بیت المال کے چراغ کو اپنے ذاتی کام کے لئے استعمال کر رہی ہو۔ اس محتاط رویہ کے ساتھ آپ عمر فاروق رضی

اللہ عنہ نظر آتے تھے۔

آپ نے ناجائز ٹیکسوں کو یکسر ختم کر دیا۔ بنجر و ناکارہ زمینوں پر بھی ٹیکس لیا جاتا جو مروان کے زمانے سے چلا آرہا تھا آپ نے وہ سب موقوف کر دیا۔ عیسائیوں کے گرجوں کو جن پر مسلمانوں نے زبردستی قبضہ کرلیا تھا واگذار کروائے اور انہیں واپس دلوادیئے، ذمیوں پر اور نومسلم پر بھی بنوامیہ ٹیکس لیتے تھے وہ سب آپ نے ختم کر دیا۔ آپ کے اس طرز عمل سے ہزاروں غیر مسلم مسلمان ہونے لگے۔ صرف آپ کے ان اعمال حسنہ سے مصر اور شام میں لاکھوں عیسائی اور مجوسی حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ یہ اس عظیم الشان جہانگیر کا وہ طرز عمل تھا جس نے سلطنت اسلامی کا پورا ڈھانچہ بدل دیا، خاندان اور لوگوں کی طرف سے بہت مخالفتوں اور رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑا، مگر پائے ثبات کو لغزش نہ آئی۔ تاریخ عالم میں ایسی مثالیں بہت کم ملتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے مشہور مؤرخین نے آپ کو خلفائے راشدین میں شمار کیا ہے۔ مسلمان ہوں یا غیر مسلم سب آپ کے عظمت کے معترف ہیں۔

آپ کی جہانگیریت کے اعتراف میں پروفیسر ہٹی کا بیان:

ان کا زہد و تقویٰ مشہور و مقبول رہا، یہ اوصاف اس لئے اور بھی نمایاں اور درخشاں ہوئے کہ بنوامیہ کے خلفاء عام طور پر ان اوصاف سے محروم کئے جاتے ہیں، واقعی یہ خلیفہ اس خاندان کا ولی اللہ گذرا ہے۔ ایک متاخر روایت میں آتا ہے کہ ہر صدی کے آخر میں ایک شخص مبعوث ہوگا جو اسلام کی تجدید کرے گا، اسی کے مطابق حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کو دوسری صدی ہجری کے آغاز یعنی ۱۰۰ھ کا مجدد قرار دیا گیا ہے۔ جس طرح تیسری صدی ہجری کے امام شافعی مجدد مانے جاتے ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے سوانح نگاروں کا بیان ہے کہ وہ پیوند لگے کپڑے پہنتے تھے اور اپنی رعایا میں اس طرح بے تکلف گھلے ملے رہتے تھے کہ کوئی اجنبی عرضی پیش کرنے آتا تو اسے خلیفہ کو پہنچاننے میں دشواری ہوتی تھی۔ ان کے ایک عامل نے انہیں لکھا کہ نومسلموں کے واسطے جو آپ نے مالی رعائتوں کا حکم نافذ کیا ہے اس سے سرکاری خزانہ خالی ہوجائے گا۔ آپ نے جواب دیا: واللہ مجھے بڑی خوشی ہوگی کہ سب لوگ مسلمان ہوجائیں اور تجھے اور مجھے پیٹ بھرنے کے لئے اپنے ہاتھ سے زمین پر ہل چلانا پڑے۔

جہانگیر اعظم کا وصال

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی اصلاحات کا سلسلہ جاری تھا۔ آپ نے بادشاہی کو خلافت راشدہ کے طرز پر قائم کردیا تھا۔ آپ کے خاندان والے اندرونی طور پر آپ کے سخت مخالف اور دشمن ہوگئے تھے۔ بنی امیہ نے جب یہ محسوس کیا کہ اگر کچھ دنوں تک آپ کی خلافت قائم رہی تو بنی امیہ کا زور ٹوٹ جائے گا اور آپ خلافت کو اسقدر مستحکم کردیں گے کہ پھر گذشتہ اقتدار واپس نہ آسکے گا، اس لئے انہوں نے آپ کے ایک خادم کو ایک ہزار اشرفی دے کر زہر دلوادیا۔ آپ کو دوران علالت اسکا علم ہوگیا لیکن آپ نے اسکا کوئی انتقام نہیں لیا بلکہ اشرفیاں واپس لے کر بیت المال میں جمع کرادیں اور اس غلام کو آزاد کردیا جس نے آپ کو زہر دیا تھا۔ رجب 101 ھ کو 40 سال کی عمر میں اس جہانگیر اعظم نے اس جہان فانی سے پردہ فرمالیا۔

جہانگیر اعظم کے اوصاف حمیدہ وفضائل

حضرت ابونعیم اصفہانی نے بسند صحیح بیان کیا ہے کہ ایک روز رباح بن عبیدہ نے دیکھا کہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نماز کے لئے جارہے تھے، ان کے ساتھ ایک بوڑھا آدمی ان کا ہاتھ پکڑے ہوئے جارہا تھا۔ جب نماز سے فارغ ہوکر آپ اپنے مکان پر تشریف لے آئے تو

رباح نے پوچھا کہ وہ بوڑھا آدمی کون تھا جو آپ کے ہاتھ کا سہارا لئے ہوئے جارہا تھا؟ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے یہ سن کر تعجب سے کہا کہ آہا تم نے بھی دیکھ لیا، تم بھی ایک صالح آدمی ہو، لہٰذا تم کو بتا دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، آپ نے کہا کہ وہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ وہ مجھ سے امت محمدیہ کا حال پوچھنے اور عدل وانصاف کرنے کی تلقین کرنے آئے تھے۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ میں نے رات خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ تشریف رکھتے ہیں آپ کے داہنی جانب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور بائیں جانب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بیٹھے ہیں اور سامنے آپ کے آپ بیٹھے ہیں، اتنے میں دو آدمی آئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے متوجہ ہوکر فرمایا کہ اپنے دوران خلافت میں تم دونوں (صدیق اور فاروق رضی اللہ عنہما) کے قدم بہ قدم چلنا۔ یہ سن کر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں دیکھتا ہوں یہ ایسا ہی کرتے ہیں۔ یہ خواب بیان کرکے راوی نے اس خواب پر قسم کھائی تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ رونے لگے۔

حکیم بن عمر کہتے ہیں کہ میں ایک روز آپ کی خدمت میں حاضر تھا کہ داروغۂ اصطبل حاضر ہوا اور اصطبل کا خرچ مانگنے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ تم گھوڑوں کو شام کے شہروں میں لے جاکر فروخت کردو اور ان کی قیمت فی سبیل اللہ دے دو۔ میرے لئے میرا خچر ہی کافی ہے۔

حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ خلیفہ تھے تو چرواہے تعجب سے دریافت کرنے لگے کہ یہ کون شخص خلیفہ ہوا ہے کہ بھیڑیئے ہماری بکریوں کو اب نقصان نہیں پہنچاتے؟ موسیٰ بن عین کہتے ہیں کہ ہم کرمان میں بکریاں چرایا کرتے تھے۔ بھیڑیے ہماری بکریوں کے ساتھ ساتھ چلتے پھرتے رہتے تھے اور وہ ہماری بکریوں کو نقصان نہیں پہنچاتے تھے، ایک روز ایسا ہوا کہ بھیڑیا ایک بکری کو اُٹھا کرلے گیا۔ میں نے اسی روز کہہ دیا کہ آج خلیفہ صالح یقیناً فوت ہوگیا ہے۔ چُنانچہ جب تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ

اسی روز حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے وصال فرمایا تھا۔

بعض عمال نے آپ کو لکھا کہ ہمارے شہر میں قلعوں اور راستوں کی مرمت ہونی چاہئے لہذا امیر المؤمنین ہمیں کچھ مال عطا فرمائیں کہ ہم ان کی مرمت کی کوششیں کریں۔ آپ نے جواب میں لکھا کہ اس خط کے پڑھتے ہی تم اس شہر میں عدل قائم کر کے قلعے بنالو اور ان راستوں کو ظلم سے دور کر کے پاک کردو پس یہی مرمت ہے۔

ابراہیم سکونی کا قول ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جب سے مجھے معلوم ہوا کہ جھوٹ بولنا عیب ہے میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ اگر امت میں کوئی مہدی ہونے والا ہے تو وہ حضرت عمر بن عبدالعزیز ہیں۔

حضرت مالک بن دینار رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ لوگ کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص زاہد ہوسکتا ہے تو وہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ ہیں۔ دنیا ان کے پاس آئی اور انہوں نے اسکو چھوڑ دیا۔ یونس بن ابی شبیب کہتے ہیں کہ میں نے عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کو خلافت سے پہلے دیکھا کہ ان کے پاجامہ کا نیفہ فربہی کے سبب ان کے پیٹ میں گھسا ہوا تھا، لیکن خلیفہ ہونے کے بعد وہ اس قدر لاغر ہو گئے تھے کہ ان کی ایک ایک ہڈی گنی جاسکتی تھی۔ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے کہتے ہیں کہ مجھ سے ابوجعفر منصور نے پوچھا کہ جب انہوں نے انتقال کیا تو کیا آمدنی تھی؟ میں نے کہا کل چار سو دینار اور سالانہ اور اگر کچھ دن اور زندہ رہ جاتے تو اور کم ہو جاتی۔

مسلمہ بن عبدالملک کا قول ہے کہ عمر بن عبدالعزیز کی عیادت کے لئے گیا تو دیکھا کہ وہ ایک میلا کرتا پہنے ہوئے ہیں۔ میں نے اپنی بہن یعنی ان کی بیوی سے کہا کہ تم انکا کرتا دھو کیوں نہیں دیتیں؟ انہوں نے کہا کہ ان کے پاس دوسرا کرتا نہیں ہے کہ اس کو اتار کر اسے پہن لیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے غلام ابوامیہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک روز اپنے آقا کی حرم محترم سے شکایت کی کہ مسور کی دال کھاتے کھاتے دم آگیا۔ انہوں نے کہا کہ تمہارے

آقا کا بھی یہی کھانا ہے۔

ایک روز اپنی بیوی سے کہا کہ انگور کھانے کو جی چاہتا ہے، اگر تمہارے پاس کچھ ہو تو دو۔ انہوں نے کہا کہ میرے پاس تو کوڑی بھی نہیں، تم باوجودیکہ امیر المؤمنین ہو تمہارے پاس اتنا بھی نہیں کہ انگور لے کر کھالو۔ آپ نے فرمایا کہ انگوروں کی تمنا دل میں لے جانا بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ کل دوزخ میں زنجیروں کی رگڑیں کھائیں۔

آپ کی حرم محترم فرماتی ہیں کہ ایام خلافت میں آپ سجدے میں سر رکھ کر بہت روتے تھے اور اسی حالت میں سو جاتے جب آنکھ کھلتی تو پھر رونے لگتے۔ ولید بن سائب کہتے ہیں کہ میں نے عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کسی شخص کے دل میں خدا کا خوف نہیں دیکھا۔

سعید بن سوید کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ جمعہ کی نماز کے لئے آئے تو میں نے دیکھا کہ ان کے کرتے میں سامنے اور پیچھے بہت سے پیوند لگے ہوئے ہیں۔ ایک شخص نے کہا کہ امیر المؤمنین! خدا تعالیٰ نے آپ کو سب کچھ عطا فرما دیا ہے پھر آپ کپڑے کیوں نہیں بنواتے؟ آپ تھوڑی دیر تک سر جھکائے ہوئے کچھ سوچتے رہے پھر فرمایا کہ تونگری میں میانہ روی اور قدرت میں عفو بڑی چیز ہے۔

ایک روز آپ نے فرمایا کہ میں پچاس برس بھی تم میں رہوں تو مراتب عدل کو تکمیل تک نہیں پہنچا سکتا۔ میں عدل کرنا اور تمہارے دلوں سے طمع دنیاوی کو نکال ڈالنا چاہتا ہوں لیکن دیکھتا ہوں کہ تمہارے دل متحمل نہ ہو سکیں گے۔ ابراہیم بن پسرہ نے طاؤس سے کہا کہ عمر بن عبدالعزیز مہدی ہیں، انہوں نے کہا کہ صرف مہدی ہی نہیں بلکہ عادل کامل بھی ہیں۔

بی بی جویریہ کہتی ہیں کہ ہم فاطمہ بنت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس گئے انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ بن عبدالعزیز کی بڑی تعریف کی اور فرمایا کہ اگر وہ زندہ رہتے تو ہمیں کسی چیز کی کمی نہیں رہتی۔

رجاء بن حیدۃ کہتے ہیں کہ ایک روز حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے پاس

بیٹھا تھا کہ چراغ گل ہو گیا وہیں آپ کا غلام سو رہا تھا میں نے چاہا کہ اسے جگا دوں، آپ نے منع فرمایا پھر میں نے چاہا کہ خود اُٹھ کر چراغ جلا دوں۔ آپ نے فرمایا کہ مہمان کو تکلیف دینا خلاف مروت ہے۔ آپ خود اُٹھے اور تیل کا کوزہ اُٹھا کر چراغ میں تیل ڈالا اور اسکو جلا کر پھر اپنی جگہ آبیٹھے اور فرمایا کہ میں اب بھی وہ عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ ہوں جو پہلے تھا۔ یعنی چراغ جلانے سے میرا رتبہ کم نہیں ہوگا۔

عطاء کہتے ہیں کہ عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ رات کے وقت فقہاء کو جمع فرماتے تھے اور موت اور قیامت کا ذکر کر کے اس قدر روتے کہ گویا ان کے سامنے کوئی جنازہ رکھا ہوا ہے۔ عبد اللہ بن براء کہتے ہیں کہ ایک روز آپ نے خطبہ میں فرمایا کہ لوگوں اپنی پوشیدہ باتوں میں اصلاح کرو، ظاہری باتوں میں خود اصلاح ہو جائے گی۔ آخرت کے واسطے عمل کرو اور دنیا کے لئے اسی قدر توجہ کرو جتنی ضرورت ہو اور یاد رکھو کہ تمہارے آباء واجداد کو موت کھا چکی ہے۔

حضرت عمر بن مہاجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ کا جی انار کھانے کو چاہا۔ آپ کے ایک عزیز نے انار بھیج دیا، آپ نے اس کی بہت تعریف کی اور غلام سے فرمایا کہ جس شخص نے یہ بھیجا ہے اسے میرا اسلام کہنا اور یہ انار واپس کر کے کہہ دینا کہ تمہارا ہدیہ پہنچ گیا۔ غلام نے کہا یا امیر المؤمنین! یہ تو آپ کے قریبی عزیز نے بھیجا ہے۔ اس کے رکھ لینے میں کیا مضائقہ ہے؟ آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو ہدیہ قبول فرمالیا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہدیہ تھا مگر ہمارے لئے رشوت ہے۔

فضائل اخلاق:

حضرت عمر بن عبد العزیز کے مجدّدانہ کارناموں کے بعد آپ کے فضائل اخلاق پر روشنی ڈالنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ در حقیقت یہ سب فضائل اخلاق ہی کے پرتو ہیں لیکن محض

اس خیال سے کہ خالص اخلاقی رُخ بھی سامنے آجائے، آپ کے فضائل ومحاسن کے کچھ واقعات اس میں درج کردیتے ہیں۔

خشیت الٰہی:

تمام فضائل اخلاق کا سرچشمہ خشیت الٰہی ہے، حکومت کا جاہ وجلال خدا سے غافل اور مواخذہ سے بے خوف بنادیتا ہے لیکن عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے دل کو اسی شئے نے خوف وخشیت سے لبریز کردیا تھا، آپ کا معمول تھا کہ عشاء کے وقت تنہائی میں بیٹھ کر رو رو کر دعائیں کرتے تھے اسی حالت میں آنکھ لگ جاتی، بیدار ہوتے تو پھر یہی مشغلہ جاری ہوجاتا اور ساری ساری رات اسی طرح گذر جاتی۔

(تاریخ اسلام شاہ معین الدین ندوی)

ذمہ داری کا احساس اور مواخذہ کا خوف

اس خشیت الٰہی کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ خلافت کی ذمہ داریوں اور امت کے حقوق کے خوف سے لرزہ براندام رہتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کی بیوی نے آپ کے شبینہ مشغلہ کو دیکھ کر اس کا سبب پوچھا آپ نے ٹالا مگر انہوں نے اصرار کیا کہ میں اس سے نصیحت حاصل کرنا چاہتی ہوں اس وقت آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے بارے میں غور کیا تو معلوم ہوا کہ میں اس امت کے چھوٹے بڑے اور سیاہ سفید جملہ امور کا ذمہ دار ہوں اس لئے جب میں بے کس، غریب محتاج فقیر، گم شدہ اور اس قبیل کے دوسرے آدمیوں کو یاد کرتا ہوں جو سارے ملک میں پھیلے ہوئے ہیں اور جن کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔ اور خدا ان کے بارے میں مجھ سے سوال کرے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مدعی ہوں گے۔ ایسی حالت میں اگر میں خدا کے سامنے کوئی عذر معقول اور دلیل نہ پیش کرسکا تو یہ احساس کرکے مجھ پر خوف طاری ہوجاتا ہے اور میری آنکھوں سے آنسو

جاری ہو جاتے ہیں اور جتنا میں ان چیزوں پر غور کرتا ہوں اتنا ہی میرا دل خوف زدہ ہو جاتا ہے۔

(سیرت عمر بن عبدالعزیز، ص ۱۸۸)

اپنے ایک فوجی افسر سلمان بن ابی بکریم کو ایک مرتبہ لکھا کہ خدا کی عظمت وخشیت کا سب سے زیادہ مستحق وہ بندہ ہے جس کو اس نے آزمائش میں ڈالا جس میں میں ہوں۔ خدا کے نزدیک مجھ سے زیادہ سخت عذاب دینے والا اور اگر اس کی نافرمانی کروں تو مجھ سے زیادہ ذلیل کوئی نہیں، میں اپنی حالت سے سخت دل گرفتہ ہوں، مجھے خوف ہے کہ میرے یہ حالات مجھے ہلاک نہ کر دیں۔ (طبقات ابن سعد)

تقویٰ وتورع:

آپ کے فضائل اخلاق میں سب سے نمایاں تقویٰ وتورع تھا یوں تو آپ کا تقویٰ ہر شعبہ زندگی میں نمایاں تھا لیکن مسلمانوں کے مال میں آپ نے اس کا جو نمونہ پیش کیا اس کی مثال سلاطین وفرمانراؤں کی تاریخ میں مشکل سے مل سکے گی۔ بیت المال سے معمولی سا فائدہ اٹھانا گوارا نہ تھا رات کو جب تک خلافت کا کام کرتے تھے اس وقت تک بیت المال کی شمع جلاتے تھے، اس کے بعد اس کو گل کر کے اپنا ذاتی چراغ جلواتے تھے۔

(تاریخ الخلفاء، طبقات ابن سعد)

ایک مرتبہ غلام کو گوشت کا ٹکڑا بھوننے کا حکم دیا وہ سرکاری مطبخ سے بھون لایا، آپ نے اسے ہاتھ نہ لگایا اور غلام سے فرمایا تم ہی کھالو، میری قسمت کا نہ تھا۔

(سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۲۷۳) (طبقات ابن سعد)

ایک مرتبہ بیت المال میں بہت سے سیب آئے۔ آپ انہیں مسلمانوں میں تقسیم فرما رہے تھے، اسی اثناء میں آپ کا چھوٹا بچہ آیا اور ایک سیب اٹھا کر کھانے لگا، آپ نے اس کے منہ سے چھین لیا وہ رونے لگا اور جا کر ماں سے شکایت کی۔ ماں نے بازار سے سیب

منگا دیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز گھر واپس آئے تو انہیں سیب کی خوشبو معلوم ہوئی تو آپ نے پوچھا اے فاطمہ! سرکاری سیب تو یہاں نہیں آیا انہوں نے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ آپ نے فرمایا: خدا کی قسم! میں نے اس کے منہ سے نہیں چھینا تھا بلکہ اپنے دل سے چھینا تھا، اس لئے کہ مجھے یہ پسند نہ تھا کہ میں مسلمانوں کے حصہ کے سیب کے بدلہ میں اپنے کو اللہ کے حضور برباد کروں۔ (سیرت عمر بن عبدالعزیز)

آپ کو لبنان کا شہد بہت مرغوب تھا، ایک مرتبہ اس کی خواہش ظاہر کی تو آپ کی بیوی فاطمہ نے لبنان کے حاکم ابن معدیکرب کو لکھ بھیجا، انہوں نے بہت سا شہد بھجوا دیا۔ فاطمہ نے اسے عمر بن عبدالعزیز کے سامنے پیش کیا، انہوں نے یہ دیکھ کر کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے ابن معدیکرب کے پاس کہلا بھیجا تھا؟ چنانچہ اس کو چکھا تک نہیں اور اس کو فروخت کروا کر اس کی قیمت بیت المال میں داخل کرا دی اور ابن معدیکرب کو لکھ بھیجا کہ تم نے فاطمہ کے کہلانے پر بھیجا ہے۔ خدا کی قسم اگر تم نے آئندہ ایسا کیا تو اپنے عہدے پر نہیں رہ سکتے اور میں تمہارے چہرہ پر نظر نہ ڈالوں گا۔

(سیرت عمر بن عبدالعزیز) (طبقات ابن سعد)

احتیاط کا آخری نمونہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ بیت المال کا مشک آپ کے سامنے لایا گیا آپ نے اپنی ناک بند کر لی تا کہ اس کی خوشبو آپ کی ناک میں نہ جانے پائے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ خوشبو سونگھنے میں کیا حرج ہے۔ فرمایا بیشک انتفاع یہی ہے کہ لوگ اس کی خوشبو سونگھتے ہیں۔ (سیرت عمر بن عبدالعزیز)

آپ نے اپنے دور خلافت میں تحفہ وہدیہ قبول نہیں کیئے۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے آپ کے پاس سیب اور دوسرے میوہ جات بھیجے آپ نے واپس کر دیا، بھیجنے والے نے آپ سے کہا کہ ہدیہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبول فرماتے تھے آپ نے جواب دیا لیکن ہمارے لئے ہمارے بعد والوں کے لئے وہ رشوت ہے۔ (سیرت عمر بن عبدالعزیز ص 14)

تواضع ومساوات:

بنی امیہ نے حاکم ومحکوم کی جوتفریق پیدا کردی تھی اس کو عمر بن عبدالعزیز نے بالکل مٹادیا تھا اور خود مساوات کا عملی نمونہ قائم کیا ملازمین تک کو تعظیم کے لئے اٹھنے کی ممانعت کردی اور خود ان کے برابر بیٹھتے تھے بلکہ ان کی خدمت میں تامل نہ کرتے تھے۔ایک مرتبہ پنکھا جھلتے جھلتے ایک خادمہ کی آنکھ لگ گئی۔آپ نے پنکھا لے کر خود اس کو جھلنا شروع کردیا تھا،جب خادمہ کی آنکھ کھلی تو یہ دیکھ کر بہت گھبرائی کہ اس کا آقا پنکھا جھل رہا ہے۔آپ نے فرمایا تم بھی تو میری ہی طرح انسان ہو،تم کو بھی گرمی لگتی ہوگی،جس طرح تم مجھے پنکھا جھل رہی تھیں میں نے بھی تم کو جھل دیا۔(شاہ معین الدین ندوی)

زہد ورع:

خلافت ملنے سے پہلے آپ کی زندگی عیش وتنعم کی تھی،اسکی تفصیل پچھلے باب میں درج کی ہے۔خلافت کے بعد سارے تکلفات سے کناہ کش ہوگئے۔لونڈی غلام فرش ولباس پردے جملہ عیش وتکلف کے سامانوں کو بیچ کر ان کی قیمت بیت المال میں داخل کرادی تھی،گذارے کے لئے سارے چار سو دینار سالانہ تھے بعض روایتوں میں ہے کہ آپ کچھ بھی نہ لیتے تھے۔

لباس:

ایک زمانہ میں چار سو کی قیمت کا کپڑا بھی جسم پر بار معلوم ہوتا تھا،ایک دن میں کئی جوڑے بدلتے تھے خلافت کے بعد جسم پر ایک جوڑا رہ گیا تھا اسی کو دھو کر پہنتے تھے۔

(ابن سعد)

یہ تھی اس جہانگیر اعظم کی داستان حیات کہ جو اسوۂ حسنیٰ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر پوری طرح منطبق تھی۔ آپ کی زندگی مسلمانوں کے لئے مشعل راہ ہے، اس لئے جمہور اسلام آپ کو پانچویں خلیفہ راشد کی حیثیت سے یاد کرتے ہیں۔ آپ کی پوری زندگی تعلیمات اسلامی سے مرصع ہے جو تعلیمات جہانگیری کی روح ہے۔

حضرت نورالدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ

یہ عالم اسلام کے وہ نامور سپوت ہیں کہ جنگی جہانگیریت، ان کے اخلاق اوران کے عظیم کارناموں سے پہچانی جاتی ہے جس کا اعتراف تمام مسلمان اورغیر مسلم تاریخ دانوں اور دانشوروں نے کیا ہے اوران کو کھلے دل سے خراج عقیدت پیش کیا ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اپنے وقت کے مسلم الثبوت جہانگیر تھے۔حضرت نورالدین زنگی جناب عمادالدین زنگیؒ کے صاحبزادے تھے۔اس زمانے میں جنگی وحشی صلیبیوں کے عالم اسلام پرتابڑتوڑ حملے ہورہے تھے۔مسلمانوں کوصفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے لاکھوں کی تعداد میں یورپ کے تمام ممالک سے متحدہ لشکر مسلمانوں پرحملہ آور ہوتے رہے۔یہ حملہ آور ظلم وبربریت میں انتہا کو پہنچے ہوئے تھے۔ جب یہ مسلمانوں کے شہروں میں داخل ہوتے تھے تو بوڑھے بچے عورتوں اورنوجوانوں سب کو تہہ تیغ کردیتے تھے اوران کے شہروں اورمکانوں کو آگ لگا کر کھنڈروں میں تبدیل کردیتے تھے۔

ایسے حالات میں جناب عمادالدین زنگیؒ اور جناب نورالدین زنگیؒ سیسہ پلائی دیوار کی طرح ان صلیبی حملہ آوروں کے مقابلہ میں ڈٹے رہے، جناب عمادالدینؒ کی شہادت کے بعد عالم اسلام کے ید بطل جلیل حضرت نورالدین زنگیؒ شیر ببر کی طرح مشرکین پر ٹوٹ پڑے اور چند ہزار مجاہدین کے ساتھ انہوں نے لاکھوں کی تعداد میں صلیبیوں سے مقابلہ کیا اور ان کو شکست فاش دے دی۔حضرت نورالدین زنگیؒ کی عمر کا بیشتر حصہ گھوڑے کی پیٹھ پر گذرا۔

اسی زمانے میں ایک ایسا حیرت انگیز واقعہ رونما ہوا جس سے عاشقانِ رسول کے دلوں کو تقویت ملتی ہے اور جناب نورالدین زنگیؒ کی عظمت کا پتہ چلتا ہے۔یہودیوں نے ایک مذموم اورناپاک سازش کی جس کے تحت وہ آقائے نامدار سرورِ کائنات جہانگیر اعظم کے جسدِ اطہر کو قبر

شریف سے نکال کر اس کی بے حرمتی کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ لہٰذا اس ناپاک ارادے کی تکمیل کے لئے انہوں نے تین یہودی مسلمانوں کے روپ میں مدینے بھیج دیئے۔ یہ لوگ مسجدِ نبوی کے بالکل قریب ایک کمرہ میں چلہ نشینوں کی صورت میں بظاہر عبادت وریاضت کرتے رہتے تھے۔ اور مسجد نبوی میں مسلمانوں کی طرح نماز بھی پڑھتے اور روزے رکھتے تھے اور اکثر قرآن شریف کی تلاوت کرتے رہتے تھے۔ مدینہ کے لوگ ان بزرگوں کی عبادت وریاضت سے متاثر تھے۔ یہ لوگ خاموشی سے اپنے کمرہ میں رہ کر آہستہ آہستہ ایک سرنگ کھود رہے تھے جس کا ایک سرا سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف تک جاتا تھا، کئی سال سے یہ نابکار لوگ یہ مذموم کام انجام دے رہے تھے۔

جب یہ لوگ اس ناپاک حرکت کی کامیابی کے قریب پہنچنے والے تھے تو حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں جناب نورالدین زنگی ؒ کو حکم دیا اور کہا کہ تین خبیث میری قبر تک پہنچنے کی کوشش کر رہے ہیں، تم جلد مدینہ آؤ اور ان کو پکڑ کر عبرت ناک سزا دو۔ تینوں خبیثوں کی شکل بھی آپ نے جناب نورالدین زنگی ؒ کو دکھا دی۔ جب جناب نورالدین زنگی ؒ نے حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو خواب سے بیدار ہو کر بہت روئے اور کہا یا رسول اللہ! یہ آپ کا مجھ پر کتنا بڑا کرم ہے کہ مجھ گنہگار کو آپ نے اس کام کے لئے یاد کیا، قسم ہے اس مالک عزوجل کی جب تک میں ان خبیثوں کو کیفر کردار تک نہ پہنچا لوں چین سے نہیں بیٹھوں گا اس وقت تک سونا اور آرام مجھ پر حرام ہے۔

چنانچہ جیسے ہی وہ بیدار ہوئے اس کے فوراً بعد آپ فوج کے ساتھ مدینہ کی طرف عازم سفر ہوئے اور دو تین دن میں آپ مدینہ تک پہنچ گئے۔ آپ نے بہت عقلمندی سے کام لیتے ہوئے مدینہ کے گورنر کو حکم دیا کہ سارے مدینے کے لوگوں کو دعوت پر بلواؤ۔ جب مدینہ کے تمام لوگ آ گئے تو آپ نے دیکھا کہ وہ تینوں خبیث ان لوگوں میں نہیں ہیں، تب آپ نے گورنر سے پوچھا

کہ سب لوگ آگئے ہیں کوئی بچا تو نہیں؟ گورنر نے عرض کیا: حضور تین بزرگ چلہ کر رہے ہیں مسجد نبوی سے متصل ایک کمرے میں، وہ لوگ کہیں نہیں جاتے، ہر وقت عبادت میں مصروف رہتے ہیں۔ حضرت نور الدین زنگیؒ نے گورنر کو حکم دیا کہ ہمیں ان کے پاس لے چلو ہم خود دیکھ لیتے ہیں۔ چنانچہ جب جناب نور الدین ان کے پاس پہنچے تو یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ یہ تو وہی خبیث لوگ ہیں کہ جن کو حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خواب میں دکھائے تھے۔

لکڑی کے ایک بڑے تختے پر فرش بچھا ہوا تھا جس پر یہ لوگ بیٹھے ہوئے عبادت وریاضت اور تسبیحات پڑھتے رہتے تھے۔ یہ لوگ اس وقت بھی تسبیح پڑھ رہے تھے۔ جناب نور الدینؒ نے سپاہیوں کو تختہ ہٹانے کا حکم دیا۔ جب تختہ ہٹایا گیا تو اس کے نیچے ایک سرنگ برآمد ہوئی۔ سرنگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے نزدیک پہنچ گئی تھی پس صرف ایک دو دن کی کھدائی باقی رہ گئی تھی۔

حضرت نور الدین زنگیؒ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور چہرہ پُر جلال کے آثار نمودار ہوئے۔ آپ نے فوراً تلوار کے وار کر کے تینوں خبیثوں کے سر اڑا دیئے اور ان کو جہنم واصل کیا۔ پھر مسجد نبوی میں دو رکعت نماز شکرانہ پڑھی۔ پھر آپ نے اپنی موجودگی میں کئی دن وہاں قیام کر کے روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کافی گہرائی تک چاروں طرف سے سیسہ کی نہایت موٹی اور مضبوط دیوار بنوادی۔ ایک روایت کے مطابق اس واقعہ کے بعد جناب نور الدین زنگیؒ کو اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی طاقت عطا کر دی کہ آپ نے مشرکین کو ہر میدان میں شکست فاش دی، کبھی آپ مغلوب نہیں ہوئے۔ ۵۵۹ھ میں عالم اسلام کا یہ غازی ایک مختصر سی علالت کے بعد اپنے رب کے روبرو حاضر ہو گیا اور آپ نے اس جہان فانی سے پردہ فرمالیا۔ دمشق کے قلعہ میں آپ کا مزار پر انوار لوگوں کے لئے مرجع خلائق ہے۔

جہانگیر اعظم کے اوصاف وکمالات

جناب نور الدینؒ اوصاف وکمالات کے وہ جہانگیر تھے جنہوں نے اخلاقی کارناموں کے ساتھ اہم مذہبی کارنامے بھی انجام دیئے جس کے لئے ایک مستقل کتاب چاہئے۔ صلیبی جہاد ان کے مختلف النوع کارناموں کا ایک رخ ہے۔ انہوں نے اسلامی حکومت کا جو نمونہ پیش کیا اس کی مثال خلفاء راشدین کے سوا تاریخ اسلام میں مشکل سے مل سکتی ہے۔ اس کی تفصیل بہت طویل ہے اس لئے مشہور مؤرخ ابن اثیر کے بیان پر جن کی حیثیت جناب نور الدین زنگیؒ کے حالات میں عینی شاہد ہے جو ان کے نوجوانی میں ہم عصر تھے، پر انحصار کرتے ہیں، ابن اثیر تاریخ کامل میں لکھتے ہیں:

''میں نے اسلامی عہد کے پہلے فرمانرواؤں سے لے کر اس وقت تک کے تمام بادشاہوں کی تاریخ کا مطالعہ کیا مگر خلفاء راشدین اور حضرت عمر بن عبد العزیز کے سوا جناب نور الدین زنگیؒ سے زیادہ بہتر فرمانروا میری نظر سے نہیں گذرا۔ انہوں نے عدل وانصاف کی اشاعت، جہاد اور ظلم وجور کے استیصال، عبادت وریاضت، احسان وکرم کو زندگی کا مقصد بنالیا تھا اور انہی کاموں میں آپ کے دن رات بسر ہوتے تھے۔ اگر پوری مسلمان قوم میں بھی ان کے اور ان کے باپ جناب عماد الدین جیسے دو فرمانروا گذرے ہوتے تو بھی اس قوم کو فخر کے لیے کافی تھا کیونکہ ایک ہی گھرانے میں خدا نے دو فرمانروا پیدا کردیئے۔ ان کے عدل وانصاف کی مثال حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبد العزیز کے علاوہ اور کہیں نہیں ملتی۔

آپ نے ممالک محروسہ میں جس قدر ناجائز ٹیکس تھے وہ سب موقوف کردیئے۔ مصر میں سو دینار چالیس درہم ٹیکس لیا جاتا تھا آپ نے اسے ایک قلم موقوف کردیا۔ آپ کے علاوہ دوسرا فرمانروا مشکل سے اتنی بڑی آمدنی سے دستبردار ہوتا۔

آپ کے انصاف کی مثال آپ کی جہانگیریت کا منہ بولتا ثبوت ہے، ایک دفعہ ایک

آدمی نے زمین وجائیداد کے بارے میں آپ پر قاضی کی عدالت میں مقدمہ کردیا۔ عدالت کا بیلف حاضر عدالت کا حکم نامہ لے کر اس وقت آپ کے پاس آیا جب آپ چوگان کھیل رہے تھے (یہ گھڑسوار کی مشق ہے) آپ نے اسی وقت کھیل موقوف کردیا اور بیلف کے ساتھ قاضی کی عدالت میں حاضر ہوئے۔ قاضی کے کارندوں نے آپ کے ساتھ امتیازی سلوک کرنا چاہا آپ نے منع کردیا اوران سے کہا کہ اس وقت میں مدعا علیہ کی حیثیت سے یہاں آیا ہوں میرے ساتھ امتیازی سلوک نہ کیا جائے۔ قاضی نے آپ کو مدعی کے برابر بٹھا کر فریقین کے بیانات اور شہادتیں سنیں۔ تحقیقات سے ثابت یہ ہوا کہ یہ جائیداد جناب نورالدین زنگیؒ کی ہے۔ اس لئے قاضی نے آپ کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ اس فیصلہ کے فوراً بعد جناب نورالدینؒ نے وہ جائیداد اپنی طرف سے مدعی کو ہبہ کردی اور حاضرین عدالت سے مخاطب ہوکر کہا کہ مجھے معلوم تھا کہ مدعی کا دعویٰ غلط ہے لیکن صرف اس لئے عدالت میں حاضر ہوگیا تھا کہ یہ خیال نہ کیا جائے کہ میں نے اس پر ظلم کیا ہے۔ اب جبکہ عدالت میں میرا حق ثابت ہوگیا تو میں نے اس جائیداد کو مدعی کو ہبہ کردیا۔

آپ کے زمانے میں آپ کے عدل وانصاف کی شہرت عام تھی، دنیا کے مختلف ممالک سے لوگ آپ سے ملنے اور دیکھنے کے لئے آتے تھے۔ دنیا کے مسلمان اور غیر مسلم تاریخ دان اور دانشور آپ کو متفقہ طور پر جہانگیر عادل مانتے تھے۔ اس سلسلے میں یہ سبق آموز واقعہ ابن اثیر نے تاریخ الکامل میں لکھا ہے کہ جناب نورالدین زنگیؒ کے زمانے میں ان کے عدل وانصاف اور ملک کے امن وامان کی وجہ سے دوسرے مقامات کے بہت سے لوگ آکر ان کی حکومت میں آباد ہوگئے تھے۔

جناب نورالدینؒ کے وصال کے بعد جناب صلاح الدین ایوبیؒ کے دورِ حکومت میں کسی فوجی نے ایک شخص پر کچھ زیادتی کی، مظلوم نے جناب صلاح الدینؒ سے فریاد کی لیکن خاطر

خواہ شنوائی نہ ہو سکی، وہ شخص مایوس ہو کر روتا پیٹتا ہوا جناب نور الدینؒ کے مزار پر پہنچا اور یہ کہتا جاتا تھا کہ نور الدینؒ آج تمہارا عدل وانصاف کہاں ہے۔ جس ظلم کا ہم شکار ہیں اگر دیکھ سکتے ہو تو تم کو ہماری حالت پر رحم آ جاتا۔

لوگوں کا ایک جم غفیر اس کے ساتھ ہو گیا اتفاق سے جناب صلاح الدین ایوبی کہیں قریب ہی تشریف رکھتے تھے۔ آپ نے اس شخص کو اپنے پاس بلوالیا اور اسی وقت اس کی شکایت رفع کر دی۔ وہ شخص یہ دیکھ کر زاروقطار رونے لگا۔ جناب صلاح الدین ایوبیؒ نے اس سے پوچھا کہ اب تم کیوں رو رہے ہو؟ اس نے کہا کہ اس بادشاہ کو یاد کر کے روتا ہوں جس کی موت کے بعد بھی اس کی عدالت قائم ہے۔ اور اس کے عدل وانصاف کا فیض جاری ہے۔ جناب صلاح الدینؒ نے کہا: سچ کہتے ہو ہم میں جو کچھ عدل وانصاف ہے تو اسی کے فیض کا نتیجہ ہے۔

بیت المال کی حفاظت میں ان کا اہتمام عہد فاروقی کا نمونہ تھا۔ ایسی عظیم الشان سلطنت اور اس کے وسیع ذرائع۔ دولت اور بیشمار آمدنی میں سے اپنے لئے اسی قدر لیتے تھے کہ جتنی از روئے شریعت علماء نے اس کی ان کو اجازت دی تھی۔ اس سے ایک حبہ بھی زیادہ نہیں لیتے تھے۔ اور اسی محدود آمدنی میں اپنے اخراجات پورے کرتے تھے۔ اس کے علاوہ ان کی تھوڑی سی ملکیت تھی جو آپ نے پیسے سے خریدی تھی لیکن اتنی محدو آمدنی تھی کہ اس سے اخراجات پورے نہ ہوتے تھے۔

ایک مرتبہ جناب نور الدینؒ کی بیوی نے کہلا بھیجا کہ جو آپ کے گھر کے مصارف کی رقم دیتے ہیں وہ کافی نہیں ہے اسمیں کچھ اضافہ کیا جائے، یہ سن کر آپ کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا اور جواب میں کہلایا کہ اس سے زیادہ اور کہاں سے لاؤں؟ اگر وہ یہ سمجھتی ہیں کہ میرے پاس جو مال ہے وہ میرا ہے تو یہ غلط ہے۔ یہ تو مسلمانوں کا مال ہے اور ان ہی کے مصالح اور مصارف کے لئے ہے میں تو صرف اس کا خزانچی اور امین ہوں اس میں خیانت نہیں کر سکتا۔

اگر میں خیانت کروں گا تو جہنم کا ایندھن بنوں گا۔ پھر آپ نے اپنی ذاتی ملک میں سے دکانیں بیوی کو دے دیں۔

سارے ممالک محروسہ میں شراب نوشی اور شراب کی تجارت قانوناً روک دی اور اس کی درآمد و برآمد پر پابندی لگا دی۔ شرابیوں پر خواہ وہ کسی درجہ و رتبہ کا ہو شرعی حد جاری کرتے تھے۔

علماء، فقہاء، مشائخ وصوفیہ کی بڑی عزت وتکریم کرتے تھے، جب کوئی شیخ آپ کے پاس آتا تو آپ کھڑے ہو کر ان کی تعظیم کرتے اور معانقہ کر کے اپنے ساتھ ان کو مسند پر بٹھاتے تھے اور پوری توجہ کے ساتھ ان کی باتیں سنتے تھے۔ پھر ان کی خوب خدمت کرتے اور چلتے وقت ان کو تحائف دے کر رخصت کرتے تھے۔

دیندار علماء کی اتنی توقیر کرتے تھے کہ جس کو دیکھ کر اکثر دربار کے بڑے بڑے امراء وزراء رشک کرنے لگتے تھے، بعض دفعہ وہ حد سے زیادہ بڑھ جاتے تھے اور علماء کی بُرائیاں کرنے لگتے تو آپ ان کو جواب دیتے کہ اگر تمہاری تمام باتیں مان لی جائیں پھر بھی شیخ کے پاس ایسی خوبی ہے کہ جس سے ان کی تمام لغزشیں معاف ہو جائیں گی اور وہ خوبی علم دین ہے اور تم اور تمہارے ساتھی بھی اس سے کہیں زیادہ برائیوں میں مبتلا ہیں۔ اگر تم لوگوں میں عقل وشعور ہوتا تو تم کو خود اپنے عیبوں سے اتنی فرصت نہ ملتی کہ دوسروں کے عیوب پر نگاہ ڈالتے ایسی حالت میں جبکہ تم لوگوں میں کوئی ایسی خوبی نہیں ہے۔

ایک انگریز مؤرخ ولیم صوری کا بیان آپ کے جہانگیر ہونے کے اعتراف میں:

"گو ہم میں اور نور الدین میں قوم ومذہب کا اختلاف تھا مگر نور الدینؒ ایک عادل بادشاہ تھے، دانشمند اور پکے دیندار تھے، گو عیسائیوں پر بہت زیادہ سخت تھے مگر عدل وہ صفت تھی جس کی قدر وقیمت ان کے دل میں خدا کے بعد تھی۔ ان کی رعایا میں سے اگر کوئی شخص انہیں قاضی کی عدالت میں طلب

کراتا تو وہ حاضر ہو جاتے اور قاضی سے اصرار کرتے کہ ان کے اعلیٰ مرتبہ کے خیال میں کوئی رعایت ان کے ساتھ نہ کی جائے۔ چنگی اور عشر دونوں محصول اپنی قلمرو میں یکسر بند کر دیئے، سادگی اور کفایت شعاری کے ساتھ اپنی ذاتی آمدنی پر بسر اوقات کرتے تھے، بیت المال کے روپیہ کو ہاتھ نہ لگاتے، ایک مرتبہ ان کی بیوی نے افلاس کی شکایت کی اور نور الدینؒ نے حمص کی اپنی تین دکانیں جن کی سالانہ آمدنی بیس اشرفی تھی انہیں ہبہ کرنی چاہی تو بیوی نے قبول نہ کیا تو بگڑ کر بیوی سے کہنے لگے کہ میرے پاس اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے، باقی جو کچھ ہے وہ میرا نہیں ہے بلکہ رعایا کی امانت ہے اور اسی امانت کا خیال کر کے انہوں نے اہل شہر کی حفاظت کے لئے قلعے تعمیر کرائے۔ مدارس اور دار العلوم، خانقاہیں، شفاخانے، یتیم خانے، کارواں سرائے رعایا کی جسمانی و روحانی اصلاح کے لئے بنوائیں۔ علماء و مشائخین کی صحبت میں جو لطف ان کو حاصل ہوتا تھا وہ کسی اور کو نہ تھا۔ دین کے جملہ احکام کے جیسے وہ پابند تھے دوسرا نہ تھا۔ ان کی سنجیدگی و متانت، آنکھوں کا پُرسکون عالم، بارعب پیشانی اور گندم گوں رنگ میں ایک گھلاوٹ پیدا کرتا تھا۔ چہرہ بے ریش تھا (داڑھی نہیں آئی) اس میں سچے مشرقی انسان کا انداز خودداری، صدق وصفا پایا جاتا تھا، جہاں کہیں وہ ہوتے خاموشی وسکوت طاری رہتا تھا۔

(صلاح الدین لین پول صفحہ ۱۱۴ ترجمہ اردو)

حضرت سلطان صلاح الدین ایوبی ؒ

جناب سلطان صلاح الدین ایوبی ؒ کا شمار مشرق وسطیٰ وبلاد مغرب کے ان جہانگیروں میں ہوتا ہے جن کی عظمت کے صرف مسلمان ہی قائل نہیں بلکہ مختلف مذاہب کے لوگ اوران کے دشمن بھی ان کی جہانگیریت کوسلام پیش کرتے ہیں۔عالم اسلام کے اس بطل جلیل نے ایسے زمانے میں ہوش سنبھالا جبکہ عالم اسلام پر فرنگی کروسیڈ کے تابڑتوڑ حملے ہورہے تھے۔

آپ کے والد جناب نجم الدین ایوب حضرت نورالدین زنگی ؒ کے ایک قابل اعتماد جرنیل تھے۔آپ اپنے والد کے ساتھ نوجوانی سے ہی تمام جنگوں میں حصہ لیتے رہے۔جناب نورالدین ؒ کی صحبت اورتربیت میں رہتے ہوئے جناب صلاح الدین ایوبی میں وہ کمالات پیدا ہو گئے کہ جنہوں نے آگے چل کران کوصلاح الدین دی گریٹ بنادیا۔

عالم اسلام کے خلاف پورے یورپ نے متحد ہوکرلشکرکشی کی جس میں ان کے بڑے بڑے بادشاہ اورنوابین شامل تھے۔لاکھوں کی تعداد میں یہ جنونی اوروحشی کروسیڈ ساحل شام اور فلسطین اورمصر کے ساحلی علاقوں میں جمع ہوتے رہے۔

تین سال سے زیادہ عرصہ تک جنگیں ہوتی رہیں جناب صلاح الدین ایوبی نے ان کا بہادری اور پامردی کے ساتھ سینہ سپر ہوکر مقابلہ کیااورتمام عالم اسلام کوان کے دست وبرد سے محفوظ رکھا۔ان حملہ آوروں کے بہت ناپاک عزائم تھے،یہ خانہ کعبہ کومسمار کرنے اور حضورسرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ کا نام ونشان مٹانے کا ارادہ لے کرآئے تھے۔جناب صلاح الدین ایوبی ؒ نے ہرمرتبہ ان کوذلت آمیز شکست دی اورقبلہ اول کوبھی ان کے ناپاک عزائم سے محفوظ رکھا۔

آخر کار تین سال کی جنگ جو تین بڑے کروسیڈ پر مشتمل تھی ختم ہوئی۔ فرنگیوں کے سپہ سالار رچرڈ نے صلح کی پیش کش کی اپیل کی جو جناب صلاح الدین نے عیسائیوں کی بدعہدی کی وجہ سے مسترد کر دی، تین سال کے عرصہ میں سو سے زیادہ لڑائیاں ہوئیں۔ مشہور انگریز مؤرخ مچاڈ کے قول کے مطابق جناب صلاح الدین نے ان تمام جنگوں کا بڑی شجاعت اور پامردی کے ساتھ یورپ کی متحدہ افواج اور حکومتوں کا مقابلہ کیا۔

متحدہ یورپ کا سپہ سالار رچرڈ جو خود ایک بہادر بادشاہ تھا جب اس نے دیکھا کہ ان تمام جنگوں میں لاکھوں بہادر سپاہی کونٹ اور بہادر نائٹ مارے گئے۔ بہت سے بادشاہ ونوابین بھی مر گئے اور یورپ کی اتحادی فوج تباہ و برباد ہو گئی اور حاصل کچھ نہ ہوا تب رچرڈ نے عاجزانہ طور پر صلح کی اپیل کی جو جناب صلاح الدین ایوبیؒ نے منظور کر لی، اسکے مطابق عیسائیوں اور یہودیوں کو بیت المقدس میں اپنے دینی ارکان ادا کرنے اور زیارت کرنے کی اجازت دے دی گئی۔

جب جناب صلاح الدینؒ نے بیت المقدس پر قبضہ کیا تھا تو وہاں کے لوگوں کو معمولی زرِ فدیہ کی ادائیگی کے بعد جانے کی اجازت دے دی تھی اور سب کو ان کے مال و متاع کے ساتھ بیت المقدس چھوڑنے کی اجازت دے دی۔ جو لوگ غریب و نادار تھے ان کا زرِ فدیہ سلطان نے اپنی جیب سے ادا کیا اور جو لوگ یہاں رہنے کی خواہش رکھتے تھے ان کو شہر میں امن و امان کے ساتھ رہنے کی اجازت دے دی۔

سلطان صلاح الدین ایوبی بہت اعلیٰ ظرف جہانگیر تھے۔ آپ کی اعلیٰ ظرفی کی بیشمار مثالیں ہیں۔ ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہیں جس سے انکی عظمت کا پتہ چلتا ہے۔ جب بیت المقدس سے لوگ جا رہے تھے تو بہت سی عورتیں سلطان کے پاس آئیں جو زار و قطار رو رہی تھیں۔ انہوں نے کہا "اے سلطان ہمارے بہت سے عزیز و اقارب جنگ کے دوران ہلاک ہو گئے اور ہمارے شوہر تمہاری قید میں ہیں ان کے بغیر ہم یہاں سے جا کر کیا کریں گے؟" یہ سن کر سلطان کی آنکھیں

آبدیدہ ہوگئیں اور آپ نے ان کے شوہروں کو باعزت رہا کر دیا۔ اور مال ومتاع سے ان کی مدد بھی کی، وہ عورتیں سلطان کو دل سے دعائیں دینے لگیں۔

حجاز مقدس پر والی کرک ریجی نالڈ کا حملہ:

ریجنالڈ عیسائی بادشاہوں میں سب سے زیادہ فتنہ پرور اور فریب کار تھا یہ مسلمانوں کا بدترین دشمن تھا۔ شر اور فساد اس کی فطرت میں داخل تھا۔ زیادہ تر یہی صلیبیوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتا رہتا تھا، عیسائی مورخ لین پول نے اس کو مکار اور قزاق کے لقب سے یاد کیا ہے، عہد و پیمان کی اس کی نگاہ میں کوئی وقعت نہیں تھی، معاہدوں کے توڑنے میں اس کو خاص شہرت تھی، اس کو اس بات میں خاص مسرت ہوتی تھی کہ عافیت پسند مسلمان تاجروں کے کاروانوں اور غریب حاجیوں کے قافلوں کو جو مکہ یا مصر سے آتے تھے لوٹ لیتا تھا۔ (صلاح الدین، لین پول)

مشہور عیسائی مورخ لین پول لکھتے ہیں کہ جزیرہ نما عرب پر ریجنالڈ نے فوج کشی کا قصد کیا تا کہ مدینہ طیبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار شریف اور مکہ میں خانہ کعبہ کو مسمار کر دے۔ اس نے اس مذموم مقصد کے لئے ایسے بحری جہاز بنوانے جن کے ٹکڑے ہو سکتے تھے پھر بعد میں وہ دوبارہ جوڑے جا سکتے تھے۔ وہ ان جہاز کے ٹکڑوں کو کرک سے خلیج عقبہ کے ساحل پر لے گیا اور انہیں جوڑ کر جہازوں کا ایک بحری بیڑا تیار کیا اور ساحلی شہر عیذاب جہاں سے مدینہ منورہ قریب پڑتا تھا اس کو لوٹنے کے لئے چلا، یہاں سمندر بہت تنگ ہے اس نے کچھ جہازوں کو سمندر میں اس طرح سے کھڑا کر دیا کہ بندرگاہ ایلہ کا راستہ بند ہو گیا۔ جب سلطان کے امیر البحر ابولولؤ کو ان کے عزائم کا پتہ چلا تو وہ برق رفتاری کے ساتھ ریجنالڈ کی فوج پر حملہ آور ہوا۔ مسلمانوں کے خوف سے عیسائی فوج جان بچانے کے لئے پہاڑوں پر چڑھ گئی لیکن اس بہادر جرنیل نے ان کو پہاڑوں سے اتار کر ریجنالڈ کی تمام فوج کو ختم کر دیا جو لوگ باقی بچے وہ بھاگ

گئے اس طرح ریجنالڈ اپنے ناپاک عزائم میں بری طرح سے ناکام ہوگیا اور ارضِ مقدس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے شر سے محفوظ رکھا۔

ریجنالڈ مسلمانوں کو بے دریغ قتل کر دیتا تھا اور قتل کرتے وقت حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتا تھا اور ان سے کہتا تھا: ہاں! اب تم اپنے رسول کو آواز دو وہ آ کر تم کو بچائے۔ اس کی یہ بکواس جناب صلاح الدین ایوبیؒ کے کانوں تک پہنچ گئی، انہوں نے قسم کھائی کہ میں اس نابکار کو اپنے ہاتھوں سے کیفر کردار تک پہنچاؤں گا۔ آخر کار ایک جنگ میں عیسائیوں کو شکست ہوئی اور ان کے کئی بادشاہ گرفتار ہو گئے جن میں یہ شیطان ریجنالڈ بھی تھا۔

جنگ کے خاتمہ کے بعد تمام معزز قیدی سلطان کے سامنے پیش کیے گئے جن میں نابکار ریجنالڈ اور یروشلم کا بادشاہ گائی اور بہت سے معزز نوابین شامل تھے۔ سلطان ریجنالڈ جس کو انہوں نے اپنے ہاتھ سے قتل کرنے کی قسم کھائی ہوئی تھی، اس کو قتل کرنے سے پہلے اس سے کہا کہ اے ریجنالڈ! گو میں تجھ کو قتل کرنے کا عہد کر چکا ہوں پھر بھی اسلامی تعلیمات کے موافق پہلے میں تجھ کو توبہ کرنے اور مسلمان ہونے کی دعوت دیتا ہوں، کیا تو مسلمان ہونا پسند کرے گا؟ اور تو مسلمان ہونے کے بعد محفوظ و مامون ہو جائے گا۔ لیکن ریجنالڈ نے مسلمان ہونے سے انکار کر دیا پھر جناب صلاح الدینؒ نے اس کو قتل کر دیا اور اپنی قسم پوری کی۔

اسلامی تعلیمات کا یہ خاصہ ہے کہ جس دشمن کو یہ امان دیتے ہیں پھر اس کو قتل نہیں کرتے۔ جب مسلمان حملہ آور کسی شہر کو مغلوب کر کے اس پر اپنا قبضہ کرتے تھے تو بوڑھے بچے عورتیں اور وہاں کے تمام پر امن شہریوں کو امان دیتے تھے۔ ان کی جان و مال مسلمان فوجیوں کے لئے حرام ہوتی تھیں۔ اپنے دشمن سے بھی اچھا سلوک کرتے تھے۔ قیدیوں کو آرام و سہولت دیتے تھے۔ اور ان کے کھانے کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ یہ اسلامی تعلیمات کی وہ سنہری خوبیاں ہیں کہ جن کو دیکھ کر غیر مسلم کثیر تعداد میں مسلمان ہو جاتے تھے۔ جناب صلاح الدین ایوبیؒ ایک

ایسے جہانگیر تھے کہ جن میں یہ تمام خوبیاں بدرجہ اتم موجود تھیں۔

جہانگیر اعظم کا وصال

کئی سال سے سلطان کی صحت بگڑ رہی تھی لیکن مسلسل صلیبی جنگوں کی وجہ سے آرام وسکون نہیں ملتا تھا۔ گذشتہ پانچ سال سے یہ جنگیں جاری تھیں۔ ان دنوں میں زیادہ تر وقت گھوڑے کی پیٹھ پر گذرتا تھا۔ تیسری صلیبی جنگ کے بعد جب سلطان نے مکمل فتح پائی تو ان کی صحت زیادہ خراب رہنے لگی۔ بیماری کی وجہ سے رمضان کے بہت سے روزے قضاء ہو گئے تھے۔ دمشق کے آنے کے بعد آپ نے قضاء روزے رکھنے شروع کر دیئے اس میں آپ کی حالت زیادہ خراب رہنے لگی۔ طبیبوں نے آپ کو روزے رکھنے سے منع کیا لیکن سلطان نے جواب دیا کہ ''معلوم نہیں آئندہ کیا پیش آئے'' اس طرح تمام قضاء روزے آپ نے پورے کیے۔ ۵۸۹ ہجری میں آپ پھر زیادہ بیمار پڑ گئے اور معمولی بخار سے بیماری شروع ہوئی پھر غشی کے دورے پڑنے لگے۔ کبھی کبھی ہوش آتا تھا۔ ایک دن شیخ ابو جعفر آپ کے سرہانے بیٹھے ہوئے تھے اور قرآن شریف کی تلاوت کر رہے تھے۔

جب اس آیت:

''هُوَ اللّٰهُ الَّذِی لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ (ج)''

پر پہنچے تو آپ نے آنکھ کھول دی اور آپ کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے: ''سچ ہے'' پھر لبوں پر تبسّم اور چہرے پر بشاشت طاری ہوگئی اس کے بعد آپ نے ہمیشہ کے لئے آنکھیں بند کرلیں۔ خطیب مسجد دمشق نے آپ کو غسل دیا اور نماز جنازہ کے بعد آپ کو مسجد سے ملحق ایک کمرہ میں دفن کر دیا گیا۔ آج کل مزار شریف مرجع خلائق ہے۔ لوگ آپ کے مزار شریف پر جوق در جوق آتے ہیں اور ہر وقت قرآن شریف کی تلاوت کرتے رہتے ہیں۔

حضرت غازی صلاح الدینؒ وصال کر گئے اور درجہ صدیق پر فائز ہو گئے۔ آپ کی موت تنہا صلاح الدین یوسف کی موت نہیں تھی بلکہ اس مجاہد جلیل کی موت تھی جس کی تلوار ساری عمر راہِ خدا میں بے نیام رہی اور جس نے تن من دھن اور اپنی ساری کائنات راہِ خدا میں لٹا دی اور اسلام کی حمیّت میں تنہا متحدہ عیسائی دنیا کا مقابلہ کرتے رہے اور مرتے مرتے اسلام کے علم کو سر بلند رکھا اس لئے ان کی موت سے سارے دنیائے اسلام میں صف ماتم بچھ گئی۔ کوئی دل ایسا نہ تھا جو ان کے غم میں محزن اور کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو ان کے ماتم میں اشک بار نہ رہی ہو۔

آپ کے وصال کے سلسلہ میں یہ سبق آموز واقعہ ہے کہ جو قابل ذکر ہے۔ اس جلیل القدر جہانگیر نے جس کی سلطنت مشرقِ وسطیٰ سے لے کر افریقہ کے کئی ممالک تک پھیلی ہوئی تھی اور جس نے اپنی زندگی میں بیشمار دولت راہِ خدا میں اور لوگوں کی فلاح و بہبود میں خرچ کی لیکن وصال کے وقت ان کی ملک میں ایک دینار اور چالیس درہم کے علاوہ کسی قسم کی کوئی املاک نہ چھوڑی۔ اتنا بھی نہ تھا کہ ان کی تجہیز و تکفین کے معارف پورے ہو سکتے۔ قاضی فاضل نے حلال وطیب مال سے تجہیز و تکفین کا انتظام کیا۔

یہ تھا اس مجاہدِ اعظم کی زندگی کا خلاصہ جو تعلیماتِ اسلامی کی ایک زرین اور لازوال مثال ہے۔ تمام دنیا کے مؤرخین اور دانشور اس جہانگیر اعظم کو "صلاح الدین ایوبی دی گریٹ" کے نام سے یاد کرتے ہیں اور مسلمان مؤرخین کے علاوہ غیر مسلم مؤرخین بھی اس جہانگیر اعظم کی عظمت کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔

امام اعظم حضرت ابوحنیفہ رحمہ اللہ

دین کے مجتہد فقہ اسلامی کے امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ جن کا اسم مبارک نعمان بن ثابت ہے آپ وہ جہانگیر اعظم ہیں کہ جن کی فقہ دنیا میں فقہ حنفیہ کے نام سے مشہور ہے۔ مسلمانوں کی اکثریت اسی فقہ کے مطابق اپنی روزمرہ کے معمولات زندگی گذارتے ہیں۔ عبادت ریاضت شادی بیاہ اور معاشرتی زندگی کے لئے اسی فقہ پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کے لئے آپ کا یہ بہت بڑا کارنامہ ہے ۸۰ھ ہجری میں آپ عراق کے شہر کوفہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد صاحب حضرت ثابت جب پیدا ہوئے تھے تو ان کے والد زوطی اپنے بیٹے کو لے کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے بچہ کے لئے دُعا کے طالب ہوئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بچے کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ان کے لئے اور ان کی آل کے لئے دعا کی۔ جب حضرت ثابتؒ کی دعاؤں کے طفیل آپ کو بیٹا عطا کیا جس کا نام آپ نے نعمان رکھا۔ آپ کی کنیت ابوحنیفہ تھی جسے دنیا میں اتنی شہرت حاصل ہوئی کہ اکثر لوگ آپ کا حقیقی نام بھول گئے اور آپ دنیا میں امام ابوحنیفہ کے نام سے مشہور ہوئے۔

حضرت امام ابوحنیفہ کے بچپن کا زمانہ فتنوں سے لبریز تھا۔ ہر طرف ظلم و ناانصافی کی حکومت تھی۔ بندگانِ خدا کے حقوق پامال ہو رہے تھے۔ اور حکمرانوں کو اپنی ذات کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ خلیفہ بنوامیہ عبدالملک بن مروان کا زمانہ تھا۔ اس نے حجاج بن یوسف جیسے ظالم وجابر شخص کو عراق کا حاکم مقرر کیا تھا۔ اس ظالم وجابر شخص نے انسانی حدود سے نکل کر سفاکی او ربربریت کے وہ مظاہرے کئے تھے کہ ان کے آگے درندوں کی خون آشامی ہیچ تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے اس دور گمراہی پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ”اگر دوسرے تمام

پیغمبروں کی امتیں مل کر اپنے اپنے زمانے کے بدکاروں کو پیش کریں اور ہم صرف حجاج کو مقابلے میں لائیں تو خدا کی قسم ہمارا پلّہ بھاری رہے گا۔"

عباسی خلیفہ منصور نے آپ کو جبری طور پر عہدۂ قضا پر فائز کرنے کا حکم دیا آپ نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا کہ میں اپنے ناتواں جسم پر اس بارِ گراں کو اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا۔ خلیفہ منصور غضبناک ہوگیا اور کہنے لگا کہ تم جھوٹ بولتے ہو۔ آپ نے کہا اے خلیفہ! اگر میں جھوٹا ہوں تو پھر ایک جھوٹا شخص کس طرح قاضی ہوسکتا ہے۔ خلیفہ منصور آپ کی منطق کے سامنے لاجواب ہوگیا۔ آپ نے اپنے عذر کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: "میں نسلی اعتبار سے عجمی ہوں اس لئے اہل عرب کو میری حکومت ناگوار گذرے گی سلطنت کی رسموں کے مطابق مجھے درباریوں کی تعظیم کرنی پڑے گی اور یہ میرے بس میں نہیں ہے۔"

خلیفہ کسی صورت میں آپ کے عذر کو نہ مانا اور شدّتِ غیض میں اس نے آپ کی گرفتاری کا حکم دے دیا۔ چنانچہ آپ کو پابہ جولاں زنداں میں ڈال دیا گیا۔ جب اس کا دل چاہتا تو زنداں سے نکال کر مذہبی اور فلسفیانہ بحثیں کرتا رہتا تھا۔ اس کا یہی معمول رہا اور آخر کار کچھ مدت بعد آپ کو قید سے رہا کر دیا گیا۔

آپ اس قدر صادق القول اور بے باک تھے کہ اظہارِ حقیقت کے سلسلے میں کسی کے دباؤ کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ یہ آپ کی گرفتاری سے پہلے کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ خلیفہ منصور اور اس کی بیوی حرہ خاتون میں گفتگو کے دوران تلخی پیدا ہوگئی، اسے شکایت تھی کہ خلیفہ انصاف نہیں کرتا۔ منصور نے اس بات کا فیصلہ کرنے کے لئے ایک مصنف کی تجویز پیش کی۔ حرہ خاتون نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا نام لیا، منصور نے اسی وقت آپ کو دربار میں طلب کرلیا۔ حرہ خاتون نے اپنی نشست پردے کے قریب رکھی تا کہ اپنے کانوں سے امام اعظم کا فیصلہ سن سکے۔ منصور نے امام اعظم سے سوال کیا کہ شرع کے مطابق ایک مرد کتنے نکاح کر سکتا ہے؟ امام اعظم نے مختصر

جواب دیا ''چار'' آپ کا جواب سن کر منصور اپنی بیوی سے مخاطب ہوا۔ سنتی ہو امام کیا کہہ رہے ہیں۔ حرہ خاتون نے آہستہ سے اقرار کیا۔ جب منصور خاموش ہو گیا یعنی اس کے نزدیک مسئلہ ختم ہو گیا پھر امام اعظم نے باوقار آواز کے ساتھ فرمایا۔ ''بیشک اسلام چار نکاح جائز قرار دیتا ہے مگر یہ اجازت اسی شخص کے لئے مخصوص ہے جو عدل وانصاف پر قدرت رکھتا ہو ورنہ ایک سے زیادہ شادیاں مناسب نہیں۔ پھر بھی کوئی ایسا کرتا ہے تو پھر گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔''

یہ واضح جواب سن کر منصور خاموش ہو گیا اور آپ اجازت طلب کر کے گھر تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد حرہ خاتون کا ایک خادم پچاس ہزار درھم لے کر آیا اور کہا کہ یہ رقم خاتون نے آپ کو نذر کی ہے اور اس کے ساتھ یہ کہا ہے کہ خاتون آپ کی حق گوئی کی تہہ دل سے مشکور ہیں۔ امام اعظم نے وہ رقم واپس کرتے ہوئے فرمایا: ''خاتون سے کہنا کہ میں نے جو کچھ خلیفہ کے سامنے بیان کیا وہ میرا فرض منصبی تھا اس میں کوئی غرض پوشیدہ نہیں تھی۔

حضرت امام اعظمؒ لوگوں کی عزتِ نفس کا بہت خیال رکھتے تھے۔ آپ کے مخالفین آپ کی ذات کو ہدف بناتے تو کبھی شکایت نہ کرتے۔ مگر جب کوئی شخص کسی دوسرے انسان کو ذلیل کرنے کی کوشش کرتا تو آپ بے قرار ہو جاتے اور اپنی حد تک اسے رسوائی سے بچانے کی تدبیر کرتے۔ ابراہیم بن عتبہ ایک عالم دین چار ہزار درہم کے مقروض تھے۔ قرض کی ادائیگی نہ ہونے کے باعث اس قدر شرمندہ رہتے تھے کہ گھر سے نکلنا تک چھوڑ دیا۔ آخر ان کے قریبی دوست چندہ کر کے انہیں اس مصیبت سے چھٹکارا دلانے کے لئے کوشاں ہوئے۔ لوگوں نے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق اس سلسلے میں تعاون کیا۔ جب امام اعظمؒ کے پاس گئے تو آپ نے ان سے پوچھا کہ کل کتنا قرضہ ہے۔ ابراہیم بن عتبہ کے دوست نے رقم بتائی۔ آپ نے کہا کہ چند روپوں کے لئے اتنے لوگوں کو کیوں تکلیف دیتے ہو یہ کہہ کر آپ نے چار ہزار درھم ادا کر دیئے۔ تاریخ میں اس قسم کے بیشمار واقعات ملتے ہیں جنہیں پڑھ کر امام اعظمؒ کی دریا دلی اور

سخاوت میں شدتِ احساس کا اندازہ ہوتا ہے۔

دیانت وتدبر، عقل وفراست میں آپ کا کوئی حریف نہیں تھا۔ یہاں تک کہ مخالفین بھی کہا کرتے تھے کہ ''امام ابوحنیفہؒ جیسا کوئی سخی نہیں ہے'' سب آپ کے ان اوصاف کو تسلیم کرنے پر مجبور تھے۔ خارجہ بن مصعبؒ کہا کرتے تھے ''میں کم از کم ایک ہزار عالموں سے ملا ہوں جن میں عاقل ضرور تین اشخاص دیکھے ان میں حضرت ابوحنیفہ کا شمار ہوتا ہے۔''

محمد انصاریؒ کہا کرتے تھے کہ ابوحنیفہؒ کی ایک ایک حرکت بات چیت اٹھتے بیٹھتے چلنے پھرنے میں دانش مندی کا اثر پایا جاتا ہے۔

علی بن عاصمؒ کے الفاظ ہیں: ''اگر آدھی دنیا کی عقل دوسرے پلڑے میں رکھی جاتی اور ایک پلڑے میں ابوحنیفہؒ کی عقل ہوتی تو ابوحنیفہؒ کا پلہ بھاری رہتا۔''

ایک بہت بدطنیت شخص ابوالعباس امام اعظمؒ کا دشمن تھا وہ ہر وقت آپ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ ایک دن ابوحنیفہؒ کسی ضرورت کے تحت دربارِ خلافت میں گئے تو وہ شخص ''ابوالعباس'' بھی وہاں موجود تھا۔ امام اعظمؒ جس مقصد سے تشریف لائے تھے ابھی وہ بیان بھی نہیں کرنے پائے تھے کہ ابوالعباس بول پڑا امیر المؤمنین! کبھی کبھی ہم لوگوں کو حکم دیتے ہیں کہ فلاں شخص کی گردن ماردو ہمیں قطعاً علم نہیں ہوتا کہ وہ شخص مجرم ہے یا نہیں یا بے قصور ہے اس صورت میں ہمیں خلیفہ کے حکم کی تکمیل کرنی چاہئے یا نہیں؟ آپ سے ابوالعباس نے بہت ٹیڑھا اور خطرناک سوال کیا تھا۔ تمام درباری امام اعظمؒ کی طرف تجسس سی نظروں سے دیکھنے لگے۔ خود منصور بھی اپنی جگہ سنبھل کر بیٹھ گیا تھا۔ سب لوگ اس انتظار میں تھے کہ دیکھیں امام کیا جواب دیتے ہیں۔

آپ نے پُرجلال آواز کے ساتھ ابوالعباس کو مخاطب کیا اور اس سے نیا سوال کر ڈالا۔

''ابوالعباس! تمہارے نزدیک خلیفہ کے احکام حق ہوتے ہیں یا باطل؟ ابوالعباس نے جواب

دیا ''خلیفہ منصور کے سامنے کس کی طاقت ہے جو احکام خلافت کو باطل کہہ سکے اور پھر اس کو کہنا پڑا کہ خلیفہ کے تمام احکام حق ہوتے ہیں۔ یہ سن کر امام اعظمؒ نے فرمایا۔ ''پھر حق کی تعمیل میں کسی سے کیا پوچھنا؟ آپ کا جواب سن کر سب دم بخود ہو گئے۔ ابو العباس کا چہرہ اتر گیا۔ آپ کی حاضر جوابی کے سامنے اس کی سازش بُری طرح ناکام ہو گئی۔

پرہیز گاری کا یہ عالم تھا کہ اگر کسی کام میں آپ کو لغزش کا ذرا سا بھی شائبہ محسوس ہوتا تو اس کام کو ترک کر دیتے تھے۔ اگرچہ وہ کام جائز ہی کیوں نہ ہوتا۔ مشہور واقعہ ہے کہ کسی شخص نے اپنی بکری گم ہو جانے کی شکایت کی امام اعظمؒ نے کئی سال تک اس خوف سے بکری کا گوشت نہیں کھایا کہ کہیں گمشدہ بکری کسی قصاب تک نہ پہنچ گئی ہو اور مبادا ہے کہ وہ گوشت کسی صورت میں ان تک نہ پہنچ جائے۔

حضرت داؤد طائیؒ کا بیان ہے کہ میں نے بیس سال تک کبھی آپ کو تنہائی یا مجمع میں ننگے سر اور ٹانگیں پھیلائے ہوئے نہیں دیکھا جب میں نے عرض کیا کہ کبھی تنہائی میں تو اپنے پاؤں سیدھے کر لیا کیجئے میری خواہش کے جواب میں امام اعظمؒ نے فرمایا ''مجمع میں تو بندوں کا احترام کروں اور تنہائی میں خدا کا احترام ختم کر دوں یہ کیسی عجیب بات ہے؟

خوف خدا کی یہ کیفیت تھی کہ معمولی باتوں پر آپ کا جسم کانپنے لگتا تھا۔ ایک دن بازار جا رہے تھے کہ آپ کا پاؤں ایک لڑکے کے پاؤں پر پڑ گیا وہ شدتِ درد سے چیخ کر بولا: ''تو خدا سے نہیں ڈرتا'' کہ لڑکے کی بات سن کر آپ پر غشی طاری ہو گئی۔ مشہور بزرگ سعد بن کرامؒ آپ کے ہمراہ تھے انہوں نے آگے بڑھ کر آپ کو سنبھالا۔ ہوش میں آئے تو حضرت سعد نے کہا کہ ایک لڑکے کی بات پر اس قدر بے قرار ہو جانا کیا معنی رکھتا ہے؟ امام اعظمؒ نے فرمایا: کیا عجب ہے کہ اس لڑکے کی آواز غیبی ہدایت پر ہو۔''

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے کہ کچھ لڑکے بارش کے پانی سے کھیل رہے تھے امام اعظم

ؒ کا ادھر سے گذر ہوا آپ بچوں کو نصیحت فرمانے لگے کہ اس سے نہ کھیلو تمہارے چوٹ نہ لگ جائے۔ آپ کی بات سن کر ایک بچے نے جواب دیا۔ ''امام آپ ہماری فکر نہ کریں ہم زخمی ہو گئے تو زیادہ سے زیادہ ہمارے ماں باپ پریشان ہو جائیں گے لیکن اگر آپ پھسل گئے تو پوری قوم زخمی ہو جائے گی۔'' یہ کہہ کر وہ لڑکا اپنے ساتھیوں کے ساتھ چلا گیا۔ امام اعظمؒ اس کا جواب سن کر سناٹے میں آ گئے اور چہرہ دہشت زدہ ہو گیا۔ اکثر آپ اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے تھے۔ ''وہ بھی ایک غیبی تنبیہ تھی۔''

یزید بن کمیتؒ اپنے وقت کے مشہور بزرگ تھے ان کا بیان ہے کہ میں ایک بار عشاء میں ابو حنیفہؒ کے ساتھ شریک تھا امام نے سورۃ زلزال پڑھی تمام لوگ نماز پڑھ کر چلے گئے۔ میں وہیں ٹھہر گیا۔ میں نے دیکھا کہ امام اعظمؒ ٹھنڈی سانس بھر رہے تھے یہ سوچ کر اٹھ آیا کہ کہیں ان کی عبادت میں خلل نہ پڑے۔ جب صبح میں مسجد میں گیا تو سب سے پہلے ابو حنیفہؒ پر نظر پڑی آپ اسی طرح غم زدہ بیٹھے ہوئے تھے۔ داڑھی بھی ہاتھ میں تھی اور بڑی رقت سے کہہ رہے تھے۔ ''اے ذرہ بھر نیکی اور ذرہ بھر بدی دونوں کا بدلہ دینے والے اپنے غلام نعمان کو آگ سے بچانا۔''

خلیفہ منصورؒ نے ظلم و جبر کی انتہا کر دی آپ کو حق گوئی کی سزا دی اور پھر دوبارہ زندان میں ڈلوا دیا۔ بغداد شہر کے تمام علماء آپ سے بے حد عقیدت رکھتے تھے اور عوام الناس میں آپ کا اثر ورسوخ اور مقبولیت اتنی زیادہ تھی کہ وہ آپ کو قتل نہیں کر سکتا تھا اس طریقہ کار سے تمام عوام اور علماء اس کے خلاف ہو جاتے اس لئے اس نے آپ کو زہر دلوا دیا جس نے آہستہ آہستہ اپنا اثر کرنا شروع کر دیا۔ جب آپ کو زہر کا احساس ہوا تو آپ سجدے میں چلے گئے اور اپنے رب کی تسبیح بیان کی اور نہایت عاجزی سے کہنے لگے ''اے اللہ میں تیرا بندہ نعمان حاضر ہوں تیرے حضور میں'' اور یہ کہتے کہتے آپ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

آپ کے وصال کی خبر اس قدر تیزی سے پھیلی کہ پورا بغداد امڈ آیا۔ قاضی شہر حسن بن

عمارۃ غسل دیتے وقت کہتے جاتے تھے:

''خدا کی قسم تم سب سے بڑے فقیہ تھے۔ بڑے عابد وزاہد تھے تم میں ساری خوبیاں جمع تھیں۔تم نے اپنے جانشینوں کو مایوس کر دیا کہ وہ تمہارے مرتبہ کو پہنچ سکیں۔ آپ کی نماز جنازہ لاکھوں اشخاص نے پڑھی آپ کی زیارت کے لئے عوام کے ہجوم جوق در جوق چلے آرہے تھے آپ کی نماز جنازہ چھ بار پڑھی گئی۔

بصرہ کے امام شعبہ جو آپ کے اساتذہ میں شامل تھے یہ اندوہناک اطلاع پا کر بہت غمگین ہوئے اور بڑے کربناک لہجے میں کہا ''آج کوفہ میں اندھیرا پھیل گیا۔'' اس واقعہ کے چند روز بعد مشہور بزرگ حضرت عبداللہ بن مبارک امام اعظمؒ کی قبر شریف پر حاضر ہوکے اور رو کر کہا:

''اے ابوحنیفہ! تم پر خدا کی رحمتیں نازل ہوں۔ امام ابراہیم رخصت ہوئے تو اپنا جانشین تم کو چھوڑ گئے اور افسوس تم نے ساری دنیا میں اپنا کوئی جانشین نہیں چھوڑا۔''

علم و فضل اور فقہ کے سب سے بڑے جہانگیر اعظم اس دنیا سے چلے گئے لیکن اپنی یادیں دنیا میں چھوڑ گئے فقہ حنفیہ کی صورت میں آپ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ مسلمانوں کی اکثریت اس فقہ پر عمل پیرا ہیں۔ آپ کے مزار شریف پر بڑے بڑے شہنشاہوں کے سر جھک جاتے ہیں۔ سلطان الپ ارسلان نے آپ کے مزار پر انوار کو بہت خوبصورت انداز میں تعمیر کیا ہے۔ قریب ہی ایک مدرسہ تعمیر کیا ہے یہ بغداد کا پہلا مدرسہ ہے۔

ایران کا شہنشاہ سلطان ناصر الدین قاچار آپ کے مزارِ مبارک پر حاضر ہوا اور مزار مقدس پر فاتحہ پڑھی اور نذر چڑھائی۔

حضرت شیخ بو علی بن عثمان حضرت داتا گنج بخش کا بیان ہے کہ ایک بار حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی قبر کے نزدیک میں سویا ہوا تھا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باب بن شیبہ سے ایک معمر شخص کو اپنی آغوش مبارک میں لئے ہوئے تشریف لائے اور مجھے حیرت

زدہ دیکھ کر فرمایا۔ ''مسلمانوں کا امام اور تمہارے ملک کا باشندہ ابوحنیفہؒ ہے۔''

حضرت یحییٰ بن معاذ رازیؒ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خواب میں عرض کیا کہ ''میں آپ کو کس جگہ تلاش کروں گا؟ جناب رسالت مآب نے فرمایا۔ ''ابوحنیفہؒ کے علم کے قریب۔''

حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ

آپ فقہ اسلامی کے دوسرے بڑے امام ہیں۔آپ کی جہانگیریت آپ کے فقہ کی شکل میں دنیا کے مختلف ممالک میں موجود ہے۔خاص طور پر عرب ممالک کے بعض علاقے آپ کے فقہ پر عمل پیرا ہیں۔آپ ۹۳ رہجری میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے تھے۔آپ کے دادا حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ صحابی رسول تھے۔اور آپ کے والد ماجد حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی حضرت انس رضی اللہ عنہ تھے۔آپ کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ چاروں فقہائے کرام میں سے صرف آپ کا شجرۂ نسب ایک صحابی تک پہنچتا ہے۔

حضرت امام مالکؒ کے بارے میں عجیب وغریب روایت شہرت پائی گئی تھی کہ آپ دو تین سال تک شکمِ مادر میں رہے۔حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جیسے بزرگ بھی اس روایت کو پورے یقین کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔آپ کی پیدائش کے بارے میں یہ روایت صدیوں سے کتاب در کتاب چلی آرہی ہے۔بعض لوگوں نے اس روایت کو خلاف عقل قرار دیا لیکن ایسے بہت سے واقعات خلاف عقل ہیں جو معجزہ سے تعلق رکھتے ہیں۔جیسے حضرت عیسیٰؑ کا بغیر باپ کے پیدا ہونا۔حضرت غوث الاعظم کا اپنی ماں کے پیٹ میں رہ کر پندرہ پاروں کا حافظ ہونا۔ حضرت عیسیٰ، حضرت عزیر علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام کا بغیر موت کے دنیا سے اٹھائے جانا۔یہ تمام معجزات جن پر عقل حیران ہے لیکن اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہیں ہر چیز پر قادر ہے۔وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

حجاز کے علاقے میں ربیعہ بن عبدالرحمٰنؒ اس زمانے میں ایک بہت بڑے عالم دین محدث تھے جن کے درس میں حضرت امام حسن بصریؒ، امام شعبہ، اور امام اوزاعی جیسے یگانہ روزگار

بزرگ شریک ہوتے تھے۔آپ نے حدیث کی تعلیم ان سے حاصل کی۔ پھر بعد میں ایک بڑے عالم دین ابن ہرمزؒ کی صحبت میں رہے جو آپ کو علم حدیث کے رموزِ نکات سمجھاتے تھے۔ان کے وصال کے بعد آپ نے حضرت نافعؒ سے حدیث کا علم حاصل کیا۔حضرت نافعؒ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابو ہریرہ، اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے علم حاصل کیا تھا۔ حضرت نافعؒ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ مشہور صحابی رسول سے علم حاصل کیا تھا۔حضرت نافعؒ کے بعد آپ نے حضرت امام ابن شہاب زہریؒ سے جو کہ حدیث کے زبردست عالم تھے علم حدیث حاصل کیا۔

ہر طرف سے علم کا دریا سمیٹنے کے بعد آپ علم کا ایک سمندر نظر آتے تھے۔آپ حجاز مقدس سے باہر نہیں گئے آپ نے وہیں کے اساتذہ سے علم حاصل کیا آپ نے اپنا مستقل مسکن مدینہ منورہ بنالیا۔حج کے موقع کے علاوہ آپ مدینہ منورہ سے باہر نہیں جاتے تھے۔ساری دنیا کے عالم مکہ ومدینہ آتے تھے اور آپ کی ان سے صحبتیں ہوتی تھیں۔رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نے ان کو مدینہ میں رہتے ہوئے علم کا روشن مینارہ بنادیا۔مدینہ منورہ میں آپ نے درس وتدریس کی محفلیں منعقد کیں اور مستقل طور پر آپ وہیں رہ کر لوگوں کو درس دیا کرتے تھے۔مشہور تابعی حضرت حبیب عجمیؒ اور مصعب بن عبداللہؒ آپ کے درس میں شامل ہوتے تھے۔

مشہور بزرگ حضرت مصعب بن عبداللہؒ کا بیان ہے کہ جب امام مالک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرماتے تو آپ کے چہرہ مبارک کا رنگ بدل جاتا تھا۔اور تعظیماً اس قدر جھک جاتے تھے کہ اہل محفل واضح طور پر اس تبدیلی کو محسوس کرنے لگتے۔جب آپ سے اس کیفیت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ آبدیدہ ہو کر فرمانے لگے ''اگر تم انہیں دیکھ لیتے جسے میں نے دیکھا ہے تو پھر مجھ سے یہ سوال ہی نہ کرتے۔''

رفتہ رفتہ آپ کے علم کی شہرت عام ہوتی گئی اور لوگ دور دور سے آپ کے پاس اپنے

مسائل فتوؤں کے لئے آنے لگے۔ آپ نے نوجوانی ہی میں علم و فضل کا وہ مقام حاصل کرلیا تھا جو عمر رسیدہ عالموں کو مشکل سے حاصل ہوتا۔ آپ بڑے بڑے مشکل مسائل کو ذرا سی دیر میں حل کر دیتے تھے۔ جہاں دیدہ اور عمر رسیدہ افراد کو اس خبر پر یقین نہیں آتا تھا کہ ایک نوعمر فقیہ بھی انسانی مسائل کا حل پیش کر سکتا ہے۔ عقل کی بنیاد پر ان کی یہ دلیل مضبوط تھی مگر وہ اللہ کے انداز تقسیم کو بھلا بیٹھے تھے۔ جس قادر مطلق نے ایک شیر خوار بچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبوت کی کھلی نشانی عطا کی۔ اسی قادر مطلق نے امام مالک کو نوعمری میں مسند درس پر بٹھا کر سارے عالم کو ان کے سامنے خم کر دیا۔

ایک مرتبہ مدینہ شہر میں ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا تھا جسے سن کر اور دیکھ کر لوگ حیران رہ گئے تھے۔ بات کچھ اس طرح تھی کہ مدینہ منورہ میں ایک عورت کا انتقال ہو گیا۔ جب پیشہ ور غسالہ مرنے والی کو غسل دے رہی تھی تو اچانک اس نے قریب کھڑی ہوئی خواتین سے کہا کہ یہ عورت ایک بدکار عورت تھی۔ ابھی غسالہ کے الفاظ کی گونج ختم بھی نہیں ہونے پائی تھی کہ اس کا ہاتھ مردہ عورت کے جسم کے ساتھ چپک کر رہ گیا۔ چند لمحوں تک مرحومہ کی خواتین رشتہ دار اس راز کو سمجھ نہ سکیں مگر جب انتہائی کوشش کے باوجود غسالہ کا ہاتھ مردہ جسم سے علیحدہ نہ ہو سکا تو پھر ہر طرف ہل چل مچ گئی۔ حاضرین نے اپنی آنکھوں سے بڑے حیرت ناک مناظر دیکھے تھے مگر یہ واقعہ ان سب سے جدا تھا۔

لوگ جنازے کو بھول کر غسالہ کی طرف دیکھنے لگے جس کے چہرہ پر وحشت برس رہی تھی۔ غسالہ کے ساتھ مرحومہ کے عزیز و اقارب بھی پریشان تھے۔ علمائے کرام سے رجوع کیا گیا مگر کوئی بھی اس مسئلہ کا حل نہیں بتا سکا، یہ منظر دیکھ کر بعض لوگوں کے ذہن اس قدر منتشر ہو گئے کہ وہ غسالہ کا ہاتھ کاٹنے کی تجویز پیش کرنے لگے۔ یہی ایک صورت نظر آتی تھی۔ متعلقہ افراد کے حلقے میں یہ تجویز زیر بحث آئی تو غسالہ رونے لگی۔ جب صورتحال پر کسی طرح قابو نہ پایا جا سکا تو ہجوم

میں سے ایک آواز ابھری کیا تم لوگوں نے اس سلسلے میں حضرت امام مالک سے بھی رجوع کیا ہے؟ عمر رسیدہ لوگ کہنے لگے وہ نوجوان عالم اس مسئلہ کا حل کیا بتا سکتا ہے وہ تو علم کی دنیا میں نوخیز ہے۔

حضرت مالک بن انسؒ تشریف لائے، بہت دیر تک غور وفکر کرتے رہے۔ پھر فرمایا: ''غسالہ نے مرنے والی کو یقیناً کوئی ایسی ایذاء پہنچائی ہے جسے خدا ناپسند کرتا ہے۔'' جب غسالہ سے پوچھا تو اس نے رو رو کر سب بات بتا دی، امام نے اس کی بات سن کر فرمایا کہ مرنے والی عورت ایک پاکباز خاتون تھی، خدا کی غیرت نے گوارا نہیں کیا کہ اہل دنیا کی نظر میں اس کی پاکبازی داغدار ہو جائے اس لئے غسالہ کو تماشہ بنا دیا گیا۔ تاکہ لوگ اس سے عبرت حاصل کریں۔ آپ نے فرمایا غسالہ کو سو درّے لگائے جائیں۔ جب غسالہ کو پورے سو درّے لگا دیئے گئے تو اسکے بعد فوراً ہی غسالہ کا ہاتھ میت سے الگ ہو کر آزاد ہو گیا۔ حضرت امام مالکؒ کے اس فتوے پر بڑے بڑے اہل دانش سر بگریباں اور حیران رہ گئے۔ اس کے ساتھ ہی اہل عرب کو اندازہ ہو گیا تھا کہ آنے والے زمانے میں یہ نوجوان فضل وکمال میں یکتا ہوگا۔

جبری طلاق کے مسئلہ پر آپ سے لوگوں نے فتویٰ لیا'' آپ نے کہا کہ جبری طلاق میرے نزدیک طلاق نہیں ہے۔'' لوگوں نے دوسرے اماموں کا حوالہ دیا کہ ان کے نزدیک یہ طلاق ہے۔ حضرت امام مالک نے کسی فقیہ کے فیصلے پر نکتہ چینی نہیں کی۔ سب کا احترام پیش نظر رکھا مگر اپنا مسلک تبدیل نہیں کیا، آپ کے مخالفین نے اس مسئلے کو سیاسی رنگ پہنا کر خلافت عباسیہ کے دربار میں پیش کیا اور جبری خلافت کی بیعت بھی امام مالک کے فتویٰ کی رو سے ناجائز قرار دی۔ جبری طلاق کا مسئلہ خلافت کے وقار کا مسئلہ بن گیا۔ جعفر بن سلمان خلیفہ عباسی کی طرف سے حجاز کا گورنر تھا۔ آپ کو دربار میں بلوایا اور اس مسئلہ پر آپ پر جبر کیا۔ آپ سے بزور طاقت اپنی بات منوانا چاہتا تھا، جب آپ نے اس کا کہنا نہ مانا تو پھر آپ کو سزا کے طور پر کالا منہ کر کے ایک خچر پر بٹھا کر پورے مدینہ میں آپ کو گشت کرایا پھر امام کے درّے لگوائے اور

نہایت ظالمانہ طریقوں سے آپ کے دونوں ہاتھ کھنچوائے اور جس کی وجہ سے آپ کے مونڈھے کندھوں سے لٹک گئے، آپ ہاتھ نہیں باندھ سکتے تھے لہٰذا مجبوراً آپ ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے۔ آپ کے مسلک کے لوگ بھی آج تک امام کی پیروی میں ہاتھ چھوڑ کر نماز ادا کرتے ہیں۔

علامہ ابن خلقان نے تحریر کیا ہے کہ امام مالک تمام عمر مدینہ منورہ میں کبھی اونٹ پر سوار نہیں ہوئے۔ انتہائی ضعف اور کمزوری کے باوجود بھی آپ نے اس عمل کا ارتکاب نہیں کیا، امام کی ناتوانی کو دیکھ کر کوئی شاگرد اصرار کرتا تو آپ بڑے رقت انگیز لہجے میں فرماتے: ''مجھے اللہ سے شرم آتی ہے کہ میں اپنی سواری کے کھروں سے اس جگہ کو پامال کروں جس مقدس سرزمین پر میرے آقا سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم محوِ خواب ہوں۔ عمر کے آخری حصہ میں مدینہ سے باہر تشریف نہ لے جاتے اس خوف سے کہ کہیں دوسرے مقام پر موت نہ آجائے اور پھر اس دیارِ پاک میں دفن نہ ہو سکیں۔

حضرت امام شافعیؒ علم کی طلب کے لئے سرگرداں تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دست بستہ عرض کیا: ''میں خاندان مطلب کا ایک فرد ہوں دنیا کے تمام وسائل سے محروم علم کا شوق مجھے آپ کے در اقدس تک کھینچ کر لے آیا ہے۔ اگر معرفت کا سمندر مجھے اس بات کی اجازت دے گا کہ میں چند قطروں سے سیراب ہو جاؤں تو اس خوش بختی پر ہمیشہ نازاں رہوں گا ورنہ ایک تشنہ لب جس طرح سے آیا ہے اسی طرح پیاسا واپس لوٹ جائے گا۔'' امام شافعیؒ کا لہجہ اس قدر اثر انگیز تھا کہ امام مالکؒ کچھ دیر تک ان کے چہرہ کو غور سے دیکھتے رہے پھر فرمایا ''تمہارا نام کیا ہے؟'' امام شافعی نے جواباً کہا ''محمد ادریس''۔ حضرت امام مالکؒ نے ایک بار پھر ان کی طرف غور سے دیکھا پھر اچانک امام شافعیؒ کو گلے سے لگالیا۔ آپ بار باران کے سر پر دستِ شفقت پھیرتے ہوئے محبت بھرے ہوئے انداز میں فرماتے تھے: ''اے محمد اللہ سے ڈر'' پھر آپ نے امام شافعیؒ کو اپنے حلقہ درس میں شامل کر لیا۔ آپ کی خصوصی نظر کرم نے قریش کے اس لڑکے کو حدیث

وفقہ کا امیر بنا دیا۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ جنہیں حدیث وفقہ کا امیر المؤمنین کہا جاتا ہے ایک مرتبہ آپ کے درس میں شریک تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ درس کے دوران امام کا چہرہ متغیر ہو رہا ہے کبھی سرخ ہو جاتا ہے کبھی زردی مائل ہو گیا، عبداللہ بن مبارکؒ ان کا درس سنتے رہے اور چہرہ کی کیفیت پر زیادہ دھیان نہیں دیا کیونکہ آپ کی رنگت قدرتی طور پر گلابی تھی پھر تھوڑی دیر کے بعد آپ کے چہرے پر نیلاہٹ نظر آنے لگی تو عبداللہ بن مبارک کو تشویش لاحق ہوئی لیکن دورانِ درس آدابِ محفل کے پیش نظر آپ سے نہ پوچھ سکے۔ درس کے بعد آپ اٹھ کر اپنے گھر چلے گئے اور بیوی سے کرتا اتارنے کو کہا۔ جب کرتا اتارا گیا تو دیکھا کہ ایک بچھو موجود ہے۔ اسکو جھاڑ دیا گیا۔ جب بیوی نے آپ کے جسم کا جائزہ لیا تو دیکھا کہ بچھو نے سولہ مقامات پر اپنا ڈنک مارا تھا۔ آپ پھر دوبارہ گھر سے باہر آئے اور عبداللہ بن مباکؒ کو صورتحال سے آگاہ کیا کہ جیسے یہ کوئی عام واقعہ تھا۔

عبداللہ بن مبارکؒ یہ سن کر سناٹے میں آگئے پھر بڑے اثر انگیز لہجے میں کہنے لگے: ”امام! خدا آپ کی عمر دراز کرے۔ کوئی انسان اس صبر وسکون کے ساتھ یہ تکلیف برداشت نہیں کر سکتا۔“ حضرت امام مالکؒ نے جواباً فرمایا: ”میرا صبر وسکون صرف حدیثِ رسول کی تعظیم کے سبب تھا۔ آقا کی غلامی کے شرف نے مجھے یہ ہمت عطا فرمائی ورنہ عقرب کی نیش زنی کون برداشت کر سکتا ہے۔“؟

آپ نے حدیث کی وہ عظیم وجلیل کتاب جس کا نام ”موطا شریف“ ہے کئی سالوں کی انتھک کوششوں کے بعد مکمل کی، اس کتاب کو اہل علم کے درمیان بہت بڑا مقام حاصل ہے۔ آخر کئی سال کی شدید محنت کے بعد جب موطا کی تصنیف سے فارغ ہو گئے تو آپ نے اپنا خلوص ثابت کرنے کے لئے مسودے کے تمام اوراق پانی میں ڈال دیئے اور فرمایا کہ اگر ان اوراق میں سے

ایک بھی گم ہو جائے تو مجھے اس کی حاجت نہیں۔ یہ قدرتِ خداوندی تھی یا امام کے خلوص کا صلہ تھا کہ پانی میں ڈالنے کے باوجود بھی اوراق نہیں بھیگے اور ساری دنیا پر یہ حقیقت روشن ہوگئی کہ امام کا ذہن اور قلم محض اللہ ہی کے لئے ہیں۔ تمام محدثین میں یہ شرف امام مالکؒ کو حاصل ہے کہ آپ نے بلند پایہ علماء سے حدیث روایت کی ہیں۔

خلیفہ بنو عباس نے جو آپ پر ظلم ڈھائے تھے اس کی وجہ سے اور مسلسل سخت محنت کرنے سے آپ کافی کمزور ہو گئے تھے۔ کچھ عمر کا بھی تقاضا تھا لہٰذا آپ بیمار رہنے لگے۔ اور یہ بیماری اتنی بڑھ گئی کہ آپ پر غشی کے دورے پڑنے لگے۔ آپ اکثر اس حالت میں لیٹے رہتے تھے۔ ۱۷۵ھ میں ایک دن آپ نے اس جہان فانی سے پردہ فرمالیا، لاکھوں چاہنے والوں کو سوگوار چھوڑ کر یہ علم وفضل کے جہانگیر اعظم اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ آپ کو آقائے نامدار سرور کائنات کے روضہ مبارک کے سامنے جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

حضرت امام شافعیؒ

مجتہد اعظم مجدد اسلام دنیائے علم کے ایک بڑے جہانگیر حضرت امام شافعیؒ ۱۵۰ ہجری میں پیدا ہوئے۔ جس شب میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ نے وصال فرمایا اسی شب کے آخری حصہ میں آپ اس دنیا میں تشریف لائے۔ آپ کا اسم مبارک محمد اور والد ماجد کا نام ادریس بن عباس تھا، حضرت شافع! آپ کے پردادا تھے یہ قبیلہ قریش کے سرداروں میں شمار ہوتے تھے جنگ بدر میں آپ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ حضرت امام اپنی پیدائش کے بارے میں خود بتاتے تھے کہ میں غزہ شہر جو فلسطین کی سرزمین میں واقع ہے میں پیدا ہوا تھا۔ آپ کی والدہ فاطمہ بنت عبداللہ ایک پرعزم اور مثالی خاتون تھیں۔ عین عالم شباب میں آپ بیوہ ہوگئیں لیکن اولاد کی خاطر آپ نے دوسری شادی نہیں کی اور اپنی ذاتی خوشیوں کو اولاد کی خاطر قربان کر دیا۔ نہایت عسرت اور غربت کی زندگی بسر کی لیکن اس باہمت خاتون نے بچہ کی تعلیم و تربیت بہت اچھے انداز سے کی، آپ پرعزم اور باحوصلہ خاتون تھی۔ اعلیٰ تربیت اور خاندانی ماحول کے حصول کے لئے غزہ سے مکہ مکرمہ ہجرت کی۔ مکہ میں بچہ کی بہت اچھے انداز میں پرورش ہونے لگی۔ جب امام موصوف کی عمر سات سال کی ہوگئی تو آپ نے قرآن شریف حفظ کرلیا۔ اور بارہ سال کی عمر میں سماع حدیث اور شعروشاعری کا شوق پیدا ہوگیا۔

امام کی آواز میں اتنا درد تھا کہ سننے والے ہمہ تن گوش ہوکر آپ کا کلام سنتے تھے۔ ایک مرتبہ عرب کے مشہور شاعر لبید کا کلام والہانہ انداز میں پڑھ رہے تھے آپ کے چاروں طرف لوگ اکھٹے تھے ناگاہ ایک گمنام سا شخص کہیں سے آپ کی محفل میں آگیا اور نہایت بیباکی سے آپ سے مخاطب ہوا اور کہنے لگا ”اے فرزند! اگر تم کو ساری دنیا کے اشعار حفظ ہو جائیں اور تم

سحر گیر انداز میں انہیں سناتے رہو تو اس سے کیا حاصل ہوگا؟ ایسے الفاظ جنہیں پڑھ کر انسانی ذہن پریشان خیالات کی آماجگاہ بن جاتا ہے ہائے ان بے خبروں نے علم کو کس طرح برباد کر دیا؟ اے قریش کے لائق فرزند! کیا تم بھی علم کی تباہی کا سبب بنو گے؟ میرے معصوم بچے ہرزہ سرائی کی محفل سے اٹھ جا کہ زبان و بیان کے بُت تجھے کہیں ہلاک نہ کر ڈالیں۔ مجلس حدیث و فقہ کب سے تیری منتظر ہے؟ یہ کہہ کر وہ اجنبی چلا گیا، امام شافعیؒ کو اجنبی کی باتوں نے بہت متاثر کیا اور آپ شعر و شاعری کی محفل سے نکل کر ایک مشہور فقیہ حضرت سفیان بن عیینہؒ کے درس میں شامل ہو گئے اور وہاں سے آپ نے اپنی عالمانہ زندگی کا آغاز کیا۔

امام شافعیؒ نے اپنی غیر معمولی قوت حافظہ کے سہارے علم کا یہ سفر تیزی کے ساتھ طے کیا۔ آپ مفتی مکہ حضرت مسلم بن خالد زنجی کی درسگاہ میں بھی جانے لگے۔ ابھی آپ کی عمر صرف تیرہ سال کی تھی کہ آپ نے فقہ میں اتنی دسترس حاصل کر لی کہ مسلم بن خالد زنجیؒ نے فرمایا ''محمد اب تم فتویٰ دے سکتے ہو' اب یہ ذمہ داری تمہیں زیب دیتی ہے۔

امام شافعیؒ اس کم سنی میں سند فقہ پر جلوہ افروز ہو گئے، لوگوں کو یقین نہیں آتا تھا۔ آپ نے بعض پیچیدہ مسائل میں اس قدر ذہانت سے فتوے دیئے کہ اہل علم سوچتے ہی رہ گئے۔ یہ عمر یہ حافظہ یہ ادراک شعر و شاعری کا ذوق فصاحت و بلاغت۔ بلا شبہ امام ان تمام صفات میں اپنی مثال آپ تھے۔

علم کی طلب نے آپ کو مدینہ منورہ پہنچا دیا، یہاں آپ حضرت امام مالکؒ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے جو مسجد نبوی میں درس دیا کرتے تھے۔ حضرت امام مالکؒ چند لمحوں تک آپ کو گہری نظروں سے دیکھتے رہے پھر محبت بھرے انداز میں فرمایا ''محمد اللہ سے ڈرو اور گناہوں سے بچتے رہو، تم ایک دن ضرور انسانیت کے بلند درجے تک پہنچو گے۔'' یہ ایک سند تھی جو امام مالکؒ کی طرف سے امام شافعیؒ کو عطا کی گئی تھی۔ امام مالکؒ کے تحسین آفریں الفاظ سن کر آپ کی

آنکھوں میں آنسو آ گئے اور سر نیازمندی سے جھک گیا۔

امام شافعیؒ کی قوت حافظہ غیر معمولی اہمیت کی حامل تھی۔ آپ حضرت امام مالکؒ کے درس میں بیٹھتے تھے تو امام جو بھی حدیث بیان کرتے وہ سب آپ کو زبانی یاد ہو جاتی تھیں۔ جب آپ سے امام مالکؒ پوچھتے تو آپ سب لفظ بہ لفظ سنا دیتے تھے۔ مجلس حدیث میں امام مالکؒ آپ کو بالکل سامنے بٹھاتے تھے۔

اسی زمانے میں اہل بصرہ کی ایک جماعت حج کی سعادت حاصل کرنے کے بعد مدینہ منورہ زیارتِ روضۂ رسول اور امام مالکؒ کی مشہور کتاب مؤطا شریف کی سماعت کرنے کے لئے آئی۔ جب وہ لوگ امام مالکؒ کی خدمت میں پہنچے اور درخواست گذار ہوئے تو امام مالکؒ نے اپنے شاگرد عزیز امام شافعیؒ کو اشارہ کیا۔ آپ نے نہایت پرسوز آواز میں مؤطا کی قرأت شروع کی کہ آنکھیں بند تھیں اور روح بے قرار دربار رسالت میں حاضر تھی۔ امام شافعیؒ کی خوش الحانی اور الفاظ کی صحیح ادائیگی نے اہل مجلس کو اپنی جگہ ساکت کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ ''مؤطا'' اختتام کو پہنچی تو مصری سامعین نوخیز طالب علم کی قرأت اور قوت حافظہ کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ کوفہ میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کے جلیل القدر شاگرد امام محمد بن حسن شعبانیؒ اور امام ابو یوسفؒ تھے پورا علاقہ انکے علم کے زیر اثر تھا۔ ایک عراقی نوجوان سے ان کے بارے میں معلوم ہوا تو آپ کے دل میں ان بڑے عالموں سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہو گیا۔ کچھ دن کے بعد آپ نے اپنے استاد محترم سے اجازت طلب کی اور کوفہ کا سفر کیا۔ آپ حضرت امام محمدؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ کے روبرو پہنچے تو انہوں نے آپ سے پوچھا کہ نوجوان کہاں سے آئے ہو؟ آپ نے عرض کیا کہ میں خاندان مطلب کا فرد ہوں اور مدینہ سے آیا ہوں۔ حضرت امام محمدؒ نے آپ سے پوچھا کہ پھر تو تم نے امام مالکؒ کو دیکھا ہی ہوگا؟ آپ نے اداس لہجے میں کہا کہ ان ہی کا شاگرد ہوں۔ امام محمدؒ نے پوچھا کہ ''مؤطا'' بھی تمہاری نظروں سے گذری ہے۔ آپ نے کہا میں مؤطا حفظ کر چکا ہوں۔

موطا حفظ کر چکے ہو؟ آپ کے جواب پر دونوں امام چونک پڑے اور کہنے لگے یقین نہیں آتا تم پندرہ سال کے لڑکے اور حدیث کی اتنی بڑی کتاب کیسے حفظ کر لی؟ آپ نے کہا پھر آپ بزرگوار بتائیں کہ میں آپ کو کیسے یقین دلاؤں۔

امام محمدؒ کچھ دیر سوچتے رہے پھر آپ نے قلم اور کاغذ منگوا کر ابواب فقہ کا ایک ایک مسئلہ اس طرح تحریر کیا کہ ہر دو مسائل کے درمیان کافی جگہ چھوڑی۔ اس کے بعد امام محمدؒ نے تمام کاغذات امام شافعیؒ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "میرے یقین کی ایک یہی صورت ہے کہ تم ان مسائل کے جوابات "موطا" کی روشنی میں لکھ دو۔ امام شافعیؒ نے ایک ایک مسئلہ پڑھا پھر اس کے جوابات "موطا" کی روشنی میں لکھنا شروع کر دیئے۔ امام محمدؒ نے کہا فرزند پہلے تم مسائل کو اچھی طرح پڑھ کر ذہن نشین کر لو۔"

آپ نے فرمایا انشاء اللہ مجھے اس کی ضرور پیش نہیں آئے گی آپ نے آہستہ سے کہا، پھر آپ نے ہر مسئلے کا جواب انتہائی تیزی سے لکھنا شروع کر دیا۔ آپ کی خود اعتمادی اور تحریر کی سبک رفتاری دیکھ کر امام محمد اور امام ابو یوسفؒ حیران تھے۔ تمام جوابات لکھ کر امام شافعیؒ نے نہایت ادب کے ساتھ دونوں فقیہانِ عراق کے سامنے رکھ دیئے۔ جب دونوں نے ان کو پڑھا تو دنگ رہ گئے۔ امام محمدؒ نے نہایت محبت کے ساتھ فرمایا کہ اب تم میرے غلام کے ساتھ میرے گھر جاؤ اور بے تکلفی کے ساتھ میرے ساتھ قیام کرو۔

حضرت امام محمدؒ نے امام شافعیؒ کے ناز اٹھانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ امام محمدؒ کے درس میں آپ روزانہ شامل ہوتے تھے۔ حضرت امام محمدؒ نے آپ کے مطالعہ کے لئے چند کتابیں دیں، یہ کتابیں حضرت امام اعظمؒ کی تصنیف شدہ تھیں ان میں آپ کی مشہور کتاب "الکتاب الاوسط" بھی تھی آپ ساری رات اس کتاب کا مطالعہ کرتے رہے حتیٰ کہ آپ کو پوری کتاب حفظ ہوگئی۔

دوسرے دن امام شافعیؒ امام محمدؒ کے درس میں بیٹھے۔ امام شافعیؒ نے آپ کو اپنے دائیں

جانب بٹھایا تھا۔ اچانک ایک شخص مجلس میں داخل ہوا اور سلام کر کے بیٹھ گیا۔ امام محمدؒ مسئلے مسائل بتا رہے تھے۔ اور لوگوں کے مسئلوں کا حل بتا رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ شخص کھڑا ہو گیا اور اپنا مسئلہ بیان کر کے امام محمدؒ سے فتویٰ طلب کرنے لگا۔ امام محمدؒ چند لمحے غور و فکر کرتے رہے پھر کہنے لگے "حضرت امام اعظمؒ نے اس مسئلے پر یہ فتویٰ دیا ہے۔" اس شخص نے امام محمدؒ کا جواب سنا اور اپنی جگہ مطمئن ہو کر بیٹھ گیا اس دوران امام شافعیؒ بے چینی سے بار بار پہلو بدلنے لگے۔

آپ کے نزدیک امام محمدؒ کا جواب غیر تسلی بخش تھا۔ فوراً خیال آیا کہ اپنے میزبان کی توجہ اس طرف مبذول کرائیں مگر سوچا کہ کہیں امام محمدؒ کو یہ گراں نہ گزرے۔ کچھ دیر تک امام شافعیؒ کے دل و دماغ میں عجیب کشمکش جاری رہی۔ ایک طرف امام محمدؒ کے احسانات تھے اور دوسری طرف دینی مسئلہ تھا، مروت سے کام لیتے تو امام محمدؒ کے فتوے کی روشنی میں وہ شخص غلط قدم اٹھا سکتا تھا اور اگر اہل مجلس کے سامنے اپنی معلومات کا اظہار کرتے تو امام محمدؒ جیسے جلیل القدر فقیہ کی ناراضگی کا خدشہ تھا۔

امام شافعیؒ بادل نخواستہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑے ہوئے اور نہایت ادب کے ساتھ امام محمدؒ سے عرض کیا کہ آپ نے اس شخص کے مسئلے کا جواب بیان فرما دیا؟ امام محمدؒ نے حیرت سے ان کی طرف دیکھ کر کہا ہاں! جواب مکمل ہے۔ حضرت امام شافعیؒ نے ادب کے ساتھ عرض کیا کہ میرے خیال میں اگر حضور جواب پر دوبارہ غور فرما لیں تو بہت اچھا ہوگا۔ آپ کا مدعا سن کر امام محمدؒ کے چہرے پر ناگواری کے آثار نظر نہیں آئے مگر حاضرین مجلس اور معززین کی پیشانیاں شکن آلود ہو گئیں۔

امام محمدؒ نے کہا کہ محمد بن ادریس تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ آپ نے عرض کیا حضور اس مسئلے پر امام اعظمؒ کا بیان آپ کے بیان سے مختلف ہے۔ امام محمدؒ نے استہزائیہ انداز میں کہا کہ یہ کس طرح ممکن ہے۔ آپ نے نہایت جھک کر ہاتھ باندھ کر آہستگی سے کہا کہ نسیان سے انسان کا گہرا تعلق

ہے۔شاید آپ سے سہو ہو گیا ہے۔تمام حاضرین نہایت غصہ سے اس لڑکے کی طرف دیکھنے لگے جس کی عمر پندرہ سال بمشکل ہو گی اور اتنے بڑے فقیہ کے سامنے اس کی اجتہادی غلطی کو پیش کر رہا ہے۔حضرت امام محمدؒ نے نہایت پرسکون لہجے میں امام شافعیؒ سے مخاطب ہوئے ''فرزند!'' تمہاری یہ بات درست ہے کہ انسانی ذہن کبھی کبھی واقعات کی تفصیلات گم کر دیتا ہے مگر میں تو حضرت امام اعظمؒ کا خدمت گار رہ چکا ہوں۔میں نے نہ صرف امام کی کتابوں کو اپنی روح میں منتقل کیا ہے بلکہ اس مرد جلیل کو زبانی فتوے دیتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔امام محمدؒ نے امام ابو حنیفہؒ سے اپنے رشتوں کا حوالہ دیا تھا کہ ان کے قول میں وزن پیدا ہو جائے اور امام شافعیؒ اچھی طرح سمجھ لیں کہ فقہ حنفی پر مفتی کوفہ امام محمدؒ کو کتنی گہری نظر ہے۔امام شافعیؒ نے نہایت ادب سے عرض کیا کہ حضور آپ کی نسبت عظیم سے کون انکار کر سکتا ہے۔آپ بھی معتبر ہیں اور آپ کا پیش کردہ حوالہ بھی اعتبار کی آبرو ہے۔میں تو صرف نسیان کی بات کر رہا ہوں جس کا شکار کوئی بھی ذی عقل ہو سکتا ہے۔

امام محمدؒ بڑے تحمل کے ساتھ گویا ہوئے اور کہنے لگے: ''اچھا فرزند پھر تم ہی بتا دو کہ اس مسئلے میں حضرت امام اعظمؒ نے کیا فتویٰ دیا ہے۔'' امام شافعیؒ نے امام اعظمؒ کا تحریر کردہ ایک ایک لفظ دہرایا جو اس مسئلے سے متعلق تھا پھر آپ نے اپنے دعوے کو مزید تقویت دینے کے لئے کہا: ''حضرت امام اعظمؒ نے اپنی کتاب میں اس مسئلے کو فلاں مسئلے سے پہلے بیان کیا ہے۔'' امام شافعیؒ کا جواب سن کر اہل مجلس حیرت زدہ تھے، ان کی نظر میں یہ عجیب و غریب طالب علم تھا جو مذکورہ مسئلہ کو اس ترتیب کے ساتھ بیان کر رہا تھا جیسے اس کے سامنے امام اعظمؒ کی کتاب کھلی رکھی ہو اور وہ ایک ایک لفظ پڑھ رہا ہو۔

امام محمدؒ کچھ دیر خاموش رہے پھر آپ نے کتاب الاوسط منگوائی اور اپنے ایک شاگرد سے ان صفحات کو پڑھنے کے لئے کہا جو امام شافعیؒ بیان کر چکے تھے۔جب اس کو پڑھوا کر دیکھا تو واقعتاً امام اعظم اور امام محمدؒ کے اقوال میں بہت فرق تھا، دونوں کے بیانات اس مسئلے پر ایک دوسرے سے

مختلف تھے۔ پوری مجلس میں ہل چل مچ گئی۔ امام محمدؒ گمبھیر آواز کے ساتھ مخاطب ہوئے اور فرمانے لگے فرزند و تمہارا خیال درست تھا۔ آپ نے امام شافعیؒ کو ستائشی نظروں سے دیکھا پھر مسئلہ پیش کرنے والے شخص سے مخاطب ہوئے کہ تمہارے مسئلہ کا حل اور جواب یہ ہے جو امام شافعیؒ نے فرمایا ہے۔ اس واقعے سے امام محمدؒ کے چہرہ پر ناراضگی کے اثرات پیدا نہیں ہوئے بلکہ وہ امام شافعیؒ سے اور زیادہ محبت کرنے لگے۔

جیسے جیسے دن گذر رہے تھے آپ کی شہرت دور دور تک پہنچ رہی تھی۔ خلیفہ ہارون رشید تک جب آپ کی شہرت پہنچی تو آپ کو اپنے دربار میں طلب کیا۔ آپ جب دربار خلافت میں تشریف لے گئے تو آپ نے دیکھا کہ لوگ ہارون رشید کے جاہ وجلال سے سہمے ہوئے باادب بیٹھے ہوئے ہیں، آپ پر دربار کے جاہ وجلال کا قطعی اثر نہیں ہوا۔ آپ نے بلند اور پر اعتماد آواز میں کہا: السلام علیکم یا امیر المؤمنین۔!

ہارون رشید کو آپ کا اندازِ گفتگو پسند آیا اور خوش مزاجی سے سلام کا جواب دیا پھر آپ سے مخاطب ہوا کہ تمہارا دعویٰ ہے کہ تم ہاشمی ہو؟ یہ کہتے کہتے اس کا لہجہ بدل گیا اور اس کے لہجہ میں جاہ وجلال پیدا ہو گیا۔ آپ نے جواب دیا ''امیر المؤمنین اللہ کی کتاب میں دنیا کا ہر دعویٰ باطل ہے۔'' خلیفہ نے بڑے غور سے آپ کو دیکھا اور پوچھا کہ تمہارا سلسلہ نسب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ''ابن آدم'' خلیفہ نے کہا یہ حوالہ ناکافی ہے۔ پھر آپ نے خلیفہ کے اصرار پر بہت روانی کے ساتھ فرمایا ''محمد بن ادریس بن عثمان بن شافع'' تمام دربار حیرت سے ان کا منہ دیکھ رہا تھا۔ پھر آپ نے معتبر روایات کے ساتھ اپنا نسب نامہ حضرت آدم علیہ السلام تک پہنچا دیا۔ آپ کی فصاحت و بلاغت سے خلیفہ بہت متاثر ہوا اور بے ساختہ پکار اٹھا بے شک یہ فصاحت و بلاغت خاندان عبدالمطلب ہی کا حصہ ہے۔

خلیفہ نے آپ کو قاضی کا عہدہ پیش کیا لیکن آپ نے شکریہ کے ساتھ فرمایا کہ ''بخدا

مجھے شام تک بھی قاضی بننا گوارا نہیں'' آپ کے جذبہ کی صداقت اور لہجے کی بیباکی نے خلیفہ کو متاثر کیا اور اس کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا پھر آپ سے کہنے لگا کہ کیا تم کوئی اور چیز قبول کر لو گے ؟ آپ نے فرمایا کہ عہدہ قضا کے علاوہ میں ہر چیز قبول کر لوں گا۔ خلیفہ خوش ہو گیا اور آپ کو ایک ہزار درھم دے دیئے۔ آپ نے قصر خلافت سے باہر آ کر ان تمام خدمت گاروں کو دے دیئے جو آپ کو خلیفہ کے پاس لے گئے تھے۔

آپ عراق میں کچھ عرصہ رہ کر مدینہ شریف واپس آ گئے۔ یہاں آپ اپنے استاد محترم امام مالکؒ کے درس میں شامل ہو گئے پھر کچھ دن وہاں رہنے کے بعد آپ اپنی والدہ ماجدہ کی خدمت میں مکہ معظمہ تشریف لے آئے۔ یہاں آپ نے درس دینا شروع کر دیا۔ دور دور سے لوگ آ کر آپ کے درس میں شامل ہونے لگے۔ کچھ دن کے بعد آپ کو خبر آئی کہ استاد محترم امام مالکؒ کا وصال ہو گیا ہے۔ یہ سن کر آپ بہت روئے اور فوراً مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔ کچھ عرصہ مدینہ میں اپنے استاد کے مدرسے میں درس دیتے رہے لیکن امام مالکؒ کی یاد دل کو تڑپاتی رہی، آپ روزانہ قبر شریف پر حاضر ہو کر فاتحہ پڑھتے تھے۔

یمن کے والی جعفر بن سلمان نے آپ کو نجران کا قاضی مقرر کرنے کے لئے اصرار کیا، آپ اس عہدہ کو قبول نہیں کر رہے تھے لیکن دوستوں کے اصرار پر آپ نے عہدۂ قضا قبول کر لیا اور وہاں شریعت اسلامی کے تحت فیصلے دینے لگے۔ جب آپ نے قضا کا عہدہ سنبھالا تو اس وقت آپ کی عمر تیس سال کے قریب تھی۔ آپ نے چار سال کے عرصہ میں مظلوموں کو انصاف فراہم کیا اور ظالموں کو عبرت ناک سبق دیا۔ ان جرأت مندانہ اقدامات سے امام کی شہرت میں مزید اضافہ ہوا۔ محدثین عظام اور فقہائے کرام کی وہ جماعت جو امام شافعیؒ کو انتظامی امور میں شریک سلطنت ہونے سے باز رکھنا چاہتی تھی وہ بھی خوش ہو گئے اب سب کی نظریں بھی امام کے روشن چہرہ پر مرکوز تھیں۔ امام نے نہایت ذہانت واستقامت سے

نجران کے معاشرے کو اسلامی رنگ میں ڈھالنے کی کوشش کی تھی وہ یقیناً ایک بڑا کارنامہ تھا۔

آپ کی حد سے زیادہ انصاف پسندی اور بیباکی نے یمن کے عامل کے دل میں آپ کے خلاف کبیدگی اور حسد پیدا کر دیا۔ ایک مجرم کی والی یمن نے سفارش کی آپ نے انصاف کے آگے والی یمن کی سفارش کو رد کر دیا، وہ اندرون خانہ آپ کا سخت مخالف ہو گیا اور آپ کے خلاف ایک گھناؤنی سازش کی۔ مکہ اور مدینہ میں حضرت محمد نفیس ذکیہؒ کے کچھ حامی خفیہ طور پر خلیفہ کے خلاف سازش کر رہے تھے، عامل مکہ جعفر بن سلمان نے خلیفہ کو خفیہ خط ارسال کیا اور اس نے لکھا کہ جو لوگ سازش کر رہے ہیں امام شافعیؒ بھی اندرون خانہ ان کے ساتھ ہیں، امام شافعیؒ ان علوی زادوں کی پشت پناہی کر رہے ہیں۔ خلیفہ نے نہایت غیض و غضب میں حکم دیا کہ تمام علوی زادوں اور امام کو قید کر کے پابہ جولاں دار الخلافہ بھیج دو۔

ہارون رشید نہایت غیض و غضب میں تھا۔ جب تمام قیدی حاضر ہو گئے جن میں امام شافعیؒ بھی تھے تب خلیفہ ان قیدیوں کی طرف مخاطب ہوا ''تم لوگوں نے ان کا انجام دیکھ لیا جنھوں نے خلافت سے ٹکر لی تھی، آج ان کی قبروں کے نشان تک باقی نہیں۔'' ہارون رشید کا اشارہ حضرت محمد نفس ذکیہؒ اور حضرت امام ابراہیم کی طرف تھا۔ کیا ان کی خاک پریشان میں تمہارے لئے عبرت کی کوئی نشانی موجود نہیں؟ ہارون رشید نشۂ اقتدار میں غرور اور تکبر کے ساتھ ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہہ رہا تھا۔ بہت سے اسیران جان بچانے کے لئے خلیفہ سے کہنے لگے ہم سب بے قصور ہیں یہ ہم پر بہتان ہے لیکن خلیفہ نے ان کی ایک نہ سنی سب کو ایک ایک کر کے قتل کرا دیا۔

ہارون رشید نے آپ کو کافی سالوں کے بعد دیکھا تھا اس وقت آپ نوجوان تھے اور اب تیس سال کے بارعب شخصیت کے حامل تھے وہ آپ کو پہچان نہ سکا۔ خلیفہ نے آپ سے پوچھا: اے شخص کیا تم بھی علوی زادے ہو؟ آپ نے کہا نہیں۔ آپ نے بڑے اطمینان کے ساتھ جواب دیا اور فرمایا کہ یہ میرے بارے میں غلط بیانی ہے۔ امام کے لہجہ میں فقیہ و محدث کا

جلال ظاہر ہو رہا تھا۔ ہارون رشید آپ کی اس جرأت پر حیران رہ گیا۔

ہارون رشید نے والیٔ یمن کا خط پڑھوایا جو آپ کے خلاف اس نے ہارون رشید کو بھیجا تھا۔ جس میں لکھا تھا کہ آپ ان علوی زادوں کے ساتھ مل کر عباسیوں کے خلاف تحریک چلا رہے ہیں۔ ہارون رشید غضبناک لہجے میں بولا اگر تمہارا علویوں کے ساتھ نسبی تعلق نہیں تو پھر یہ سب الزامات کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ سب مجھ پر تہمتیں ہیں۔ آپ اہل نجران سے تصدیق کر لیں۔ میں وہاں بطور قاضی عدل وانصاف کے ساتھ خود جاگتا رہا لیکن وہاں کی عوام چین کی نیند سوتے تھے۔ میں نے انہیں انصاف فراہم کیا جس سے وہ محروم تھے۔ میں نے انہیں آزادی رائے بخشی جو سلب کر لی گئی تھی۔ میں نے والی یمن کے دست تشدد کو روکا جو خلافت عباسیہ کی تاریخ کو داغدار کر رہا تھا۔ میں اپنے دل میں ہوسِ زر نہیں رکھتا اور نہ مجھے اقتدار کا شوق ہے۔ مکہ کی گلیاں اس لئے چھوڑیں کہ بندگان خدا کے کام آسکوں۔ میرا اللہ گواہ ہے کہ میرے نام کے ساتھ جو کچھ منسوب کیا جا رہا ہے وہ سب بہتان ہے، کذب وافتراء ہے، دروغ اور تہمت ہے۔ آپ اہل نجران کو بلائیں اور ان سے میرے اعمال پر گواہی لیں۔

امام کا طرز خطاب اتنا پرسوز تھا کہ اہل دربار ساکت تھے اور ان کی آنکھوں نے ایسا فصیح البیان شخص نہیں دیکھا تھا۔ لیکن ہارون رشید پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا اور اس نے جلاد کو حکم دیا کہ اس کا بھی سر قلم کر دو جب آپ کو قتل گاہ کی طرف لے جانے لگے تو آپ نے نہایت پرسوز آواز کے ساتھ خلیفہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ یا امیر المؤمنین! میری خواہش ہے کہ آپ کے سامنے ایک مسئلہ پیش کروں۔ ہارون رشید نے اثبات میں گردن ہلا دی آپ نے فرمایا امیر المؤمنین! آپ ان دو آدمیوں کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جن میں سے ایک مجھے اپنا بھائی سمجھتا ہے اور دوسرا غلام ان دونوں میں سے میرے نزدیک کسے محبوب ہونا چاہئے؟ خلیفہ بولا جو تمہیں اپنا بھائی سمجھتا ہے۔ آپ نے کہا: امیر المؤمنین! یہ آپکے الفاظ ہیں؟ ہارون رشید بولا بیشک یہ میرا قول ہے پھر آپ نے

ہارون رشید کو مخاطب کیا اور فرمایا اے خلیفہ! آپ حضرت عباسؓ کی اولاد ہیں اور علوی حضرت علیؓ کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں اور میں محمد بن ادریس خاندان مطلب سے ہوں۔ عباس مجھے اپنا بھائی سمجھتے ہیں اور علوی غلام کہہ کر پکارتے ہیں۔

ہارون رشید سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ قریش کا یہ نوجوان مقتل میں کھڑے ہو کر اپنے دفاع کے لئے اس قدر مظبوط دلیل لائے گا۔ خلیفہ کے ساتھ تمام درباری بھی پہلو بدل رہے تھے اور آپ کی باتیں سن کر سب لوگ حیران تھے۔

ناگاہ اسی وقت خلیفہ کے دربار میں آپ کے کوفی استاد حضرت امام محمدؒ شیبانی داخل ہوئے۔ امام شافعیؒ نے جیسے ہی ان کو دیکھا تو خلیفہ سے مخاطب ہوئے اور کہا کہ آپ ان سے میرے بارے میں پوچھ سکتے ہیں، امام محمدؒ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے آئے اور اپنی نشست پر بیٹھ گئے۔ خلیفہ نے امام محمدؒ سے امام شافعیؒ کے بارے میں پوچھا کہ آپ ان کو جانتے ہیں؟ امام محمدؒ نے کہا: ہاں! میں ان کو جانتا ہوں اور پھر پُر جلال آواز کے ساتھ خلیفہ سے مخاطب ہوئے: امیر المومنین! ہرگز نہیں یہ آپ کے باغیوں میں شامل نہیں ہو سکتا۔ یہ تو اپنے وقت کا بہت بڑا عالم اور فقیہ ہے جس نے جوانی میں اتنا اونچا مقام حاصل کر لیا ہے۔ اس کے خلاف یہ سب کچھ بہتان ہے۔''

حضرت امام محمدؒ کی گواہی نے آپ کو آزاد کروا دیا اور خلیفہ کا غصہ بھی ٹھنڈا ہو گیا۔ دربار برخاست ہونے پر خلیفہ نے امام شافعیؒ کو امام محمدؒ کے اصرار پر ان کے ساتھ بھیج دیا، آپ حضرت امام محمدؒ کے گھر میں مہمان کی حیثیت سے رہنے لگے، امام محمدؒ آپ کا اپنے بیٹوں کی طرح خیال رکھتے تھے۔ آپ ان کے حلقہ درس میں بیٹھتے تھے اور لوگوں کے مسائل سنتے تھے۔ امام محمدؒ آپ کو اپنے قریب بٹھاتے تھے اور اکثر مسئلوں کے حل کے بارے میں آپ کو حکم دیتے تھے۔ آپ ان کے مسائل سن کو اس کا حل بتاتے تھے۔

ایک مرتبہ ہارون رشید اور اس کی بیوی میں کسی بات پر اتنی بحث ہوگئی کہ ہارون رشید بدکلامی پر آمادہ ہوگیا آخر زبیدہ خاتون بھی غصہ میں آگئیں اور طیش میں آکر شوہر سے کہا: ''تو جہنمی ہے'' ہارون رشید نہایت غضبناک ہوگیا اور چیخ کر بولا ''اگر میں دوزخی ہوں تو تجھے طلاق ہے'' یہ کہہ کر ہارون رشید نے بیوی کو کمرے سے نکال دیا۔ زبیدہ خاتون کمرے سے چلی گئیں اور کافی دنوں تک الگ الگ رہے۔ چونکہ ہارون رشید اپنی بیوی سے والہانہ محبت کرتا تھا لہٰذا وہ بجھا بجھا رہنے لگا دربار میں بالکل دل نہیں لگتا تھا۔ آخر دو ہفتے بعد اس نے تمام دربار کے علماء کو جمع کرکے یہ عجیب وغریب مسئلہ پیش کیا۔ اس دوران امام شافعیؒ کے کانوں تک بھی یہ خبر پہنچ گئی۔ آپ نے ہارون رشید کے بجائے اپنے استاد محترم حضرت امام محمدؒ سے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں اس مسئلے کا حل پیش کرسکتا ہوں۔ حضرت امام محمدؒ فوراً ہی آپ کو دربار خلافت میں لے گئے اور ہارون رشید سے مخاطب ہوکر کہا امیر المؤمنین! آپ کے ذاتی اضطراب وکشمکش نے اہل بغداد کو بھی ایک عجیب سی اذیت میں مبتلا کردیا ہے مگر خدا کا شکر ہے کہ محمد بن ادریس نے اس مسئلے کا حل تلاش کرلیا ہے۔ جیسے ہی امام محمدؒ کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے پورے دربار میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور خود ہارون رشید فرط جذبات سے اتنا خوش ہوا کہ اس کی آواز لرز رہی تھی۔ خلیفہ ہارون رشید نے کہا: ''اے محمد بن ادریس! اس مسئلے کا حل پیش کرو ہم تم پر انعام واکرام کی بارش کر دیں گے'' آپ نے کہا: ''میرا انعام یہی ہے کہ امیر المؤمنین کو ذہنی سکون حاصل ہوجائے۔''

آپ نے خلیفہ سے کہا اگر حضور بُرا نہ مانیں تو میں کچھ عرض کروں؟ خلیفہ بولا: ہاں آپ کہیں، آپ نے کہا: اے خلیفہ! آپ اس وقت سائل ہیں اور میں فقیہ ہوں۔ آپ نے کہا سائل دستور کے مطابق نیچے بیٹھتا ہے اور فقیہ مسند پر بیٹھتا ہے۔ لہٰذا آپ اپنے تخت سے نیچے آجائیں، خلیفہ یہ سن کر سنجیدہ ہوگیا لیکن فوراً ہی تخت سے اتر کر نیچے آکر کھڑا ہوگیا۔ امام شافعیؒ تخت پر تشریف لے گئے۔ پورے دربار میں سناٹا چھا گیا لوگ انگشت بدنداں تھے۔ آپ نے خلیفہ کو

مخاطب کر کے پوچھا ''کیا امیر المؤمنین آپ کی زندگی میں کبھی ایسا واقعہ پیش آیا ہو کہ آپ گناہ کرنے پر قادر ہوں لیکن خوف خدا کے باعث آپ گناہ سے باز رہے ہوں۔'' خلیفہ بولا'' ہاں کئی بار ایسا ہوا تھا۔ خدا کی قسم میں کئی بار مکمل قدرت رکھتے ہونے کے باوجود صرف اسلئے گناہ سے باز رہا کہ مجھے اپنے خدا سے ڈر لگتا تھا۔'' حضرت امام شافعیؒ نے باوقار انداز میں کہا میں فتویٰ دیتا ہوں کہ آپ دوزخی نہیں ہیں اہل جنت میں سے ہیں۔ دربار کے بہت سے عالموں نے بیک وقت کہا'' دعویٰ بے دلیل ہے'' آپ اس کی دلیل پیش کریں، حضرت امام شافعیؒ نے تمام باتوں سے بے نیاز ہو کر قرآن شریف کی ایک آیت تلاوت فرمائی جس کا ترجمہ یہ ہے'' جو گناہ کا ارادہ کرے اور خوف خدا سے باز رہے اس کا مقام جنت ہے'' یہ دلیل سن کر تمام علماء حیران رہ گئے۔ حاضرین کی صفوں سے داد و تحسین کا ہلکا ہلکا شور بلند ہوا۔ ہارون رشید کی خوشی نا قابل بیان تھی۔ حضرت امام شافعیؒ بلند آواز میں فرما رہے تھے'' جب امیر المؤمنین دوزخی نہیں تو پھر طلاق بھی واقع نہیں ہوئی۔'' خلیفہ ہارون رشید خوشی سے اچھل پڑا، آپ کا مداح ہو گیا اور آپ کی علمی عظمت کا معترف ہو گیا۔ آپ کو انعامات و اکرام سے نواز دیا گیا۔ کچھ عرصہ بعد بغداد میں رہنے کے بعد آپ واپس مکہ معظمہ تشریف لے آئے۔

تقریباً نو سال تک امام شافعیؒ مکہ میں مقیم رہے اور درس دیتے رہے۔ آپ کے درس میں دور دور سے لوگ آکر شرکت کرتے تھے۔ بغداد میں آپ کے استاد محترم شفیق و مہربان حضرت امام محمدؒ نے وصال فرمایا جس کا آپ کو نہایت دکھ ہوا۔ ۱۹۵ ہجری میں آپ بغداد کے لئے تشریف لائے، یہ عباسی خلیفہ ہارون رشید کا آخری دور تھا۔ خلیفہ نہایت احترام کے ساتھ پیش آیا آپ کو اپنے استاد محترم کی بہت یاد آئی، یہاں آپ ان کی قبر مبارک پر حاضر ہوئے اور انکے لئے دُعائے خیر کی۔ اسی زمانے میں یورپ سے عیسائی عالم دربار خلافت میں آئے اور انہوں نے دین اسلام کو چیلنج کیا۔

خلیفہ ہارون رشید نے دربار کے تمام عالموں کو اکٹھا کیا روزانہ عیسائی عالموں سے بحث ہوتی تھی لیکن عیسائی عالم کسی دلیل کو نہیں مانتے تھے روزانہ مناظرہ ہوتا تھا مگر لاحاصل بحث کے بعد ختم ہو جاتا تھا۔ ایسے میں ہارون رشید کو اپنے استاد امام محمدؒ کی بہت یاد آئی۔ عیسائی عالم کہتے تھے کہ مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ ان کا مذہب آخری مذہب اور پچھلے تمام دین اور نظریات منسوخ ہو چکے ہم اس دعویٰ کو نہیں مانتے جب تک کوئی روشن دلیل ہمارے سامنے پیش کی جائے۔ یہ سات راہب تھے جو علم الکلام کے ماہر تھے، روم کے حاکم نے بھیجے تھے۔ اسی زمانے میں امام شافعیؒ بھی بغداد میں دوبارہ آچکے تھے۔ خلیفہ کو جب معلوم ہوا تو اس نے آپ کو دربار خلافت میں آنے کی دعوت دی۔ آپ خلیفہ کے دربار میں اس وقت پہنچے جبکہ مناظرہ جاری تھا جب آپ دربار میں پہنچے تو آپ کو دیکھ کر ہارون رشید بہت خوش ہوا۔ رومی راہبوں پر آپ کے جلال کا خوف طاری ہو گیا اور وہ آپ کو دیکھ کر بے چین نظر آنے لگے۔ آپ کے سامنے ان کے سوالات پیش کئے گئے۔ آپ نے نہایت سکون سے انہیں سنا پھر خلیفہ سے مخاطب ہوئے۔ امام شافعیؒ کی پرسوز پُر جلال آواز سر دربار گونجنے لگی۔ آپ نے کہا ہمارے مناظرہ کا طریقہ کار جدا ہے اگر محترم مہمان حضرات پسند کریں تو دریائے دجلہ کے کنارے تشریف لے چلتے ہیں وہاں انشاءاللہ ثابت ہو جائے گا کہ کون حق پر ہے اور کس نے باطل کو اپنا شعار بنا لیا ہے؟ اس عجیب وغریب تجویز کو سن کر سب لوگ حیران رہ گئے۔ آخر سب لوگ آمادہ ہو گئے۔

جب سب لوگ دریا پر آگئے تو راہبوں نے مناظرے کی درخواست کی۔ خلیفہ نے امام شافعیؒ کی طرف دیکھا آپ نہایت مطمئن نظر آرہے تھے۔ آپ نے کہا اے عیسائی راہبو! حق تو ظاہر ہو چکا ہے مگر تمہارے دلوں کا ٹیڑھ ہے کہ تم نے روشنی کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں ہیں اور کہتے ہو کہ دنیا میں اندھیرا ہے۔ تمہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے واضح الفاظ میں خبر دی تھی کہ سچائی کی روح ''فارقلیط'' آنے والا ہے تم اس کی پیروی کرنا لیکن تمہارے فطری حسد اور

تعصب نے اپنے جلیل القدر پیغمبر کی اس خبر سے روگردانی کی۔اپنی کتاب مقدس سے تم لوگوں نے وہ اوراق حذف کردیئے جن میں فارقلیط (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کا ذکر جمیل ہے۔
پھر امام نے آنکھیں بند کرلیں اور نہایت پرسوز آواز میں خدا وحدہ لاشریک سے مخاطب ہوئے۔
''اے باراللہ اپنے بندہ شافعیؒ کو معاف فرمادے، تیری کبریائی کی قسم یہ محمد بن ادریس کا اظہار ذات نہیں، یہ نمائش عمل نہیں یہ نمود علم نہیں بس تیرے دین کی برتری مقصود ہے اپنے اس عاجز بندہ کو استقامت دے تیری تائید کے بغیر ہر دعویٰ باطل ہے۔'' پھر آپ نے نہایت عاجزی سے اللہ کے حضور روتے ہوئے دعا کی۔

پھر امام کی پرسوز آواز فضا میں گونجی اور راہبوں سے مخاطب ہوئے۔آیئے میں آپ لوگوں کو دریائے دجلہ کے بہتے ہوئے پانی پر مناظرہ کی دعوت دیتا ہوں۔یہ کہہ کر امام شافعیؒ نے اپنے کندھے سے اپنا رومال اتارا اور دریا کے پانی پر پھیلا دیا۔دریا بہہ رہا تھا لیکن آپ کا رومال ساکن تھا تمام حاضرین کی آنکھیں اس وقت حیرت سے پھٹ گئیں جب آپ رومال پر کھڑے ہوگئے جیسے آپ زمین پر کھڑے ہوں۔

خلیفہ ہارون رشید تمام علماء اور عیسائی راہب یہ کرامت دیکھ رہے تھے۔آپ نے عیسائی راہبوں کو پکار کر کہا ''اے اہل روم آؤ میری طرف آؤ'' اور یہاں آکر مجھ سے مناظرہ کرو۔رومی راہبوں کو سکتہ ہوگیا تھا کچھ دیر تک اپنی بینائی پر شک کرتے رہے امام شافعیؒ نے نہایت جلال آواز میں ان کو مناظرے کی دعوت دی انہوں نے کہا کہ اے امام! ابھی ہماری ریاضت وعبادت اس درجہ پر نہیں پہنچی کہ دریائے دجلہ ہمارے لئے گذرگاہ بن جائے۔ساتوں راہب بیک وقت بول اٹھے۔امام نے کہا عبادت وریاضت سے اس کا کوئی تعلق نہیں یہ تو محض یقین کی آزمائش ہے۔
آپ نے کہا ''میں جس خدا کی بندگی کرتا ہوں وہ ہر چیز پر قادر ہے۔اگر تمہارے ذہن کے دروازے بند نہ ہوتے تو یاد کرو کہ خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے دریا کو پایاب کر دیا تھا اور پھر اسی دریا میں فرعون اور اس کے لشکر کو غرق کردیا۔

رومی راہب رو کر کہنے لگے کہ بے شک ہم شدید گمراہی میں بتلا تھے۔ خدا کے لئے ہمیں اندھیروں سے نجات دو اور پھر سب راہب آپ کے دست حق پرست پر ایمان لے آئے۔ حاکم روم کو جب خبر ہوئی کہ اس کے تمام راہب مسلمان ہو گئے ہیں تو وہ کہنے لگا " اگر ان عالموں کی قربانی دے کر پوری عیسائی دنیا کو بچالیا گیا تو یہ بھی بڑی کامیابی ہے۔ اگر وہ شخص (یعنی مسلمانوں کا امام) یورپ آجاتا تو ساری عیسائی دنیا مسلمان ہو جاتی۔

حضرت امام شافعیؒ کی ذات اقدس کے بارے میں حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشین گوئی " آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ قریش کو ہدایت دے۔ بے شک قریش کا ایک عالم تمام روئے زمین کو علم دے گا۔"

حافظ ابو نعیم اصفہانی کہتے ہیں کہ اس حدیث میں قریش کے جس عالم کی پیشین گوئی کی ہے وہ امام شافعیؒ ہیں۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ بھی یہی فرماتے ہیں کہ وہ عالم قریش حضرت امام شافعیؒ ہیں ۔ بعض لوگوں کے خیال میں دوسری صدی کے مجدد حضرت عمر بن عبد العزیز کو مانا جاتا ہے۔ اور تیسری صدی ہجری کے مجدد حضرت امام شافعیؒ ہیں۔ حضرت امام شافعیؒ اکثر فرماتے تھے کہ امام محمدؒ کا مجھ پر احسان عظیم ہے، میں نے حضرت امام اعظمؒ کے شاگرد جلیل سے اتنی کتابیں نقل کی ہیں کہ جن کا بوجھ ایک اونٹ کے وزن کے برابر ہے۔ اگر امام محمدؒ نہ ہوتے تو مجھے علم سے کوئی مناسبت نہ ہوتی۔ "کتاب الرسالہ" آپ کی معرکۃ الآراء تصنیف ہے۔ آپ حدیث وفقہ میں بے نظیر تھے لیکن انشاء پردازی میں بھی آپ جیسا کوئی نہ تھا۔ "کتاب الام" بھی فصاحت وبلاغت سے پر ہے۔ ۲۰۴ ہجری میں چون سال کی عمر میں اس جہان فانی سے کوچ کر گئے۔ آپ کے وصال نے علم وفضل کی دنیا کو محروم کر دیا مگر علم وفقہ کی صورت میں اس دنیا میں بہت سے جلیل القدر شاگرد چھوڑ گئے۔ علم وفضل فقہ وحدیث کے اس جہانگیر کا ذکر تا قیامت ہوتا رہے گا۔

(ماخوذ از اللہ کے سفیر مصنفہ خان آصف)

حضرت امام احمد بن حنبلؒ

امامِ برحق، عالم بے بدل، مجتہد محدثِ اعظم حضرت امام احمد بن حنبل حدیث وفقہ کے مشہور جہانگیر تھے۔آپ نے حق کی خاطر طرح طرح کی تکالیف اٹھائیں مگر پائے ثبات کو لغزش نہ آئی اور اپنی زندگی داؤ پر لگادی مگر آپ کے ایمان وایقان میں ذرا سی جنبش پیدا نہیں ہوئی۔حق وصداقت کے دفاع میں کوڑے کھائے مگر آپ کا ایمان متزلزل نہ ہوا۔ آپ ربیع الاول ۱۶۴ھ ہجری میں بغداد میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد گرامی کا نام محمد بن حنبل تھا، حنبل آپ کے دادا تھے۔نسبی اعتبار سے آپ خالص عرب تھے، بنو عدنان کے قبیلے شعبان سے آپ کا تعلق تھا۔ اس قبیلہ کو اپنی شجاعت اور عزت کے سبب تمام قبائل میں ایک خاص مقام حاصل رہا ہے۔

آپ کم سنی میں یتیم ہو گئے ۔ والدہ ماجدہ نے آپ کی پرورش غربت اور افلاس کے باوجود بہت عمدہ طریقے سے کی، آپ نے پہلے قرآن شریف حفظ کیا پھر علم کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ ابتدائی تعلیم سے فراغت پاکر سب سے پہلے حضرت امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد قاضی ابو یوسفؒ سے درس لیتے رہے۔ پہلے علم حدیث کی طرف راغب رہے اور بغداد کے علماء عمیر بن عبداللہؒ اور عبدالرحمٰن بن مہدیؒ سے تعلیم لی۔طلب حدیث میں پانچ بار حجاز مقدس کا سفر کیا اور حج بیت اللہ کی سعادت حاصل ہوئی۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو علم حدیث وفقہ حضرت امام مالکؒ سے بھی حاصل ہوا۔عبداللہ بن مبارکؒ جو امام اعظمؒ کے مشہور شاگرد تھے ان سے ملنے کا آپ کو اشتیاق تھا مگر آپ ان سے نہ مل سکے جس کا آپ کو کافی افسوس رہا چونکہ عبداللہ بن مبارک اس زمانے میں وصال کر گئے۔ پھر آپ حضرت سفیان بن عیینہ کے درس میں شامل ہو گئے، علم حدیث کی تکمیل کے بعد آپ علم فقہ کی جانب متوجہ ہوئے اور حضرت امام شافعیؒ سے علم فقہ حاصل کیا۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی زندگی کا سرمایہ عشق رسول تھا اور اسی عشق نے آپ کی روحانی تربیت کی۔ عزتِ نفس، قوتِ برداشت، تحقیق و جستجو یہ سب کچھ اسی عشق کا نتیجہ تھا۔ تحصیل علم حدیث میں جہاں آپ نے بے مثال مشقتیں برداشت کیں وہاں ادب کا لازوال نمونہ بھی پیش کیا۔ احترام رسول کا یہ عالم تھا کہ آپ حدیث کھڑے ہو کر سنا کرتے تھے۔ آپ کے دل میں محدثین کرام کی اسقدر عزت وتوقیر تھی کہ دنیا کا کوئی فرماں بردار غلام بھی اپنے آقا کی اتنی عزت نہیں کرے گا۔ حضرت امام حنبل فطرتاً نہایت نرم دل انسان تھے۔ پیغمبر اسلام کی محبت نے ان کے گداز قلب میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔ دوسروں کی تکلیف کا اس قدر احساس رہتا تھا مگر خود بے نیازی کا یہ عالم تھا کہ اگر کوئی عقیدت مند اپنی جائز کمائی سے کچھ رقم بطور نذر پیش کرتا تو آپ اسے قبول نہیں کرتے تھے۔

آپ کے زمانے میں فرقہ معتزلہ نے بہت زور پکڑا۔ ہارون رشید چونکہ راسخ العقیدہ مسلمان تھا لہٰذا اس کے زمانے میں یہ تحریک دبی رہی لیکن مامون رشید کے زمانے میں یہ فرقہ اُبھر کر سامنے آیا۔ اس فرقہ کے نزدیک قرآن مخلوق تھا اور یہ لوگ اللہ کے کلام کرنے کے قائل نہیں تھے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے کلام نہیں کیا اور یہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اللہ سے کلام کرنے کے مخالف تھے ان کے نزدیک اللہ کلام کرنے کی صفت سے عاری ہے۔ ان کے عجیب وغریب ملحدانہ عقائد نے خلافت عباسیہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔

خالد بن عبداللہ، جہم بن صفوان، ہذیل اور ان سب کا امام واصل بن عطا، اللہ کی صفت کلام کے منکر تھے اور قرآن کو مخلوق سمجھتے تھے۔ فرقہ معتزلہ کا جب دوسرا دور آیا تو یہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے منکر ہو گئے۔ معتزلہ کا یہ عقیدہ تھا کہ خدا نے جس طرح اور چیزیں پیدا کی ہیں اسی طرح اور چیزیں بھی پیدا کی ہیں اسی طرح صفت کلام بھی پیدا کی، اس بنیاد پر ان کا دعویٰ تھا کہ قرآن مخلوق ہے۔ خلافت عباسیہ میں معتزلہ نے زور پکڑا اور خلق قرآن کے مسئلے میں نئے نئے

نکتے پیدا کئے اور انہوں نے اس وقت کچھ فقیہوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا یہ سب علم الکلام پر عبور رکھتے تھے۔ مامون رشید نے دربار خلافت میں بحث و مباحثہ منعقد کرنے شروع کر دیئے، اس سے غلط قسم کے عقائد نے جنم لیا اور امت مسلمہ پراگندگی اور انتشار کا شکار ہوگئی۔ مامون رشید بہت کٹر قسم کا معتزلی تھا اس نے اس عقیدہ کی ترویج و تبلیغ کے لئے نہایت ظالمانہ طریقے ایجاد کئے۔ مملکت اسلامی کے تمام قاضیان و مفتیان کو جبری طور پر اس عقیدہ کا حامل بنایا، عالموں کو سخت ایذائیں دیں۔ زنجیروں میں جکڑ کر قید خانوں میں ڈال دیا گیا۔ جو لوگ ظلم و تشدد برداشت نہ کر سکے انہوں نے مجبوراً جان بچانے کی خاطر خلیفہ کی ہاں میں ہاں ملا دی بظاہر اس عقیدہ کا اقرار کر لیا۔ بہت سے عمال سلطنت اس باطل عقیدے کے حامل ہو گئے۔

جب معتزلہ فرقہ کو اپنی طاقت کا صحیح اندازہ ہو گیا تو انہوں نے خلیفہ مامون رشید کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ خلق قرآن کے عقیدہ کا سرکاری طور پر اعلان کرے۔ احمد بن ابوداؤد کی منصوبہ بندی کامیاب ہوئی جو وزیر سلطنت تھا۔ بغداد کے نائب حاکم اسحاق بن ابراہیم کو تمام عمال سلطنت اور تمام قاضی اور فقیہہ حضرات کو دربار میں بلوایا گیا۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ بھی ان میں شامل تھے۔

تمام علماء اور فقیہان نے جان کے خوف سے اس باطل عقیدہ کا اقرار کر لیا۔ لیکن امام احمد بن حنبلؒ اور حضرت امام نوح، امام سجادہ، قواریری ان چار علماء نے اقرار نہیں کیا۔ ان چاروں کو زنجیریں پہنا دی گئیں اور ان عالموں کو سپاہی کھینچتے ہوئے مامون کے دربار میں لے جانے لگے۔ رات کو ان کی پیٹھ پر کوڑے برسائے جاتے تھے۔ سجادہؒ اور قواریریؒ اور امام نوحؒ نے باوجود روزانہ کوڑے کھانے کے اقرار نہیں کیا۔ سفر کی مسافت اور ظلم و جور کی کثرت نے ابن نوح جو بہت ضعیف و ناتواں تھے موت کو گلے لگا لیا اور راستے ہی میں انتقال کر گئے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو اپنے ساتھی کی موت کا بہت دکھ ہوا لیکن یہ سب دیکھ رہے تھے، ظلم

سہتے سہتے کمزور ہوگئے مگر منہ سے کوئی فریاد وفغاں نہیں کی۔ ابھی اس مظلوم کا قافلہ بغداد سے کافی فاصلے پر تھا کہ خلیفہ مامون انتقال کر گیا، اس کے انتقال پر عالموں نے در پردہ خوشی منائی لیکن مرتے وقت وہ اپنے جانشین معتصم باللہ کو وصیت کر گیا کہ اس فرقہ کی تبلیغ کرتے رہنا او رعالموں کو سختی کے ساتھ اس دین کا پابند کرنا۔

خلیفہ معتصم باللہ کے دربار میں اللہ کے اس شیر کو زنجیروں میں جکڑے ہوئے پیش کیا گیا، آپ سے اس باطل عقیدہ پر ایمان لانے کو کہا گیا مگر آپ نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ اللہ کا کلام مخلوق کیسے ہوسکتا ہے؟ آپ کا جواب سن کر خلیفہ غصہ میں آ گیا اور اس کے حکم سے جلاد نے آپ پر کوڑے برسانا شروع کر دیئے۔ ایک روایت میں ہے کہ جب جلاد آپ پر کوڑے برسا رہا تھا تو اس وقت آپ کا ازار بند ٹوٹ گیا اور ستر برہنہ ہونے کو تھا کہ آپ نے اللہ سے گڑگڑا کر مدد طلب کی، اسی وقت غیب سے دو مہیب ہاتھ نمودار ہوئے اور آپ کا ازار باندھ دیا گیا، لوگ ڈر کر دربار سے بھاگنے لگے۔ خود خلیفہ کا یہ حال تھا کہ وہ ڈر کر تخت کے نیچے جا کر چھپ گیا، خلیفہ نے ڈر کر آپ کو آزاد کر دیا۔

خلیفہ معتصم کے انتقال کے بعد مامون کا بیٹا واثق باللہ خلیفہ بنا اس نے جبر وتشدد کے بجائے نرم پالیسی اختیار کی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر معتصم باللہ کی طرح اس نے بھی امام پر ظلم وستم کیا تو عوام میں امام کی محبت اور عقیدت اور بڑھ جائے گی اور امت مسلمہ خلافت عباسی کے زیادہ شدت کے ساتھ خلاف ہو جائے گی اور کچھ عجب نہیں کہ انقلاب آ جائے اس ڈر سے اس نے یہاں تک کیا کہ امام سے لوگوں کے ملنے پر پابندی لگا دی، خلیفہ عباسی واثق باللہ کے آخری دور میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا جس نے اس کے خیالات کو یکسر بدل دیا۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ ایک گمنام شخص خلیفہ کے دربار میں حاضر ہوا اور وزیر مملکت احمد داؤد بھی دربار میں موجود تھا، اجنبی شخص نے واثق باللہ سے اجازت لے کر ابو داؤ سے مخاطب ہو کر کہا: ''جس بات کی دعوت نہ

رسالت مآب نے دی اور نہ حضرت ابوبکر و عمرؓ نے دی نہ عثمانؓ اور علیؓ نے پھر تم کیوں لوگوں کو اس طرف بلاتے ہو۔''؟

ابوداؤد خاموش رہا۔ اجنبی نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔'' اب دو صورتیں باقی رہ جاتی ہیں یا تو یہ حضرات قرآن کی حیثیت سے واقف نہیں تھے یا پھر انہیں قرآن کی حقیقت کا علم ہی نہیں تھا۔ اب اگر تم لوگ یہ کہتے ہو کہ وہ لوگ واقف تھے لیکن اس معاملے میں سکوت اختیار کیا تو پھر تمہیں بھی خاموش رہنا چاہیئے اور اگر تمہارا دعویٰ یہ ہے کہ وہ لوگ اس مسئلے سے آگاہ نہیں تھے تو پھر اسلام کہاں باقی رہ جاتا ہے۔؟

خلیفہ واثق نے جب یہ بات سنی تو اپنی نشست سے اچھل پڑا اور بار بار یہ الفاظ دہرائے: ''میں نے اس شخص کو معاف کیا اور اب تک جو کچھ میں کرتا آیا، اس سے میں نے توبہ کرلی'' اس واقعہ کے بعد خلق قرآن کا مسئلہ تقریباً ختم ہوگیا لیکن امام احمد بن حنبل کی نظر بندی برقرار رہی یہاں تک کہ خلیفہ واثق باللہ دنیا سے رخصت ہوگیا اور متوکل باللہ خلیفہ بنا۔ اس نے امام کو باعزت رہا کردیا اور ابوداؤد وزیر کو ذلت کے ساتھ معزول کردیا، خلیفہ متوکل باللہ امام احمد بن حنبل سے محبت کرتا تھا، وہ امام کی عظمت کا دل کی گہرائیوں کے ساتھ قائل تھا اس لئے امام کا ادب واحترام کرتا تھا۔

سخت ترین اذیتوں نے آپ کی صحت کو تباہ کرڈالا تھا یہاں تک کہ بستر مرگ پر دراز ہوگئے، بیماری کے دوران فرماتے تھے'' میں نے خدا سے خوف طلب کیا تو اس نے اتنا خوف عطا کیا کہ مجھے اپنی عقل کے زوال کا خطرہ پیدا ہوگیا، پھر میں نے خالق سے پوچھا کہ تیری قربت کس طرح حاصل کروں؟ جواب میں کہا گیا کہ تجھے میرا قرب قرآن سے حاصل ہوگا۔'' کسی شاگرد نے سوال کیا کہ زہد کیا ہے؟ حضرت امام نے فرمایا'' عوام کا زہد حرام اشیاء کو ترک کردینا او رعارفوں کا زہد خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ آپ کو غشی کے دورے پڑنے لگے ایک دن ہوش آیا

تو آپ کے صاحبزادے نے آپ کی طبیعت پوچھی۔ آپ نے فرمایا دعا کرو کہ میں ایمان کی سلامتی کے ساتھ اپنے رب کے حضور میں حاضر ہوں، شیطان کہتا ہے کہ احمد بن حنبل میرے ہاتھ سے بچ گیا۔ میں کہہ رہا ہوں ابھی نہیں، ابھی نہیں، جب تک نفس امارہ موجود ہے خطرہ باقی ہے۔ یہ کہتے کہتے آپ کی روح اقدس عالم بالا کو پرواز کر گئی اور آپ نے اس جہاں فانی سے پردہ فرمالیا۔ لیکن ان کی جہانگیریت اور سچائی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ رہے گی۔

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

شریعت وطریقت کے امام حضرت جنید بغدادی جن کا لقب سید الطائفہ ہے دنیائے تصوف کے بہت بڑے جہانگیر تھے۔ آپ ۲۱۵ھ ہجری کو مشہور شہر نہاوند میں پیدا ہوئے جو کہ ایران وترکی کے پہاڑی علاقے میں واقع ہے۔ آپ کے والد بزرگوار حضرت محمد تھے اور دادا کا نام جنید قواریری تھا۔ آپ کے والد جناب محمد نے اپنے والد کے نام پر آپ کا نام رکھا تھا۔ تاریخ عالم میں آپ جنید بغدادی کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ کے والد محمد شیشہ کے سامان کی تجارت کرتے تھے۔ وطن مالوف سے آپ کے والد صاحب نے بغداد ہجرت فرمائی کیونکہ یہ شہر علم وفضل اور تجارت میں دنیا میں مشہور تھا۔ یہاں آکر آپ کے والد کا کاروبار خاصہ ترقی کر گیا۔ آپ کے ماموں حضرت امام سری سقطیؒ اس وقت کے مشہور عالم دین اور صوفی بزرگ تھے۔

آپ جب چھوٹے تھے تو والد صاحب کے ساتھ دکان پر بیٹھتے تھے۔ ایک دن آپ کے ماموں تشریف لائے اور حضرت محمد سے یہ کہہ کر بھانجے کو اپنے ساتھ لے گئے کہ یہ بچہ جوان ہو کر سیکڑوں آئینے تراشے گا اور وہ ایسے آئینے ہوں گے کہ جن کی آب وتاب تا قیامت باقی رہے گی۔ آپ حضرت امام سری سقطیؒ کے پاس رہنے لگے۔ امام موصوف نے بھانجے کو اپنے رنگ میں رنگنا شروع کر دیا اور صرف ایک سال ہی کا عرصہ گذرا تھا کہ حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے۔ ساتھ میں آپ بھی ماموں جان کے ہمراہ تھے۔

اس سفر کے بارے میں حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ مکہ معظّمہ پہنچنے کے بعد ایک دن خانہ کعبہ کے صحن میں حضرت امام سری سقطی تشریف فرما تھے۔ آپ کے گرد عارفوں اور صوفیوں کا ہجوم تھا، میں ان بزرگوں کے قریب ہی کھیل رہا تھا،، باتوں باتوں میں یہ مسئلہ چھڑ گیا

کہ ''شکر'' کیا ہے؟

تمام بزرگ اپنے اپنے انداز میں خیالات کا اظہار کررہے تھے۔ آخر میں حضرت سری سقطی نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا ''بیٹا جنید تم بھی بتاؤ کہ شکر کسے کہتے ہیں؟ میں نے جھجکتے ہوئے تمام بزرگوں کی طرف دیکھا اور پھر عرض کیا ''اللہ کی نعمتوں کو پاکر اس کی نافرمانی نہ کی جائے میرے نزدیک اسی کا نام شکر ہے۔''

ایک سات سالہ بچے کی زبان سے یہ الفاظ سن کر تمام بزرگ جھوم اُٹھے اور حضرت جنید بغدادیؒ کی ذہانت کی تعریف کرتے رہے۔ حضرت سری سقطیؒ نے بھانجے کی طرف محبت کے ساتھ دیکھ کر فرمایا: مجھے یقین ہے کہ تمہیں حق تعالیٰ سے جو فیض پہنچے گا وہ تمہاری زبان کے ساتھ مخصوص ہوگا۔ حضرت سری سقطیؒ کی یہ پیش گوئی حرف بہ حرف درست ثابت ہوئی۔ جب آپ جوان ہوئے تو ساری دنیا آپ کے اعجاز کلام کی قائل تھی، آپ کی عمر جب آٹھ سال ہوگئی تو اپنے ماموں کی ہدایت پر آپ اس دور کے مشہور فقیہ حضرت ابو ثورؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کی شاگردی اختیار کی۔ جب آپ کی عمر بیس سال کو پہنچی تو آپ فقہ میں اتنی دسترس حاصل کر چکے تھے کہ آپ بھی فتویٰ دینے لگے۔ بڑے بڑے صاحبان علم جن مسائل کی گہرائیوں تک نہیں پہنچ پاتے تھے ان مسائل تک آپ کو رسائی حاصل تھی۔ یہ قدرت کا عطیہ تھا اور آپ کے ماموں حضرت امام سری سقطیؒ کی دعائیں تھیں کہ اتنی کم عمری میں علم کے اعلیٰ مدارج پر پہنچ گئے تھے۔ علم حدیث وفقہ پر عبور حاصل کرنے کے بعد آپ کے ماموں نے آپ کو اس زمانہ کے مشہور صوفی حضرت حارث محاسبی کے پاس بھیجا۔ یہ بزرگ علم وفضل زہد وتقویٰ میں یگانہ روزگار تھے۔ اور تبع تابعین تھے۔ آپ ان سے علم تصوف حاصل کرتے رہے، حضرت شیخ ابو عبداللہ حارث محاسبیؒ ۲۴۳ھ ہجری میں وصال کر گئے۔ پھر آپ کے ماموں نے ان کو اپنے پاس بلالیا۔ جب آپ کی عمر شریف ۲۸ سال کے قریب پہنچی تو آپ ماموں کے دست حق پرست پر بیعت ہو گئے۔

ایک دن حضرت جنید بغدادیؒ نے اپنے پیرومرشد سے عرض کیا ''مجھے کوئی ایسا قصہ سنائیے جس سے عشق کی سچائی کا اظہار ہوتا ہو۔'' حضرت سری سقطیؒ نے ایک کاغذ پر کچھ تحریر کیا اور وہ کاغذ حضرت جنید بغدادیؒ کو دے دیا اور کہا کہ اسے پڑھ لینا یہ تمہارے لئے سات سو قصوں سے بہتر ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ نے تنہائی میں اسے کھول کر دیکھا تو عربی زبان کے تین شعر درج تھے:

''جب میں نے محبت کا دعویٰ کیا تو وہ بولی کہ تم جھوٹے ہو''

''اگر تمہیں محبت ہے تو تمہارے ہاتھ پاؤں اتنے درست کیوں نظر آرہے ہیں۔''

''اور اس قدر گھل مل جاؤ کہ گوشہ چشم کے سوا کچھ باقی نہ رہے جس سے تم آنسو بہاؤ اور عاجزی کرو۔''

یہ اشعار پڑھ کر حضرت جنید بغدادیؒ پر گریہ طاری ہوگیا اور آپ کے سینے میں آتشِ عشق اس طرح بھڑکی کہ حق تعالیٰ کی یاد کے سوا سب کچھ جل کر راکھ ہوگیا۔

عباسی خلیفہ معتصم باللہ کے دربار کے علماءِ ظاہری آپ کی شہرت سے بہت جلتے تھے۔ آپ کے علم اور آپ کے کردار کی عظمت نے دور دور سے لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لیا تھا، بغداد میں آپ کی شہرت اتنی تھی کہ بچہ بچہ آپ کے نام سے واقف تھا، خلیفہ بغداد کو لوگ گمراہ کر رہے تھے اور آپ کے بارے میں کہہ رہے تھے کہ یہ شخص لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے، سماع سنتا ہے، رقص کرتا ہے اور لوگوں کو صوفیت کی تعلیم دیتا ہے۔ خلیفہ عباسی جواب میں کہتا کہ یہ انسان کا اپنا فعل ہے کہ وہ مسجد میں کھلے عام اللہ کی عبادت کرے یا گوشہ نشین ہوکر اپنے مالک کو یاد کرے لیکن حاسد اس کے کان بھرنے سے باز نہیں آتے تھے، وہ کہتے تھے کہ یہ ان کی مصنوعی درویشی اور ظاہری تقویٰ ہے اور لوگ ان کو دیکھ کر دھوکا کھاتے ہیں۔ خلیفہ ان سے کہتا تھا کہ کسی حجت کے

جنید کو ان کے اشغال و عمل سے نہیں روکا جا سکتا۔ پھر اس نے علماء سے کہا:

"اچھا میں اسے خود آزماؤں گا پھر اس کے بعد ہی کوئی فیصلہ کروں گا"

خلیفہ کی ایک کنیز تھی جو بہت خوبصورت تھی، کنیز کے خدوخال اس کے قدر دلکش تھے کہ وہ اپنے زمانے میں خوبصورتی کی ایک اعلیٰ مثال تھی۔ خلیفہ نے اس کنیز سے کہا کہ تو ایک کام کر قیمتی جوڑا زیب تن کر کے زر و جواہر سے آراستہ ہو جا اور جنیدؒ کے آستانہ پر جا کر ان کے کردار کو آزما اور ان سے عقیدت کا اظہار کرنا۔ اگر وہ دنیاوی انسان ہیں تو یقیناً تیری طرف راغب ہوں گے اور اگر وہ واقعی پارسا اور خدا پرست ہیں تو تیری طرف رخ بھی نہیں کریں گے۔ کنیز بڑے عاجزانہ طور پر حضرت جنید بغدادیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اپنے خوبصورت چہرہ کو بے نقاب کر دیا۔ حضرت جنید بغدادیؒ نے اس فتنہ سامان ہوش ربا عورت کی طرف دیکھا اور فوراً ہی سر جھکا لیا، کنیز آپ سے کہنے لگی حضور آپ میری راہنمائی کریں، میں آپ کی صحبت میں رہ کر اپنی باقی ماندہ زندگی یادِ الٰہی میں گذارنا چاہتی ہوں، کنیز کے ساتھ ایک خادم بھی بھیجا گیا تھا تا کہ آنکھوں دیکھا حال خلیفہ کو بتا سکے۔

حضرت جنید بغدادیؒ نے کنیز کی باتیں سن کر ایک سرد آہ بھری پھر اس کی طرف نہایت پُر جلال نظروں سے دیکھا۔ حضرت جنید بغدادیؒ کے چہرہ کا رنگ جلال دیکھ کر کنیز اس قدر خوف زدہ ہو گئی کہ فرش پر گر کر تڑپنے لگی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ غلام بدحواسی کے عالم میں خلیفہ کے پاس آیا اور سارا ماجرا بیان کیا۔ خلیفہ نہایت غضب کی حالت میں آپ کے پاس آنے لگا۔ خوشامدیوں نے بہت منع کیا کہ آپ کیوں وہاں جاتے ہیں؟ ان کو حکم دے کر اپنے دربار میں طلب کریں۔ مگر خلیفہ نے درباری ملاؤں کی بات نہ مانی، وہ کہنے لگا کہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہوں کہ شیخ جنید کون ہیں اور ان کی خانقاہ میں کیا ہوتا ہے؟

پھر جب عباسی خلیفہ حضرت جنید بغدادیؒ کے آستانہ کے قریب پہنچے تو پورے علاقہ

میں امیر المومنین کی آمد کا شور مچ گیا۔ خدمت گاروں نے حضرت جنید بغدادیؒ کو خبر دی مگر آپ اطمینان کے ساتھ اپنے آستانہ میں بیٹھے رہے۔ جب عباسی خلیفہ آپ کی خانقاہ میں داخل ہوا تو آپ نے ایک مسلمان کی حیثیت سے کھڑے ہو کر اس کا استقبال کیا اور مزاج پرسی کی۔ خلیفہ نے ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بجائے آپ سے پوچھا کہ یہ آپ کی کیسی ادا ہے کہ آپ نے ایک محبوبہ دلنواز کو مار ڈالا اور اسے جلا کر خاک کر دیا۔ خلیفہ کی بات سن کر حضرت جنید بغدادیؒ نے بے نیازی سے فرمایا ''امیر المومنین! آپ کی یہ مجھ پر کیسی شفقت ہے کہ میری چالیس سالہ ریاضت، مجاہدات کو وہ کنیز ایک لمحے میں برباد کر ڈالتی اور لوگ میرا تماشہ دیکھتے رہ جاتے۔ حضرت جنید بغدادیؒ کی قوت کشف دیکھ کر خلیفہ سناٹے میں آگیا۔ آپ نے خلیفہ سے کہا: ''امیر المومنین ایک انسان میں یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ انسان کو مار ڈالے'' پھر آپ نے فرمایا اے خلیفہ! ''میں گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر جسے پکار رہا ہوں وہ خود نہیں چاہتا کہ میرے اور اس کے درمیان کوئی غیر حائل ہو جائے۔''

خلیفہ خاموشی سے وہاں سے چلا گیا۔ پھر جب آپ کے مخالفین نے دوبارہ آپ کی شکایت کی اور اس کے کان بھرنے لگے تو وہ نہایت غصہ میں ان سے بولا ''تم جھوٹ بولتے ہو'' کہنے لگا کہ جو شخص خود فتنے میں مبتلا نہیں ہوا اسے دیکھ کر دوسرے لوگ کبھی گمراہ نہیں ہو سکتے۔ خلیفہ بعد میں آپ کی بہت عزت و احترام کرتا تھا۔

(تذکرۃ الاولیاء حضرت شیخ فرید الدین عطار)

ایک مرتبہ آپ کی محفل سماع منعقد تھی، صوفیوں کو کیفیت ہو رہی تھی۔ مشائخین وجد میں بے خود ہو کر حال قال رقص کرنے لگے۔ سماع کے دوران حضرت جنید بغدادیؒ پر بھی وجد کی انتہائی کیفیت طاری تھی۔ قریب ہی کچھ راہبوں کا گذر ہوا وہ سب بڑی حیرت سے اس منظر کو دیکھ رہے تھے، بعد میں راہبوں کے پیشوا نے وجد میں آنے والے لوگوں کو پکڑ کر ان سے اس کیفیت کے بارے میں دریافت کرنے کی کوشش کی لیکن اہل وجد نے اس کا جواب نہیں دیا اور

بدستور وجد میں مصروف رہے۔آخر جب محفل سماع ختم ہوگئی تو ایک بزرگ سے پیشوا نے پوچھا تو بزرگ نے کہا کہ اس حالت میں ہم کچھ بتا نہیں سکتے کہ ہماری کیا کیفیت ہوتی ہے، راہبوں کا پیشوا حیران تھا کہ آخر انسان پر جذب کی یہ کیفیت کیسے طاری ہوتی ہے؟ پھر اس نے پوچھا کہ تمہارا شیخ یعنی پیشوا کون ہے لوگوں نے جنید بغدادیؒ کی طرف اشارہ کردیا، راہبوں کا پیشوا آپ سے کہنے لگا کہ کچھ دیر پہلے آپ لوگوں کو عجیب کھیل میں مشغول پایا۔آپ کے تمام ساتھی اور آپ بے خود تھے کہ انہیں اپنے گرد پیش کی بھی خبر نہیں تھی۔

حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا: جسے تم کھیل سمجھ رہے ہو یہ دنیاداروں کا نہیں اہل اللہ کا مشغلہ ہے۔جب ہم لوگ یہ شغل کرتے ہیں تو پھر اپنے ہوش میں نہیں رہتے، راہبوں کے پیشوا نے پھر پوچھا ''کیا تم لوگوں کو اس کھیل میں کوئی خاص لذت حاصل ہوتی ہے؟'' آپ نے فرمایا: ''تم اس لذت کو نہیں سمجھو گے'' کیا تم نے ایسی کوئی لذت دیکھی ہے جسے پاکر انسان دیگر تمام لذتوں کو فراموش کردے۔ یہ ہمارا روحانی کھیل ہے اسے سماع کہتے ہیں۔''راہب نے کہا کیا سماع دوسرے مذاہب میں بھی پایا جاتا ہے؟'' آپ نے فرمایا نہیں! سماع صرف ہمارے ساتھ مخصوص ہے۔مگر ہمارے نزدیک سماع کی ایک شرط ہے کہ اس عمل سے شریعت کے کاموں میں کوئی خلل نہ پڑے اور انسان کا زہد وتقویٰ متاثر نہ ہو۔

راہبوں کے پیشوا نے کہا: میں اور میرے ساتھی برسوں سے سخت ترین ریاضت کررہے ہیں مگر ہم لوگوں کو یہ کیفیت کبھی حاصل نہیں ہوئی، ہمارے دل ودماغ شب وروز ایک عجیب سے اضطراب میں مبتلا رہتے ہیں۔آج تم لوگوں کو دیکھ کر اپنی محرومیوں کا احساس ہوتا ہے۔یہ کہہ کر عیسائی پیشوا حضرت جنید بغدادیؒ کے دست حق پرست پر ایمان لے آیا پھر اس کے دوسرے ساتھی بھی حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔ یہ آپ کی محفل سماع کی ادنیٰ سی کرامت تھی کہ جسے دیکھ کر راہبوں نے اپنا آبائی دین ومذہب بدل ڈالا۔

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے تھے:

''جب تم کسی صوفی کی یہ حالت دیکھو کہ وہ ظاہر داری کی باتوں کا زیادہ خیال رکھتا ہے تو سمجھ لو کہ اس کا باطن خراب ہے۔''

تصوف تو ایک جنگ ہے جس میں صلح نہیں۔ جنگ سے مراد نفس امارہ کے خلاف جنگ ہے اور نفس آخری سانس تک باقی رہتا ہے، اس لئے نفس کے ساتھ صلح نہیں ہو سکتی۔

آپ فرماتے تھے کہ تصوف اللہ کے ساتھ معاملات کے صاف ہونے کا نام ہے اور اس کی بنیاد یہ ہے کہ دنیا سے روگردانی کی جائے۔

آپ فرماتے تھے کہ تصوف یہ ہے کہ اسی تصوف سے اللہ تیری خودی کو مٹا ڈالے اور پھر تصوف سے تجھے زندہ کرے۔

آپ نے فرمایا! صوفی وہ ہے جو زمین کے مانند ہو کہ دنیا بھر کی غلاظت اس پر ڈالی جاتی ہے مگر اس کے اندر سے سرسبز فصل پھولتی ہے۔

آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ تصوف کی بنیاد آٹھ خصلتوں پر ہے جو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص تھیں۔

(۱) سخاوت جو ابراہیم علیہ السلام کا وصف خاص تھی۔ دوسری روایت میں ہے کہ صوفی کا دل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح دنیا کی دوستی سے پاک ہو۔

(۲) رضا جو اسحاق علیہ السلام کے لئے مخصوص تھی یا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مخصوص تھی۔

(۳) صبر جس کا حق حضرت ایوب علیہ السلام نے ادا کیا۔

(۴) اشارہ جو حضرت زکریا علیہ السلام کے لیے مختص کیا گیا تھا۔

(۵) اندوہ غم جسے حضرت داود علیہ السلام کے لیے مختص کیا گیا تھا۔

(۶) غریب الوطنی جو حضرت یحییٰ علیہ السلام کے لئے مخصوص ہے۔

(۷) سیاحت جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خصائص میں تھی۔

(۸) فقر اور درویشی جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور خاص بخشے گئے تھے۔

مناجات میں صوفی کا اخلاص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ہو۔

مسلسل ریاضتوں اور مجاہدات سے اور پیرانہ سالی میں محنت و مشقت کی وجہ سے آپ کا جسم لاغر ہو گیا تھا، لہٰذا آپ بیمار رہنے لگے ۲۹۸ ہجری تا ۳۰۲ ہجری تک آپ مسلسل بیمار رہے۔ جب آخری وقت آ گیا تو اپنے شاگرد خاص اور خلیفہ حضرت شیخ ابو محمد جریریؒ سے فرمایا کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے غسل دے کر میری نماز جنازہ پڑھا دینا۔ آپ کی خواہش سن کر آپ کے خلیفہ و مریدین رونے لگے، آپ نے کہا: یہ رونے کا وقت نہیں ہے ایک اور بات یاد آ گئی ذرا سا غور سے سنو: میرے دوستوں کے لئے دعوت ولیمہ کا سامان تیار رکھنا تاکہ جیسے ہی لوگ مجھے دفن کر کے آئیں انہیں کھانا کھلا دیا جائے۔'' اپنی موت کو شادی سے تعبیر کرنا یہ حضرت جنید بغدادیؒ جیسے مرد جانباز ہی کا حوصلہ تھا۔

آپ نے وصال سے پہلے پورا قرآن شریف ختم کیا اور موت سے پہلے دوبارہ تلاوت شروع کی، حضرت محمد جریریؒ نے عرض کیا: سیدی ضعف و ناتواں کا یہ عالم ہے اور آپ برابر تلاوت کر رہے ہیں۔ جب سورۃ البقرہ کی سترویں آیت پر پہنچے تو ایک لمحے کے لئے ٹھہر گئے پھر آپ نے بلند آواز سے بسم اللہ الرحمن الرحیم کہا اور پھر آپ کی روح مبارک آسمانوں کی طرف پرواز کر گئی۔

کسی بزرگ نے خواب میں دیکھا آپ سے پوچھا کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ آپ نے کہا اللہ کی رحمت کے سوا کچھ کام نہیں آیا، ساری عبادتیں اور ریاضتیں رائیگاں گئیں بس صرف دو رکعت نماز جو میں آدھی رات کو اٹھ کر پڑھتا تھا وہ مقبول ہوئیں اور وہی میرے کام آئیں۔

شیلانی رحمۃ

قطب ربانی محبوب سبحانی حضرت عبدالقادر گیلانیؒ

سرچشمہ معرفت تاجدار ولایت امام الاولیاء غوث صمدانی قطب ربانی محبوب سبحانی غوث الاعظم دستگیر زمان مونس بیکساں حضرت محی الدین عبدالقادر جیلانی ۴۷۱ھ ہجری یا بعض روایات کے مطابق ۴۷۰ھ ہجری میں قصبہ جیلاں میں پیدا ہوئے، حضرت امام حسن سے بارھویں پشت اور والدہ کی طرف سے حضرت امام حسین سے تیرھویں پشت میں جا کر ملتا ہے۔ آپ سادات حسنی سے تعلق رکھتے تھے اور نجیب الطرفین سید تھے۔ آپ یکم رمضان المبارک کو پیدا ہوئے۔ آپ کے والد حضرت سید ابوالصالح موسیٰ جنگی بہت عابد وزاہد بزرگ تھے، آپ کی والدہ حضرت بی بی فاطمہ اس وقت کے مشہور بزرگ حضرت عبداللہ صومعی کی دختر تھیں۔

آپ ولی مادرزاد تھے، جب آپ ماں کے پیٹ میں تھے تو آپ کی والدہ نے پندرہ پارے حفظ کر لئے تھے، یہ قدرت کا ایک بڑا معجزہ تھا کہ آپ کو ماں کے پیٹ میں پندرہ پارے حفظ کرا دیئے۔ اس حقیقت کا اس وقت پتہ چلا جب آپ بڑے ہوئے اور مکتب میں آپ کو بھیجا گیا۔ جب مولوی صاحب نے آپ کو پہلا پارہ پڑھانے کی کوشش کی تو آپ نے کہا یہ مجھے یاد ہے اور پھر اس نے اس طرح پورے پندرہ پارے مولوی کو سنا دیئے۔ وہ حیرت زدہ ہو گئے اور آپ کو لے کر آپ کی والدہ کے پاس آئے اور کہنے لگے اے فاطمہ! یہ عجیب معجزہ ہے کہ تیرا بیٹا پندرہ پاروں کا حافظ ہے آخر یہ کیسے ہوا؟ آپ کی والدہ نے کہا کہ جب یہ پیٹ میں تھا تو اس کے پیدا ہونے سے پہلے میں پندرہ پارے پڑھ چکی تھی تو اس کو اللہ تعالیٰ نے یہ پارے حفظ کرا دیئے۔

آپ رمضان کی پہلی تاریخ کو اس دنیا میں تشریف لائے۔ اسی رات آپ کے والد محترم حضرت صالح نے خواب میں حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ اپنے صحابہ

کرام اور بہت سے اولیاء عظام کے ساتھ تشریف لائے ہیں اور فرمار ہے تھے:

''اے ابو صالح! تجھے اللہ تعالیٰ نے فرزند صالح عطا فرمایا ہے۔ یہ میرے بیٹے کی مانند ہے اور اولیاء اللہ میں اس کا مرتبہ بلند ہے۔''

آپ کی پیدائش کی رات شہر میں جتنے بھی بچے پیدا ہوئے وہ سب لڑکے تھے پھر بعد میں وہ سب جوان ہو کر درجہ ولایت کو پہنچے۔ یہ معاملہ بھی معجزہ سے کم نہ تھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں کہ عبد القادر رمضان المبارک میں پیدا ہوئے اور انہوں نے پورے مہینے دن کے وقت دودھ نہیں پیا۔ جب افطار کا وقت ہوتا جب یہ دودھ پیتے تھے۔ دوسرے سال کی بات ہے کہ آسمان پر گہرے بادل ہونے کی وجہ سے رمضان کا چاند نظر نہیں آسکا اور لوگ شبہے میں پڑ گئے۔ آخر قرب وجوار کے چند لوگوں نے حضرت عبد القادر کی والدہ سے پوچھا کہ سیدہ: کیا تمہیں رویت ہلال کی کوئی خبر ملی؟ آپ نے جواب دیا ''آج عبد القادر نے خلاف عادت دن کے وقت دودھ نہیں پیا اس لئے میں سمجھتی ہوں کہ آج پہلا روزہ ہے، کچھ دن بعد معتبر شہادتوں سے اس بات کی تصدیق ہو گئی کہ اس دن دوسرے شہروں میں چاند نظر آ گیا تھا۔ یہ بات دور دراز کے علاقوں میں بھی مشہور ہو گئی کہ سادات کے گھرانے میں ایک مبارک بچہ پیدا ہوا ہے جو رمضان میں دن کے وقت دودھ نہیں پیتا، جب چار یا پانچ سال کے ہو گئے تو آپ کو مدرسہ میں داخل کر دیا گیا جہاں آپ نے باقی قرآن شریف حفظ کیا۔ آدھا قرآن شریف ماں کے پیٹ میں حفظ کر چکے تھے۔

جب اٹھارہ سال کی عمر ہو گئی تو تحصیل علم کے لئے بغداد کا سفر کیا۔ ماں نے بہت محبت کے ساتھ اپنے بیٹے کو رخصت کیا چلتے وقت آپ کی صدری میں زادراہ کے لئے چالیس دینار خفیہ طور پر سی دیئے اور ان کو نصیحت کی کہ بیٹا کبھی جھوٹ نہ بولنا چاہے جان جانے کا ڈر ہی کیوں نہ ہو۔ بیٹے نے ماں کی نصیحت کو اپنے دل میں بٹھا لیا، راستے میں قافلے والوں کو ڈاکوؤں نے لوٹ لیا، آپ کے پاس بھی ایک ڈاکو آیا اور از راہ مذاق پوچھنے لگا کہ لڑکے تمہارے پاس بھی کچھ ہے آپ

نے ڈاکوؤں سے کہا! میری ماں نے چلتے وقت میری صدری میں چالیس دینارسی دیئے تھے وہ موجود ہیں، ڈاکوان کواپنے سردار کے پاس لے گیا، سردار نے سر سے پاؤں تک آپ کو دیکھا اور کہا اے غریب مفلوک الحال لڑکے! یہ تو ہم سے مذاق کرر ہا ہے۔

آپ نے کہا میں مذاق نہیں کرر ہا سچ کہہ رہا ہوں۔ جب صدری کھولی تو اس میں سے چالیس دینار نکلے۔ ڈاکوؤں کا سردار حیران رہ گیا اوران سے کہنے لگا کہ ہمارا تو وہم وگمان بھی نہیں جاسکتا تھا کہ تیرے پاس چالیس دینار ہیں پھر تو نے ہم کو کیوں بتادیا؟ آپ نے کہا میری ماں نے مجھ سے چلتے وقت یہ عہد کرلیا تھا کہ اگر جان بھی جائے تو جھوٹ نہ بولنا، یہی میری والدہ کا حکم ہے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نے نہایت جرأت وبیبا کی کے ساتھ فرمایا کہ تمام رہزن دم بخود رہ گئے، قزاقوں کے سردار پر سکتہ طاری تھا۔ پھر وہ اچانک رونے لگا اور اس نے تمام گناہوں سے توبہ کرلی۔ کہتے ہیں کہ بعد میں کچھ عرصہ بعد وہ بغداد آکر حضرت عبدالقادر جیلانی کے ہاتھ پر بیعت ہوگیا اور بعد میں ایک نامور ولی اللہ کے درجہ پر فائز ہوا۔

جب آپ بغداد تشریف لے آئے تو یہاں آپ سب سے پہلے شیخ حماد بن مسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جن کے علم کا دور دور تک شہرہ تھا۔ آپ نے علم حدیث میں اس وقت کے مشہور محدثین سے علم الحدیث کی تعلیم لی جن میں۔ ابوالغنائم محمد بن علی میمون الخراسیؒ۔ ابوعثمان اسماعیلؒ بن محمد، ابوطاہر محمد عبدالرحمٰن بن احمدؒ، ابوالسفر المختارؒ ہاشمی، پیش پیش تھے۔ فقہ میں ابوالوفاء علی بن حنبلؒ۔ محمد بن الحسین سراج اور حضرت ابوسعید مخزومیؒ سے حاصل کی۔ آپ نے جب فتویٰ دینا شروع کیا تو علماء ظاہر کی صفوں میں ہل چل مچ گئی۔ پھر ان علمائے دنیا دار نے حضرت غوث الاعظم کے خلاف ایک محاذ بنالیا۔ شرعی مسائل کا حل پیش کرنا بچوں کا کام نہیں انہوں نے اتنی کم عمری میں فتویٰ دینے کا اجازت نامہ کس سے حاصل کیا؟

ایسے دنیادار علماء جو دربار خلافت سے وابستہ تھے انہوں نے آپ کی علمی حیثیت کو چیلنج

کر دیا اور علماء دربار کے سامنے پیش ہونے کے لئے آپ کو بلایا گیا۔ آپ نے اپنے عقیدت مندوں سے فرمایا کہ مجھے اللہ کے راستے میں کسی کی پرواہ نہیں ہے۔ لیکن آپ کے عقیدت مندوں نے اصرار کیا اس میں کوئی حرج نہیں ہے، تب غوث الاعظم علماء دربار کے سامنے ایک طالب علم کی حیثیت سے حاضر ہوئے اور امتحان کے مرحلے سے گذرنے کے لئے تیار ہو گئے۔

علمائے دربار مسرور مطمئن تھے کہ ایک نوجوان عالم نے ان کے جلال و جبروت کے سامنے سر جھکا دیا، ایک بڑی عمارت میں تمام عالم بہترین لباس پہن کر جمع ہوئے، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ایک معمولی کپڑے کا جبہ پہنے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے، آپ نے بلند آواز حاضرین کو سلام کیا اور نظریں جھکا کر اپنی نشست پر بیٹھ گئے، حضرت غوث الاعظم کی نشست عین علمائے بغداد کے سامنے تھی، کچھ دیر تک سکوت رہا پھر حضرت غوث الاعظم نے جھکی ہوئی نظریں اٹھائیں اور بہت نرم لہجے میں فرمایا:

حضرت میں اس قابل تو نہیں ہوں کہ کسی امتحان سے گذر سکوں مگر جب رسم دنیا یہی ٹھہری تو بسم اللہ۔ یہ کہہ کر حضرت غوث الاعظم نے امتحان لینے والے علماء کو بہت غور سے دیکھا، آپ کی نظر کیا اٹھی سب زیروزبر ہو گیا، علمائے بغداد نے محسوس کیا کہ ان کے اندر عجیب سا انقلاب برپا ہے وہ سب علم سے خالی ہو گئے۔ آپ کی ایک نگاہ مستانہ نے ان کی ساری عمر کا سرمایہ سلب کر لیا۔ وہ خالی نگاہوں سے آپ کی طرف دیکھ رہے تھے حضرت غوث الاعظم ان علماء سے مخاطب ہوئے۔ حضرات آپ لوگ اس ناچیز سے کوئی سوال کیوں نہیں کرتے؟ میں کب تک اس کا انتظار کروں؟ میں آپ سے اجازت لے کر یہاں سے چلتا ہوں مجھے اور بھی کام ہیں، تمام عالم نہایت حسرت بھری نظروں سے آپ کی طرف دیکھنے لگے پھر نہایت عاجزی سے رو کر فریاد کرنے لگے حضور ہمارا علم ہم کو واپس لوٹا دیں، ہمیں معاف کر دیں خدارا ہمیں معاف کر دیجئے ہم آپ کے مرتبے کو نہیں سمجھ سکے تھے۔ آپ نے ان عالموں کی طرف دیکھ کر کہا جاؤ میں نے تمہیں معاف کیا

اللہ بھی معروف فرماتے۔ آپ نے کہا اے دنیا دارو! میرا علم دنیا سے نہیں ہے، مجھے عالم غیب سمجھاتا ہے اور یہ اس کا علم ہے اور یہ سب اسی کا فضل و کرم ہے جسے چاہے وہ عطا کرے۔

آپ کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ رات کو ذکر واذکار اور یاد الٰہی میں مشغول تھے آپ نے دیکھا کہ زمین سے آسمان تک نور ہی نور ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں سمجھا کہ شاید میری ریاضت قبول ہوگئی، ابھی میں دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کر رہا تھا کہ اس نور سے ایک پُر جلال آواز پیدا ہوئی:

"عبدالقادر ہم تیری عبادت سے بہت خوش ہیں۔" آپ فرماتے ہیں کہ میں جواب میں کچھ عرض کرنا چاہتا تھا کہ جذبات کی شدت نے مجھ سے گویائی چھین لی، پھر دوبارہ وہ آواز سنائی دی "میں تیرا پروردگار تیری عبادت سے بہت خوش ہوں تجھ پر حرام چیزیں حلال کردیں" آپ فرماتے ہیں کہ اس طرز کلام نے مجھ پر دہشت طاری کردی، میں حیران ہوا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ حرام چیزوں کو مجھ پر حلال کردے، ایسا تو کسی نبی کے ساتھ بھی نہیں ہوا میں نے یہ سوچ کر فوراً لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھنا شروع کردیا۔ میری آواز کی گونج کے ساتھ وہ روشنی فوراً غائب ہوگئی اور ہر طرف اندھیرا پھیل گیا، پھر اس اندھیرے میں سے ایک نہایت خوفناک آدمی نکلا اور میری طرف دیکھ کر مسکرا کر عجیب سے لہجے میں بولا:

> "افسوس میرا وار خالی گیا، میں نے اپنے حیلوں سے سیکڑوں اولیاء اللہ کو گمراہ کیا ہے مگر عبدالقادر تو اپنے علم و فضل کی وجہ سے بچ گیا ورنہ راندۂ درگاہ ہوجاتا۔"

آپ نے دوبارہ لاحول ولاقوۃ پڑھی، ابلیس آپ سے کچھ دور چلا گیا۔ آپ نے فرمایا دور ہوجا مردود تو اب بھی مکر و فریب سے باز نہیں آتا، چلتے چلتے مجھ پر وار کررہا ہے۔ اے خبیث، سن! مجھ کو میرے اللہ کے فضل و کرم نے تیرے شر سے محفوظ رکھا ہے ورنہ میں کیا اور میرا علم کیا،

آپ بتاتے ہیں کہ ابلیس کچھ دیر تک میرے سامنے کھڑا رہا پھر اپنا سر پیٹتا ہوا یہ کہہ کر چلا گیا کہ افسوس ہزار بار افسوس! آج تیرا نام میرے سننے والوں کی فہرست سے خارج ہو گیا۔

سخت ریاضتوں اور طویل مجاہدات کے بعد آپ اس وقت کے مشہور صوفی بزرگ حضرت ابوسعید مبارک مخزومیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے۔ غوث الاعظمؒ کو دیکھ کر حضرت سعید مخزومیؒ نے فرمایا: ''بس اے جان بے قرار اب گوشہ نشین ہو جا۔'' آپ حضرت سعید مخزومی کے دست حق پرست پر بیعت ہو گئے۔ آپ کے پیرو مرشد نے آپ کو خرقہ ولایت عطا کرتے ہوئے فرمایا:

''عبدالقادر! یہ وہ خرقہ ہے جو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو عطا فرمایا تھا، پھر ان سے حضرت حسن بصریؒ کو عطا ہوا، اس کے بعد حضرت حبیب عجمی پھر حضرت شیخ داؤد پھر جنید بغدادیؒ پھر حضرت ابوبکر شبلیؒ پھر ابوالفضل عبدالواحد تیمی پھر شیخ طرطوسی اور پھر حضرت شیخ ابوالحسن علی النکارویؒ (الھنکاری) سے ہوتی ہوئی یہ مقدس امانت مجھ تک پہنچی اور اب یہ امانت تمہارے سپرد کر رہا ہوں۔'' اللہ اس کی حفاظت کرے اور تمہیں اپنے پیران طریقت کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا کرے۔

حضرت قاضی ابوسعید مبارک مخزومی کا لہجہ اس قدر اثر انگیز تھا کہ غوث الاعظم پر رقت طاری ہوگئی۔ آپ فرماتے ہیں کہ ''ریاضتوں اور مجاہدوں کے دوران مجھ پر عجیب عجیب اسرار منکشف ہوئے تھے، پھر جب خرقۂ خلافت پہنا تو دل ونظر کی دنیا ہی بدل گئی۔ اس قدر تجلیات الٰہی کا ظہور ہوا کہ جن کا شمار ممکن نہیں۔

زمانے کی زبوں حالی ظلم وستم اور ماحول کی پراگندگی سے حضرت غوث الاعظمؒ بہت کڑھتے تھے۔ عام مسلمانوں کا تو ذکر ہی کیا اس وقت کے علماء کا یہ حال تھا کہ وہ صرف اپنی ذات کو سربلند رکھنے کے لئے ایک دوسرے پر طعنہ زنی کرتے رہتے تھے۔ مناظروں کی مجلسوں میں

دستار فضلیت اچھالی جاتی تھی، یہاں تک کہ اپنے ہم مذہبوں کو کافر قرار دینا سب سے زیادہ آسان تھا، خرقۂ خلافت ملنے کے بعد آپ کا دل اس مکروفریب کی دنیا سے اچاٹ رہتا تھا۔ آپ چاہتے تھے کہ ایک بار پھر بیابانوں اور قرابوں کی طرف نکل جائیں جہاں سکوت وویرانی کے سوا کچھ نہ ہو۔ کوئی آپ کو دیکھے نہ آپ کسی کو دیکھ سکیں اور آپ خشوع وخضوع کے ساتھ اللہ کی عبادت میں غرق ہو جائیں، دراصل اس گوشہ نشینی کی اصل وجہ یہ تھی کہ آپ بغداد کے سیاسی ومعاشرتی حالات سے دلبر داشتہ ہو گئے تھے اور ان واقعات نے آپ کے قلب حساس کو زیادہ متأثر کیا تھا۔ حضرت غوث الاعظم ابھی ویرانوں کی طرف جانے کا ارادہ کر رہے تھے کہ اس دوران ایک ایسا واقعہ رونما ہوا کہ اس نے گوشہ نشینی کی خواہش کو یکسر بدل دیا۔

حضرت غوث الاعظم شیخ محی الدین عبد القادر جیلانیؒ اپنی تصنیف شدہ کتاب ''غنیۃ الطالبین'' میں رقم طراز ہیں کہ ۵۲۱ ہجری میں ۱۴ر شوال شہ شنبہ میں حضور سرکار دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے عالم رؤیا میں میں مشرف ہوا۔ میں نے دیکھا کہ حضور مجھے وعظ کہنے کی ہدایت فرمارہے ہیں، میں نے عرض کیا کہ حضور میں عجمی ہوں بغداد کے فصحاء کے سامنے زبان کھولتے ہوئے ڈرتا ہوں کہ میں ان حضرات کے سامنے کیوں کلام کروں؟ ایسا نہ ہو کہ بغداد کے فصیح وبلیغ حضرات مجھ پر یوں طعنہ زنی کریں کہ اولاد رسول ہونے کے باوجود عربی زبان سے نابلد ہے اور وعظ وپند میں سرگرم ہے۔ میری اس گذارش پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سات مرتبہ کچھ پڑھ کر میرے منہ پر دم کیا اور وعظ کا حکم دیا۔

دوسرے روز میں ظہر کی نماز کے بعد وعظ کہنے کے ارادے سے میز پر بیٹھا اور سوچتا رہا کہ کیا کہوں، ادھر گرد خلقت کا ہجوم تھا اور ہر ایک میرا وعظ سننے کا مشتاق تھا، ہر چند کہ میرے سینے میں دریائے علم موجزن تھا مگر میری زبان نہیں کھلتی تھی کہ اسی وقت میرے جد امجد حضرت علی کرم اللہ وجہہ تشریف لائے اور چھ مرتبہ کچھ پڑھ کر میرے منہ پر دم کیا، میری گھبراہٹ ختم ہوگئی اور

میری زبان فوراً کھل گئی اور میں نے وعظ کہنا شروع کیا۔ اب میری طاقت لسانی کی سارے بغداد میں دھوم مچ گئی۔ خود میرے دل میں جوش سخن کا یہ عالم تھا کہ اگر کچھ عرصہ خاموش رہتا اور وعظ نہ کہتا تو میرا دم گھٹنے لگتا۔ اول اول میری محفل تذکیر میں تھوڑے لوگ ہوا کرتے تھے مگر آخر میں نوبت یہاں تک پہنچی کہ ہجوم کی مسجد میں گنجائش ناممکن ہوگئی بالآخر عید گاہ میں منبر رکھا گیا اور میں نے وہاں وعظ کہنا شروع کردیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ ستر ہزار افراد میری مجلس میں شریک ہوا کرتے تھے۔ سوار اتنے آتے تھے کہ ان کی گردسے عیدگاہ کے گرد ایک حلقہ بن جاتا تھا جو دور سے نظر آتا تھا۔ مؤرخین آپ کے وعظ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ جب آپ خشیۃ اللہ کا ذکر کرتے تو وعظ کے دوران لوگوں کے دلوں پر اتنا اثر ہوتا تھا کہ بعض لوگ خوف خدا سے ہلاک ہوجاتے تھے۔ وعظ کے بعد کئی جنازے اٹھتے تھے۔

حضرت غوث الاعظم کے دست مبارک پر ہزاروں عیسائی یہودی ایمان لائے تھے۔ بہت سی روایتوں میں ہے کہ پانچ ہزار سے زائد یہودی اور عیسائی آپ کے دست حق پرست پر ایمان لائے تھے، اس کے علاوہ ایک لاکھ سے زیادہ قزاق، فاسق وفاجر، بدکاروں اور بدعقیدہ انسانوں نے توبہ کی۔ آپ کو عالم الغیب سے ''محی الدین'' کا لقب عطا ہوا تھا۔

ایک مرتبہ آپ بغداد سے کہیں باہر گئے ہوئے تھے واپسی میں جب شہر قریب آگیا تو ایک خستہ حال ضعیف وناتواں شخص آپکے سامنے آیا اور دیکھتے ہی دیکھتے زمین پر گر کر تڑپنے لگا'' آپ نے اس اجنبی سے پوچھا بھائی تمہیں کیا تکلیف ہے؟'' اس نے کانپتی ہوئی آواز کے ساتھ کہا میں قریب المرگ میں ہوں اگر تم سے ہوسکے تو مجھ پر رحم کرو اور ایسی دوا دو کہ جسے پی کر میں جانبر ہوسکوں؟ آپ نے چند قرآنی آیات پڑھ کر اس پر دم کردیں۔ ابھی چند لمحے نہ گذرے تھے کہ وہ کسی سہارے کے بغیر اٹھ کر کھڑا ہوگیا، اس کے جسم کی لاغری دور ہوگئی اور چہرہ کسی پھول کی مانند تروتازہ نظر آنے لگا۔

آپ نے کہا خدا کا شکر ہے کہ تم کو صحت مل گئی، اس نے آپ سے کہا "عبدالقادر تم نے مجھے پہچانا؟" آپ نے لاعلمی کا اظہار کیا، اس نے کہا "تم مجھ سے خوب واقف ہو" آپ نے کہا ذاتی طور پر میں تم سے واقف نہیں ہوں۔ اس اجنبی نے کہا "میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین اسلام ہوں، ضعف وناتوانی کے سبب میرا یہ حال ہو گیا تھا، اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہارے ہاتھوں سے زندہ کیا اور آج سے تم "محی الدین" ہو۔" یہ کہہ کر وہ شخص غائب ہو گیا، حضرت غوث الاعظمؒ اس بارے میں خود فرماتے ہیں کہ میں نماز ادا کرنے کے لئے جامع مسجد کی طرف روانہ ہوا اور راستے میں ایک برہنہ پا شخص بھاگتا ہوا میرے قریب آیا اور مجھے مخاطب ہو کر بولا: سیدی محی الدین! میں نے اس شخص کو حیرت سے دیکھا اور مسجد میں داخل ہو گیا۔ اس کے بعد جب میں نماز سے فارغ ہوا تو میرے چاروں طرف لوگ جمع ہو گئے اور محی الدین محی الدین پکارنے لگے، اس سے پہلے کسی آشنا یا دوست نے مجھے اس لقب کے ساتھ نہیں پکارا تھا۔

ایک مرتبہ ایک عیسائی راہب جس کا نام سنان تھا آپ کی محفل میں آیا اور آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا۔ پھر اس نے مجمع عام میں کھڑے ہو کر کہا "میں یمن کا رہنے والا عیسائی ہوں اگر چہ کہ مجھے اپنی قوم میں بلند درجہ حاصل تھا لیکن مذہب کے معاملے میں عجیب سی خلش محسوس ہوتی تھی پھر یہ ذہنی خلش بڑھتی گئی اور میں نے چند مسلمانوں سے رجوع کیا، مجھے ان کے عقائد درست معلوم ہونے یہاں تک کہ میں نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا، میری خواہش تھی کہ میں اس شخص کے ہاتھ پر ایمان لاؤں جو سب سے زیادہ پرہیزگار اور شرع کا پابند ہو، ابھی میں ایسے شخص کو تلاش ہی کر رہا تھا کہ ایک رات مجھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام خواب میں نظر آئے اور کہنے لگے۔ سنان تم بغداد جاؤ اور وہاں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلو۔ چونکہ وہ اس وقت روئے زمین کے تمام لوگوں میں افضل ہیں۔" آپ کو غوث الاعظم کا لقب بھی بارگاہ خداوندی سے عطا ہوا ہے۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر مشہور محدث حضرت غوث الاعظمؒ کے سیرت وکردار کے بارے میں رقم طراز ہیں:

''حضرت شیخ کا سلسلہ تبلیغ صرف عوام تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ آپ امراء اور شاہان وقت کے اعمال پر گہری نظر رکھتے تھے۔ اگر کوئی خلیفہ یا وزیر بے عملی کا مرتکب ہوتا آپ بھرے مجمع میں علی الاعلان اسے ٹوک دیتے تھے۔ بندگان خدا پر ظلم ڈھانے والے حاکموں کی گرفت کرتے اور انہیں عذاب الٰہی اور آخرت سے ڈراتے۔ خدا اور دین کے معاملے میں کبھی خاموش نہیں رہے اور بڑی سے بڑی طاقت کی بھی پرواہ نہیں کی۔ عباسی خلیفہ مقتضی نے ایک علاقہ میں جو حاکم مقرر کیا تھا وہ بہت ظلم کرتا تھا اور یہ شخص ابوالوفا یحییٰ بن سعید قاضی کے عہدہ پر فائز تھا، آپ کے پاس اس کی بہت سی شکایتیں آئیں۔ ایک مرتبہ آپ مجمع عام میں تقریر کر رہے تھے وہاں خلیفہ مقتضی کے کارندے بھی تھے، آپ نے تقریر کے دوران کہا: اے خلیفہ مقتضی! بڑے غور سے سنو: میں تم سے مخاطب ہوں تم نے ایک ظالم شخص کو حاکم بنایا ہے جو اظلم الظالمین ہے، کل قیامت کے دن تم اس رب العالمین کو کیا جواب دو گے جو ارحم الراحمین ہے، جب خلیفہ نے آپ کی یہ بات سنی تو شدتِ خوف سے کانپنے لگا پھر بے اختیار اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اس نے فوراً ہی اس ظالم قاضی کو معزول کر دیا۔''

آپ کی مجلس میں درس وعظ میں شریک ہونے والے عالموں اور فقیہوں کی تعداد کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ ایک ایک وقت میں چار سو کے قریب دواتیں شمار کی گئی ہیں اتنی کثیر تعداد میں قلم اور روشنائی آپ کے ارشادات قلم بند کرنے کے لئے استعمال ہوتے تھے۔ امیروں اور

وزیروں کا تو ذکر ہی کیا آپ کی مجلس میں خود خلیفہ بغداد حاضری دیتا تھا اور نیاز مندانہ طور پر نہایت ادب سے سر جھکا کر بیٹھتا تھا۔

حضرت شیخ ابوالعباس موصلی کا بیان ہے کہ ایک بار حضرت غوث الاعظم کے مدرسے میں میں حاضر تھا میں نے دیکھا کہ خلیفہ بغداد مستنجد باللہ حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دوزانو ہو کر زمین پر بیٹھ گیا۔ پھر آپ سے کہنے لگا حضور مجھے کوئی نصیحت کریں۔

حضرت غوث الاعظم نے نہایت پُر جلال لہجے میں خلیفہ وقت کو اس کے فرائض اور بندگان خدا کے حقوق کی ادائیگی کے بارے میں نصیحت فرمائی۔ مستنجد باللہ سر جھکائے حضرت شیخ کی تقریر سنتا رہا، پھر جب آپ خاموش ہو گئے تو عباسی خلیفہ نے سر اٹھایا اور اپنے خدمت گار کو اشارہ کیا جو مدرسے کے دروازے پر کھڑا تھا، خدمت گار آگے بڑھا اس کے ہاتھوں میں اشرفیوں سے بھری ہوئی تھیلیاں موجود تھیں، خلیفہ نے غوث الاعظم سے درخواست کی: ''اگر حضور اس حقیر سے نذرانے کو قبول فرمالیں تو میں ساری زندگی اپنی خوش بختی پر نازاں رہوں گا۔'' آپ نے فرمایا ''تمہاری مملکت میں بے شمار حاجتمند ہیں ان کی ضرورتوں کا خیال کرو۔'' مگر مستنجد باللہ اس طرز انکار کو سمجھ نہیں سکا اور مسلسل اصرار کرتا رہا۔

آخر حضرت شیخ کے چہرہ مبارک پُر جلال کے آثار نمودار ہوئے پھر آپ نے ان میں سے دو تھیلیاں اٹھالیں اور انہیں نچوڑنے کے انداز سے دبایا، حاضرین مجلس کی آنکھوں نے ایک ناقابل یقین منظر دیکھا، تھیلیوں سے تازہ تازہ انسانی خون ٹپک رہا تھا، فرط حیرت سے مستنجد باللہ کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں، پھر آپ نے انتہائی غضبناک لہجہ میں عباسی خلیفہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ''تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟ مجھے پلانے کے لیے اس کے بندوں کا خون لائے ہو؟ تم نے خوب قدر کی۔''

خلیفہ مستنجد باللہ خوف سے بے ہوش ہو گیا پھر جب اس کے ہوش وحواس درست

ہوئے تو حضرت غوث الاعظم نے فرمایا: ''بس چلے جاؤ اگر مجھے رسول کریم کے نسب کا لحاظ نہ ہوتا تو خدا کی قسم اس خون کو تمہارے محلات تک بہا دیتا۔'' مستنجد کا تعلق سرور کونین سے ان کے چچا حضرت عباس کے ذریعہ سے قائم تھا۔

حضرت غوث الاعظم کی ہزاروں کرامات ہیں، ان کو لکھنے کے لئے ایک دفتر چاہئے، سیکڑوں کتابیں لکھی جائیں تب کہیں جا کر ان کی کرامات کا احاطہ ممکن ہے۔ حضرت ابوعمرو عثمان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت سیدنا عبد القادر جیلانیؒ کی کرامات موتیوں کی لڑی کے مانند تھیں، اگر کوئی شخص آنکھیں کھلی رکھتا تو ہر روز حضرت شیخ کی کئی کرامات دیکھ لیتا، شیخ الاسلام عز الدین بن سلامؒ کا قول ہے کہ جس تواتر کے ساتھ سیدنا محی الدین عبد القادر جیلانیؒ کی کرامات بیان کی گئی ہیں اور کسی ولی اللہ کی نہیں ہیں۔

اپنی مشہور زمانہ کتاب ''بستان العارفین'' میں امام نووی نے بھی یہی فرمایا ہے۔ حضرت نور الدین ابوالحسین نے اپنی تصنیف ''بہجۃ الاسرار'' میں حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی کرامات پوری تفصیل کے ساتھ بیان کی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت عبد القادر جیلانی غوث الاعظمؒ کو مردوں کو زندہ کرنے کی فضیلت کرامات عطا کی۔ بیشک یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے وہ عطا کرے۔ (القرآن)

حضرت غوث الاعظمؒ کی سب سے بڑی کرامت یہی ہے کہ آپ اللہ پر غیر متزلزل یقین رکھتے تھے، آپ کے ظاہر و باطن میں یکسانیت تھی۔ شریعت ہی آپ کا علم تھا اور شریعت ہی آپ کا عمل تھا۔ انبیاء علیہ السلام کے لئے معجزات نبوت کی نشانی اور دلیل سمجھی جاتی تھی، اس لئے ان کی امتوں نے ان سے معجزات طلب کئے لیکن اولیاء کرام باوجودیکہ اس صفت کے حامل ہوتے ہیں لیکن کرامات نہیں دکھاتے بعض حالتوں میں کرامات کا اظہار ہو جاتا ہے اور یہ بھی اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے، معجزہ ہو یا کرامت سب کا تعلق اللہ رب العزت کی ذات سے ہے لیکن اظہار کا واسطہ نبی یا

اللہ کے ولی ہوتے ہیں۔

ایک بار حضرت غوث الاعظم رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک پر تقریر فرمارہے تھے کہ ایک عیسائی راہب مجلس واعظ میں داخل ہوا اور خاموشی سے بیٹھ گیا۔ جب حضرت غوث الاعظمؒ نے تقریر ختم کی تو عیسائی راہب آپ سے مخاطب ہوا اور کہنے لگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر اسلام پر فضیلت حاصل ہے، حضرت غوث الاعظم نے دلیل طلب کی تو عیسائی راہب انتہائی پرجوش لہجے میں بولا:

> ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کر دیا کرتے تھے مگر تمہارے پیغمبر سے ایسا کوئی معجزہ ظاہر نہیں ہوا۔''

حضرت غوث الاعظمؒ نے عیسائی راہب کو سمجھایا کہ اللہ نے اپنے تمام پیغمبروں کو معجزات عطا کئے تھے مگر معجزہ فضیلت کی بنیاد نہیں، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی آخر الزماں ہیں، اللہ نے اپنے دین کو رسالت مآب کے ذریعہ مکمل فرمایا اب دنیا میں وہی صاحب ایمان ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہے اور ان کی رسالت کی گواہی دیتا ہے۔ عیسائی راہب کج بحثی پر قائم رہا، آخر حضرت غوث الاعظمؒ کو جلال آ گیا، آپ نے عیسائی راہب سے دریافت کیا: کیا تیرا کوئی عزیزی بغداد میں دفن ہے؟ اس نے کہا ہاں میرے والد اسی شہر میں سو رہے ہیں، آپ نے فرمایا میں تیرے باپ کی قبر دیکھنا چاہتا ہوں، عیسائی راہب آپ کو اپنے باپ کی قبر پر لے گیا، آپ نے راہب سے کہا ''تو اپنے باپ سے گفتگو کرنا چاہتا ہے؟'' اس نے کہا یہ کیسے ممکن ہے؟ آپ نے قبر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بلند آواز میں فرمایا: ''قم باذن اللہ'' (اٹھ جا اللہ کے حکم سے) دیکھتے ہی دیکھتے قبر شق ہوگئی۔ راہب نے دیکھا کہ اس کا باپ تابوت میں زندہ بیٹھا ہے، آپ نے راہب سے کہا پوچھ جو کچھ پوچھنا چاہتا ہے اپنے باپ سے۔ راہب اپنے باپ کو اس حالت میں دیکھ کر سکتے میں آ گیا اور اسی عالم میں بے حس وحرکت کھڑا رہا اور اپنے باپ کو ٹکٹکی لگا کر دیکھتا

رہا۔ جب کافی دیر ہوگئی تو حضرت غوث الاعظمؒ نے دوبارہ اشارہ کیا قبر بند ہوگئی۔ بہت دیر بعدعیسائی راہب کو ہوش آیا تو حضرت غوث اعظم نے اس سے فرمایا ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فضیلت یہ ہے کہ وہ اللہ کی روشن نشانی تھے رسول برحق تھے اور ان تمام تہمتوں سے پاک تھے جنہیں تم اپنے عقائد کا لازمی حصہ سمجھتے ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت پر گواہی ہمارے ایمان کا جزو ہے۔ مگر جہاں تک مردوں کو زندہ کرنے کا تعلق ہے تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ادنیٰ سے غلام بھی بحکم خدا یہ کام انجام دے لیتے ہیں۔

حضرت غوث الاعظمؒ کا وصال

حضرت سیدنا محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ نے طویل مدت تک بندگان خدا کو اپنے کمالات ظاہری وباطنی سے مستفیض فرمایا۔ آپ کی سب سے بڑی کرامت مردہ دلوں کی مسیحائی ہے، آپ نے مادہ پرست دنیا میں روحانیت کا عالمگیر ذوق پیدا کیا۔ وصال سے پہلے آپ کے صاحبزادے حضرت شیخ عبدالوہاب نے عرض کیا کہ مجھے وصیت فرمایئے۔ آپ نے ان سے فرمایا ''ہمیشہ خدا سے ڈرتے رہنا اور خدا کے سوا کسی سے خوف نہ کھاؤ اور نہ اس کے سوا کسی سے امید رکھنا۔ اپنی تمام ضروریات اللہ کے سپرد کردو۔ صرف اسی پر بھروسہ کرو اور اسی سے مانگو۔ توحید اختیار کرو کہ توحید سب کا اجماع ہے۔ جب دل خدا کے ساتھ درست ہوجاتا ہے تو کوئی چیز اس سے نہیں چھوٹتی اور نہ کوئی چیز اس سے باہر نکل کر جاتی ہے پھر آپ نے اپنے فرزندوں سے فرمایا۔ میرے گرد سے ہٹ جاؤ میں ظاہر میں تمہارے ساتھ ہوں لیکن باطن میں دوسروں کے ساتھ ہوں میرے پاس تمہارے علاوہ اور لوگ (فرشتے) بھی حاضر ہیں ان کیلئے جگہ خالی کردو، حضرت غوث الاعظم کے صاحبزادے شیخ عبدالرزاقؒ اور شیخ موسیٰؒ کا بیان ہے کہ آپ بار بار دونوں ہاتھ اٹھا کر فرماتے تھے ''تم پر اسلام اور خدا کی رحمتیں اور برکتیں، حق کی طرف رجوع کروا

ور جنت میں داخل ہو، میں بھی تمہارے پاس آیا۔''

آپ کے صاحبزادے شیخ عبدالجبارؒ نے فرمایا کہ آپ کے جسم میں کہاں تکلیف ہے؟ جواب دیا ''میرے تمام اعضاء مجھے تکلیف دے رہے ہیں مگر میرے دل کو کوئی تکلیف نہیں وہ اپنے خدا کے ساتھ صحیح ہے۔''

پھر وقت آخر آگیا تو با آواز فرمایا ''میں خدا سے مدد چاہتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ پاک و برتر ہے، زندہ ہے اور جسے فنا ہونے کا اندیشہ نہیں۔ پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی قدرت سے عزت ظاہر کی اور موت سے بندوں پر غلبہ دکھایا۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں۔'' یہ کہتے کہتے آپ کی آواز غائب ہوگئی اور روح مبارک جسد خاکی سے عالم بالا کو پرواز کرگئی۔

(17)

جہانگیر معظم حضرت غوث الاعظم دستگیر عبدالقادر جیلانیؒ نے سترہ ربیع الثانی ۵۶۱ھ ہجری میں وصال فرمایا۔ وصال کے وقت آپ کی عمر شریف نوے سال تھی۔ بغداد میں آپ آسودۂ خاک ہیں، آپ کا مزار پرانوار مرجع خلائق ہے۔ ساڑھے آٹھ سو سال سے زیادہ کا عرصہ گذر جانے کے باوجود لوگوں کا اژدحام ہوتا اور دور دور سے عقیدت مند قافلوں کی صورت میں آپ کے مزار شریف پر حاضری دینے آتے ہیں اور جہانگیر اعظم کو سلام کرکے واپس چلے جاتے ہیں۔

امام ابن تیمیہ سے کون واقف نہیں جو شریعت کے معاملے میں شمشیر برہنہ تھے اور ہمیشہ اولیاء کرام کی کرامات کے منکر رہے مگر جب امام کے سامنے حضرت غوث اعظم کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا:

''شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی کرامت حدِ تواتر کو پہنچ گئی ہیں ان سے انکار ممکن نہیں۔''

حضرت غوث الاعظم کی ولایت عظمیٰ اور کرامات پر امام تیمیہؒ کی گواہی بڑی عجیب

ہے، آپ کی جہانگیریت لازوال ہے اور جب تک یہ دنیا قائم ہے آپ کی جہانگیریت کا بول بالا ہوتا رہے گا۔

دنیا کی ایک بہت بڑی آبادی ہر سال ان کی یاد مناتی ہے گیارھویں شریف کا مہینہ آتا ہے ہر طرف نذرونیاز ومیلاد کا سماں نظر آتا ہے۔

سجدہ گاہِ عاشقانست آستانہ پاکِ تو
گفت محبوب الٰہی خواجۂ پاک پتن

حضرت خواجہ خواجگان حضرت معین الدین چشتیؒ

آسمان معرفت کے وہ عظیم الشان آفتاب ہیں کہ جس کی ضیاء پاشیوں سے مشرق ومغرب خصوصاً برصغیر منور ودرخشاں ہے۔جن کے لطف وکرم سے صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ غیر مسلم بھی مستفیض ہیں۔ برِّصغیر کے اس جہانگیر اعظم کی جہانگیریت کروڑوں دلوں پر حکمرانی کر رہی ہے ہر قوم وملت کے لوگ آپ سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔آپ کا ان کے دلوں میں عزت واحترام وتقدس اس حد تک قائم ہے کہ وہ اپنے مذہبی تہواروں سے زیادہ خواجہ صاحب کے عرس کو اہمیت دیتے ہیں۔ ہر سال کڑوڑوں افراد آپ کے عرس میں شرکت کرنے کے لئے دور دور سے آتے ہیں۔

ایک انگریز مؤرخ لارڈ میکالے جو بہت بڑے اسکالر تھے اپنی کتاب میں ہندوستان کا ذکر کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں کہ میں نے ہندوستان میں دیکھا کہ ایک قبر ایسی ہے جو پورے ہندوستان میں لوگوں کے دلوں پر حکومت کرتی ہے، یہ بابرکت ہستی جناب حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی ہے جن کو آٹھ سو سال سے زیادہ گذر گئے لیکن لوگوں کے دلوں پر انکی عقیدت اور محبت ابھی تک قائم ہے۔آپ ہندوستان کے ایک شہر اجمیر شریف میں آرام فرمارہے ہیں ان کی چوکھٹ پر بڑے بڑے تاجداروں کے سرخم ہوجایا کرتے تھے۔

حضرت خواجہ خواجگان کی ولادت باسعادت ایران کے مشہور علاقے سیتان کے شہر

'سنجر' میں بروز پیر ١٤ ر رجب المرجب ٥٣٦ھ ہجری بمطابق ١١٤١ء میں ہوئی۔آپ کے والد بزرگوار کا اسم مبارک سید غیاث الدین حسن تھا، آپ کی والدہ ماجدہ کا نام ماہ نور تھا۔

والد صاحب صاحب ثروت ہونے کے باوجود متقی و پرہیز گار شخص تھے۔ جب خواجہ صاحب کی عمر شریف ١٣ سال کی تھی تو اس زمانے میں ملحدین اور باطنی فدائیوں کے پے در پے حملوں کی وجہ سے سنجر کا علاقہ تباہ و برباد ہوگیا تھا۔اس لئے آپ کے والدین آپ کو لے کر خراسان آگئے اور پھر نیشاپور میں آباد ہو گئے۔جب آپ کی عمر شریف پندرہ سال کی تھی تو آپکے والد صاحب کا وصال ہوگیا اور پھر ایک سال کے بعد ہی آپ کی والدہ محترمہ بھی اس دنیا سے رخصت ہوگئیں۔اتنی کم عمری میں آپ یتیم ہوگئے، نازو نعم میں پلنے کے باوجود آپ محنت سے نہیں گھبراتے تھے۔آپ نے سخت محنت و مشقت شروع کردی۔

آپ کو ورثہ میں ایک باغ ملا تھا۔اسی میں آپ رہتے تھے اور اس کی دیکھ بھال اور آبیاری میں مشغول رہتے تھے۔یہی آپ کی روزی کا ذریعہ تھا۔ایک دن کا واقعہ ہے کہ آپ باغ میں کام میں مصروف تھے، ایک مجذوب درویش حضرت ابراہیم قندوزیؒ آپ کے باغ میں تشریف لائے، یہ بہت دور دراز سے آئے تھے، تھکے ماندے نظر آتے تھے، حضرت خواجہ نے ان کو بہت ادب و تعظیم کے ساتھ بٹھایا پھر باغ کے بیلوں سے انگور کے خوشے توڑ کر کھانے کے لئے ان کی خدمت میں پیش کیے۔وہ مجذوب آپ کے اخلاق سے متاثر ہوئے، چلتے وقت انہوں نے اپنے تھیلے سے ایک کھل کا ٹکڑا نکالا اور اس کو اپنے دانتوں سے چبا کر آپ کے منہ میں دے دیا آپ نے وہ کھل کا ٹکڑا کھالیا۔کھل کھاتے ہی آپ کے دل کی دنیا میں ایک انقلاب برپا ہوگیا اور آپ نے علم دین کے حصول کا عزم کرلیا۔حضرت ابراہیم قندوزیؒ نے آپ کے دل میں شمع معرفت روشن کردی اور روحانیت کی بلندیوں کا جلوہ بھی کرادیا۔اور تاکید کی کہ اے بیٹا! معرفت اور روحانیت کی وادی میں قدم رکھنے سے پہلے علم شریعت سے آراستہ و پیراستہ ہونا ضروری ہے۔

کھل کھانے کے بعد آپ نے اپنے اندر ایک نئی تبدیلی محسوس کی، دل دنیا کی محبت سے خالی ہوگیا، آپ نے باغ اور پن چکی فروخت کر دی اور سارا پیسہ فقیروں، غریبوں اور بیواؤں کو تقسیم کر دیا اور تلاش حق میں سفر اختیار کیا۔ پھر خراسان کی طرف روانہ ہوئے، وہاں آپ نے قرآن شریف حفظ کیا، سنجر کے ایک مدرسے میں تفسیر و حدیث کی تعلیم پائی، مولانا شیخ حسام الدین بخاریؒ اور مولانا شرف الدینؒ سے علوم دینی اور علوم عقلی کی سند حاصل کی۔ اس کے بعد آپ سمرقند و بخارا سے ہوتے ہوئے عراق تشریف لے گئے وہاں ۵۵۰ھ ہجری میں بغداد میں حضرت غوث الاعظم نے آپ کو دیکھا تو فرمایا کہ یہ مرد مجاہد زمانے بھر کے بزرگوں کا روحانی پیشوا ہوگا اور بہت سے لوگ اس کے ذریعے سے منزل مقصود تک پہنچیں گے۔ گفتگو کے دوران حضرت خواجہ صاحب نے ہندوستان کے سفر کا ارادہ ظاہر کیا، یہ سن کر حضرت غوث اعظمؒ نے فرمایا: معین الدین ہند کی سرحد پر اللہ کا ایک شیر بیٹھا ہے اس سے ڈرنا، حضرت کا اشارہ حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش کی طرف تھا۔ آپ حرمین شریف کے سفر پر روانہ ہوئے اور وہاں سے شہر ہارون پہنچے، یہاں پر سلسلہ چشتیہ کے ایک بہت بڑے بزرگ حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ رشد و ہدایت دے رہے تھے، آپ ان کے دست حق پر بیعت ہو گئے اور ڈھائی سال تک اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر رہے۔

ایک دن آپ کے پیر و مرشد نے حکم دیا معین الدین! وضو کر کے دو رکعت ادا کرو، آپ نے دو رکعت نفل ادا کئے پھر حکم ہوا قبلہ رخ بیٹھ کر سورہ بقرہ کی تلاوت کرو، پھر اکیس مرتبہ درود شریف پڑھوا کر آپ کا ہاتھ تھام لیا، پھر فرمانے لگے معین الدینؒ میں نے تجھے خدائے عز و جل تک پہنچا دیا اور خدا کا مقبول کرا دیا۔ اس کے بعد قینچی سے آپ کے کچھ بال تراش دیئے اور کلاہ چہار ترکی سر پر رکھی پھر گلیم عطا فرمائی اور فرمایا ایک دن مجاہدہ کرو اور ہزار بار سورۃ اخلاص پڑھو۔ خواجہ صاحب جب پڑھ چکے تو پھر کہا سر اوپر کرو، آپ نے سر اوپر کیا، پوچھا کیا دیکھتے ہو؟ آپ کی

نظر جب آسمان پر پڑی تو حجابات کے تمام پردے اٹھ گئے، پھر حکم ہوا ہزار بار سورۃ اخلاص پھر پڑھو اور آنکھیں بند کرو، جب آپ نے زمین و آسمان کی طرف دیکھا تو اٹھارہ ہزار عالم کے تمام حجابات آپ کو نظر آنے لگے، پھر حکم ہوا کہ آنکھیں کھول لو، ایک اینٹ سامنے پڑی تھی اس کے اٹھانے کا حکم ہوا جب آپ نے ہاتھ لگایا تو وہ سونے کی بن گئی، آپ کے پیر مرشد نے حکم دیا اب اسے غریبوں اور فقراء میں تقسیم کردو، آپ نے بحکم شیخ ایسا ہی کیا اور بیس سال تک اپنے مرشد کے ساتھ مختلف ممالک کی سیاحت کی۔

آپ اپنے مرشد کے ساتھ مکہ معظّمہ تشریف لائے، خانہ کعبہ میں آپ کے پیر و مرشد نے آپ کے لئے دعا کی، عالم غیب سے آواز آئی ہم نے معین الدین کو قبول کیا۔ اس کے بعد مدینہ شریف روضۂ رسول پر تشریف لے گئے، آپ کے مرشد نے فرمایا معین الدین سلام کرو۔ آپ نے عرض کیا: الصلوٰۃ السلام وعلیک یارسول اللہ! روضہ سے جواب ملا وعلیکم السلام یا قطب المشائخ! یہ سن کر آپ کے پیر و مرشد نے فرمایا: معین الدین! اب تو درجہ کمال کو پہنچ گیا۔ پھر وہاں سے آپ اپنے مرشد کے ساتھ بخارا اور بدخشاں سیوستان دمشق اور سنجر پہنچے پھر بغداد شریف میں حضرت غوث اعظم کے پاس حاضر خدمت ہوئے۔ اس موقع پر حضرت غوث اعظم نے چشت کے ان بزرگوں کی خاطر مدارت میں محفل سماع کا انعقاد کیا۔ آپ کے پیر مرشد نے وہاں چلہ کیا، اس دوران آپ حضرت غوث اعظم کی صحبت سے مستفیض ہوئے۔ پھر پیر مرشد سے رخصت ہو کر شہر اوش پہنچے، یہاں حضرت بختار کاکیؒ آپ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے، آپ حضرت بختیار کاکیؒ کے ہمراہ عمرہ کرتے ہوئے روضۂ رسول پر تشریف لائے۔ اس روز آواز آئی کہ معین الدین کو بلاؤ، دربار رسول کے خادم نے معین الدین کا نام پکارا، بہت سے لوگوں نے لبیک کہا پھر آواز آئی معین الدین چشتی کو بلاؤ، آپ پر رقت طاری ہوگئی پھر روضہ کے اندر سے آواز آئی: ''اے قطب المشائخ اندر آجاؤ'' پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے معین الدین تم ہمارے دین کے معین

ہو (مددگار) ہم نے تم کو ہند کی ولایت عطا کی۔ تم ہند جاؤ وہاں اجمیر شریف کے مقام پر ہمارا ایک فرزند جو جہاد کی نیت سے گیا تھا وہ شہید ہو گیا ہے۔ تم وہاں جاؤ اور اسلام کو سر بلند کرو۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انار خواجہ صاحب کو دیا اور فرمایا کہ یہ جنت کا انار ہے اس انار سے دیکھو تم کو کہاں جانا ہے خواجہ صاحب نے انار کو دیکھا تو مشرق سے مغرب تک صاف نظر آتا تھا، آپ ہرات چشت سے ہوتے ہوئے ملتان پہنچے۔ چشت میں چشتیہ کے امام حضرت ابو اسحاق شامی چشتی کے مزار شریف پر حاضری دے دی۔ ملتان سے لاہور تشریف لائے یہاں حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش کے مزار پر حاضری دی اور آپ نے یہاں چلہ کیا، چلہ کشی کے دوران حضرت داتا گنج بخش سے عالم رؤیا میں ملاقات ہوئی، داتا صاحب نے فیوض و برکات سے آپ کو مالا مال کر دیا۔ آپ نے اظہار عقیدت میں یہ شعر کہا:

گنج بخش فیضِ عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

اسکے بعد آپ لاہور سے دہلی تشریف لے گئے۔ اس وقت دہلی کفر و شرک کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ دہلی میں کچھ روز قیام فرما کر اپنے خلیفۂ خاص حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کو آپ نے دہلی میں تعیّنات کر دیا اور خود اجمیر شریف تشریف لے گئے۔ شہر کے باہر ایک میدان میں ایک درخت کے نیچے قیام فرمایا، یہاں راجہ کے اونٹ آرام کرتے تھے، مہاراجہ اجمیر کے ساربان آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے اے فقیر! یہاں سے چلا جا، یہاں مہاراجہ کے اونٹ آرام کرتے ہیں۔

آپؒ نے ان سے کہا کیا کہا تم نے یہاں راجہ کے اونٹ بیٹھتے ہیں؟ اچھا ہم یہاں سے اٹھ کر چلے جاتے ہیں اب یہاں اونٹ بیٹھے ہی رہیں گے، یہ کہہ کر آپ وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور ایک تالاب کے کنارے جسے آنا ساگر کہتے تھے وہاں جا کر عبادت میں مصروف ہو گئے۔ شام کو راجہ کے ساربانوں نے اونٹوں کو بٹھا دیا۔ دوسرے دن صبح جب

ساربان اونٹوں کے اٹھانے کے لئے آئے، تو کوئی بھی اونٹ نہ اٹھا سب کے پیٹ زمین سے چپک گئے، ساربان سخت پریشان ہوئے۔ انہوں نے پورا واقعہ مہاراجہ پرتھوی راج چوہان کو بتایا، مہاراجہ نے ساربانوں سے کہا کہ اس فقیر سے معافی مانگو۔ ساربان آئے اور آپ سے معافی مانگی، خواجہ صاحب نے اونٹوں کی طرف اشارہ کیا سب اونٹ کھڑے ہو گئے۔ ساربان خوشی سے واپس آئے اور مہاراجہ کو بتایا۔ اس نے کہا واقعی مسلمانوں کا یہ فقیر بہت کامل ہے۔

اَنا ساگر کے کنارے آپ کے مریدین تالاب سے وضو کر کے نماز باجماعت آپکی اقتداء میں ادا کرتے تھے، بہت سے ہندو آپ کی کرامات دیکھ کر اور آپ کی شخصیت سے متاثر ہو کر مسلمان ہو رہے تھے، روز بروز مسلمانوں کی تعداد بڑھتی جارہی تھی۔ متعصب پنڈتوں نے مہاراجہ سے کہا کہ سارا تالاب مسلمانوں کے وضو کرنے سے ناپاک ہو رہا ہے، دھرم بھشٹ ہو رہا ہے، مہاراجہ نے وہاں فوج کے جوان تعینات کر دیئے کہ اب مسلمان وہاں سے پانی نہ لینے پائیں ۔آپ نے ان سے کہا کہ ہم کو صرف ایک مٹکا پانی لے لینے دو اس کے بعد ہم ادھر کا رخ نہیں کریں گے انہوں نے اجازت دے دی۔ آپ نے اپنے ایک مرید کو بھیجا وہ ایک مٹکا پانی لے آ گیا تھوڑی دیر کے بعد اس تالاب کا پانی غائب ہونا شروع ہو گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے سارا تالاب خشک ہو گیا۔ اس صورتحال نے اجمیر کے عوام اور فوجیوں کو پریشان کر دیا اور وہ لوگ روتے ہوئے نہایت عاجزی کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور معافی کے خواستگار ہوئے۔ آپ نے خادم سے کہا اچھا یہ مٹکے کا پانی تالاب میں واپس ڈال دو۔ خادم نے پانی تالاب میں ڈال دیا دیکھتے ہی دیکھتے تالاب پانی سے بھر گیا۔ پورے شہر کا دارومدار اسی تالاب پر تھا، تالاب خالی ہونے کے بعد شہر میں کہرام مچ گیا تھا جب لوگوں نے دیکھا کہ تالاب پھر بھر گیا ہے، یہ کرامت دیکھ کر ہزاروں کی تعداد میں لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

جب لوگوں نے حلقہ بگوش اسلام ہونا شروع کیا تو اس علاقے کے برہمنوں اور بااثر

ہندوؤں کو تشویش لاحق ہوئی کہ اس طرح اگر لوگ مسلمان ہوتے رہے تو ایک دن سارا کا سارا ہندوستان مسلمان ہو جائے گا اور بتوں کی پوجا کرنے والا کوئی بھی باقی نہیں رہے گا، انہوں نے مہاراجہ سے کہا کہ اس مسلمان فقیر کا کوئی توڑ کیا جائے چنانچہ مہاراجہ نے ہندوستان کے تمام جادوگروں اور ساحروں کو بلوالیا۔ ہندوستان کے نامی گرامی ساحر جے پال جوگی کو جو ہمالیہ کی ترائیوں میں جاپ کرر ہا تھا ان کی مدد کے لئے خاص طور پر بلوایا گیا۔ جوگی جے پال نے راجہ کو یقین دلایا کہ یہ تو میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے، میں اس مسلمان فقیر کو سبق سکھادوں گا او روہ یہاں سے بھاگ جائے گا۔

جوگی جے پال بہت سے جادوگروں کے لشکر کے ساتھ حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی طرف روانہ ہوا، جوگی جے پال ہرن کی کھال پر بیٹھا تھا جو ہوا میں پرواز کرتا ہوا آرہا تھا۔ مہاراجہ کو جب حضرت خواجہ کے خلاف کوئی بھی معاندانہ خیال دل میں پیدا ہوتا تو وہ اندھا ہو جاتا تھا اور جوگی جے پال جادو کے زور سے مہاراجہ کو ٹھیک کر دیتا۔ جب حضرت خواجہ کو ان کے آنے کی اطلاع ہوئی تو آپ نے مکمل وضو کیا اور اپنے پاس ایک دائرہ کھینچا اور اپنے تمام مریدین سے کہا کہ اس دائرے سے باہر نہ نکلنا۔ یہ کافر اس دائرے کے اندر داخل نہیں ہو سکتے، جوگی جے پال نے جادو کے زور سے سانپوں کی بارش کی جو دائروں کے کنارے پر آکر رک جاتے تھے۔ آپ نے اپنے مریدین سے کہا کہ ان سانپوں کو اٹھا کر پھینک دو چناں چہ انہوں نے سانپوں کو اُٹھا کر پھینکنا شروع کر دیا جہاں جہاں سانپ گرتے وہاں فوراً درخت اُگ جاتے تھے۔ کافی دیر کے مقابلے کے بعد جے پال جوگی نے آپ سے کہا کہ تم لوگ کیوں اپنے کو ہلاکتوں میں ڈال رہے ہو؟ اب تم میرے عذاب سے نہیں بچ سکتے۔ جے پال نے ہر طرح کے جادوئی کرشمے دکھائے لیکن آپ اور آپ کے تمام مریدین بفضلہٖ تعالیٰ محفوظ رہے۔

آخر میں جب جوگی جے پال تھک گیا تو ہرن کی کھال پر بیٹھ کر ہوا میں پرواز کرتے ہوئے کہنے لگا کہ اگر آپ مجھے پکڑلیں تو میں آپ کا سیوک بن جاؤں گا اور اگر آپ مجھے نہ ڈھونڈ

سکیں گے تو آپ میرے سیوک بن جائیں گے۔آپ نے مسکراتے ہوئے اس کی شرط مان لی، جوگی جے پال ہوا میں اڑتے ہوئے غائب ہوگیا، آپ نے اپنی نعلین مبارک کو حکم دیا کہ جوگی جے پال کو مارتے ہوئے لے کر آؤ، تھوڑی ہی دیر میں جوگی جے پال اس حالت میں آپ کے سامنے آیا کہ اس کے سر پر نعلین پڑ رہے تھے اور وہ ہاتھ باندھے ہوئے چیخ رہا تھا اور آپ سے روتے ہوئے درخواست کرنے لگا کہ مجھے اس عذاب سے نجات دلوائیں۔خواجہ صاحب نے اپنی نعلین کو حکم دیا وہ واپس آگئیں، جوگی جے پال آپ کے قدموں میں گر گیا اور پھر سچے دل سے تائب ہوکر آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوگیا، جب جوگی جے پال مسلمان ہوا تو اس کو دیکھ کر باقی جادوگروں نے بھی توبہ کرلی اور وہ سب حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔

جہانگیر اعظم خواجہ خواجگان حضرت معین الدین حسن چشتی اسلام کا وہ روشن مینارہ تھے کہ جس کی روشنی جب کفر وظلمت کی تاریکیوں میں ڈوبے ہوئے قلوب پر پڑتی تھی تو ان کو ایمان کی روشنی سے منور کر دیتی تھی۔فرمان رسول کے مطابق آپ نے دن ورات تبلیغ کی، آپ نے اور آپ کے خلفاء حضرات نے سرزمین ہند کے کونے کونے میں اسلام کی روشنی کو پھیلایا۔حضرت خواجہ بختیار کاکی کو آپ نے دہلی میں رشد وہدایت کی مسند پر بٹھا دیا تھا۔

یہ حقیقت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اصلاح عالم کا آخری ظہور تھی، آپ کی تعلیمات جو تعلیمات جہانگیری کی ایک مکمل تصویر تھیں، اس نے انسانی فلاح ونجات کے راستے کا تعین کیا اور اسی راستے پر چلتے ہوئے آپ کی امت کے اولیاء کرام نے بھٹکے ہوئے لوگوں کی اصلاح کا کام انجام دیا، ان ہادیوں اور رہبروں کے بارے میں قرآن حکیم فرقان مجید میں ان الفاظ میں ذکر ہے:

”محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور وہ لوگ جو آپ کی پیروی میں نہایت سخت ہیں مگر آپس میں نہایت رحم دل ہیں، ان کو تم ہمیشہ اللہ کے حضور رکوع

وسجود میں دیکھو گے کیونکہ وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضا کے طالب ہیں ان
کی پیشانیوں پر کثرت سجود کی وجہ سے نشان بن گئے ہیں۔''
(سورۃ فتح)

یہ وہ متبرک اور جلیل القدر ہستیاں تھیں کہ جنہوں نے عشق رسول اور اتباع رسول میں غرق ہو کر اپنے اندر انبیاء علیہم السلام کی طرح خصوصیات پیدا کر لی تھیں۔ ان پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل وکرم تھا۔

ایسے نورانی نفوس قدسیہ کی تعداد بہت کم ہے اور دنیا کی تاریکی بہت وسیع ہے لیکن ان جلیل القدر ہستیوں نے دین اسلام کے لئے پشت در پشت ایسے مایہ ناز چراغ روشن کئے کہ جن سے تمام عالم میں نور پھیل گیا۔ ان نفوس قدسیہ نے جن جن علاقوں میں قدم رکھا وہ اسلام کے نور سے جگمگا اٹھے۔ یہ فقراء ومساکین اور بادیہ نشینوں کی جماعت تھی ان کے پاس نہ دنیاوی ساز وسامان نہ اسلحہ نہ فوج تھی سوائے ان کے کردار کی عظمت کے اور اتباع رسول اور عشق رسول کی طاقت کے جس نے سینکڑوں سالہ قدیم دھارے کا رخ یکسر تبدیل کر دیا۔ انسانی تاریخ اپنی اس عدیم المثال اور لازوال جماعت کے تاریخ ساز جہانگیر اعظم حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔

جب اس دنیا کا سورج غروب ہوتا ہے تو پھر رات ہو جاتی ہے اور ہر طرف تاریکی چھا جاتی ہے لیکن جب آفتاب معرفت غروب ہوتا ہے تو اس کی روشنی لازوال ہوتی ہے ۶۳۲ھ کو آپ نے اس دنیا فانی سے پردہ فرمایا لیکن آپ کی معرفت کی ضیا پاشیوں سے یہ خطہ منور ہے۔ اور اس روشنی کی آب وتاب قیامت تک قائم ودائم رہے گی۔

الٰہی تابود خورشید وماہی
چراغ چشتیاں را روشنائی

آپ کے چند اقوال پیش خدمت ہیں:

(۱) عارف سے ادنیٰ ترین بات یہ ظاہر ہوتی ہے کہ وہ ملک و مال سے بیزار ہوجاتا ہے۔

(۲) عارف دنیا کا دشمن اور مولا کا دوست ہوتا ہے۔

(۳) محبت میں عارف وہ ہے جو ذکر الٰہی کے سوا کسی کو دوست نہ رکھے۔

(۴) گناہ اتنا نقصان نہیں پہنچاتا جتنا مسلمان بھائی کو خوار کرنا اور اس کی بے عزتی کرنا۔

(۵) بدبختی کی علامت یہ ہے کہ گناہ کر کے مقبولیت کی توقع کرے۔

(۶) جس شخص میں تین خصلتیں ہوں اس کو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ اللہ کا دوست ہے:

(۱) دریا کی سی سخاوت (۲) آفتاب کی سی شفقت (۳) زمین کی سی تواضع۔

(۷) نیکوں کی صحبت نیک کام کرنے سے بہتر ہے اور بُروں کی صحبت بُرے کام سے بدتر ہے۔

آپ نے تصوف پر کئی کتابیں تحریر کی ہیں۔ مندرجہ ذیل کتابیں علم تصوف کی بہت اعلیٰ معیار کی کتابیں ہیں:

(۱) انیس الارواح (۲) کشف الاسرار

کتاب انیس الارواح میں آپ نے اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کے ملفوظات اور ارشادات کو بہت جامع شکل میں تحریر کیا ہے۔

کشف الاسرار یہ کتاب معرفت کی اعلیٰ تعلیم سے لیس ہے۔ یہ کتاب فارسی میں ہے اس میں ذکر و اذکار حبس دم اور ذکر خفی پر بحث ہے۔ اس میں قرآن و حدیث مبارکہ اور بزرگان دین کے احوال یا اقوال و اشعار کے بموجب تصوف کی تعلیم بھی موجود ہے۔

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ

برِّ صغیر کے ایک بہت بڑے عظیم المرتبت جہانگیر جن کو بابا فرید مسعود گنج شکرؒ کہتے ہیں ۵۸۲ھ ہجری میں علاقہ ملتان کے ایک قصبہ کھتوال میں پیدا ہوئے۔ آپ کا اسم مبارک فرید الدین مسعود رحمۃ اللہ علیہ ہے لیکن گنج شکر کے نام سے سارے عالم میں مشہور ہوئے۔ آپ کے والد صاحب حضرت جمال الدین سلیمان نہایت عالم و فاضل بزرگ تھے۔ آپ کی والدہ محترمہ حضرت بی بی قرسمؒ مولانا وجیہ الدین کی صاحبزادی تھیں۔ نہایت عابد و زاہد اور صاحب کرامت خاتون تھیں۔

ایک مرتبہ ایک ہندو چور رات کو آپ کے گھر میں داخل ہوا، آپ عبادت و ریاضت میں مصروف تھیں، چور چند قدم ہی گھر میں چلا ہوگا کہ اس کی بینائی ضائع ہوگئی اور اسے راستہ نظر نہیں آرہا تھا دیواروں سے ٹکرا رہا تھا۔ جب اس چور نے اپنی یہ حالت محسوس کی تو اس نے بلند آواز سے خدا کا واسطہ دے کر آپ سے کہا کہ اگر میری بینائی واپس آگئی تو میں ہمیشہ کے لئے چوری سے توبہ کرلوں گا۔ آپ کو اس کی حالت دیکھ کر رحم آگیا اور آپ نے خدا سے اس کے لئے دعا کی اور دیکھتے دیکھتے ہی اس کی آنکھیں دوبارہ روشن ہوگئی اور وہ دعائیں دیتا ہوا اس گھر سے چلا گیا۔

دوسرے دن چور مع اپنے خاندان کے حاضر خدمت ہوا اور پورے خاندان سمیت مسلمان ہوگیا، اس کا نام عبداللہ رکھا گیا، اس لٹیرے ہندو نے مسلمان ہونے کے بعد دین اسلام کی بہت خدمت انجام دی۔ بعد میں حضرت شیخ عبداللہ کے نام سے مشہور ہوئے، آپ کو انتقال کے بعد بابا فرید شکر گنجؒ کے والد حضرت جمال الدین سلیمان اور حضرت اعزاز الدین محمود کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

حضرت بابا فرید الدین بچپن ہی میں والد کے سایہ سے محروم ہو گئے تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت بی بی قرسم نے آپ کی تربیت بہت اچھے انداز میں کی۔ آپ کی والدہ فرماتی تھیں کہ بیٹا نماز پڑھا کرو اس سے اللہ راضی ہوتا ہے اور اپنے عبادت گزار بندوں کو بے شمار اعزازات سے نوازتا ہے۔ حضرت بابا فرید شکر گنج ؒ اس وقت کم سن تھے۔ والدہ سے پوچھنے لگے: ''جو بچے نماز پڑھتے ہیں انہیں اللہ کی طرف سے کیا انعام ملتا ہے؟'' مادر گرامی نے فرمایا ''نمازی بچوں کو پہلے شکر ملتی ہے پھر جب وہ بڑے ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں دوسرے انعامات سے نوازتا ہے۔''

آپ کی والدہ روزانہ خاموشی کے ساتھ آپ کے مصلے کے نیچے شکر کی پڑیا رکھ دیتی تھیں۔ بابا صاحبؒ روزانہ نماز ادا کرنے اور شکر کی پڑیا کی صورت میں انعام پاتے تھے۔ یہ سلسلہ کئی ماہ تک چلتا رہا پھر ایک دن ایسا ہوا کہ قرسمؒ خاتون اپنی گھریلو مصروفیات کی وجہ سے شکر کی پڑیا رکھنا بھول گئیں، دوسرے دن ان کو یاد آیا تو آپ نے بابا صاحبؒ کو بلا کر پوچھا: فرید کیا کل تمہیں مصلّے کے نیچے سے شکر کی پڑیا ملی تھی؟ آپ نے کہا جی ہاں! مجھے ہر نماز کے بعد شکر مل جاتی ہے۔ حضرت بابا فرید نے بصد احترام عرض کیا۔

بیٹے کی بات سنتے ہی بی بی قرسم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کر رہی تھیں ''کہ اے اللہ! تو نے مجھے میرے فرید کے سامنے شرمندہ ہونے سے بچالیا۔ اگر تیرا دست غیب اسے شکر فراہم نہ کرتا تو وہ میرے بارے میں کیا سوچتا۔''

تصوف کی کتابوں میں یہی روایت درج ہے کہ جس دن قرسمؒ خاتون نے بابا فرید کو گنج شکر کہہ کر پکارا اسی دن سے آپ کا لقب گنج شکر مشہور ہو گیا۔ بعض کتابوں میں تذکرہ نگاروں نے اپنی تحقیق سے یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت بابا فرید کو ''گنج شکر'' کا لقب آپ کی والدہ محترمہ نے نہیں دیا تھا، بعد میں آپ کی زندگی میں تاجران شکر کا واقعہ پیش آیا تھا تب سے گنج شکر مشہور ہو گئے۔

حضرت بابا فریدؒ نے ابتدائی تعلیم کھتوال کے مکتب میں حاصل کی، سید نذیر احمد سے ابتدائی تعلیم حاصل کی پھر حضرت قاری محمد کی نگرانی میں قرآن شریف حفظ کیا۔ اس زمانے میں آپ کے خاندان کے لوگ حج بیت اللہ کی زیارت کے لئے جانے لگے تو آپ نے اپنی والدہ صاحبہ کے ساتھ حج کی سعادت حاصل کی۔ حج کی سعادت حاصل کرنے کے بعد آپ کو والدہ صاحبہ نے مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے ملتان بھیج دیا۔ آپ بڑی جانفشانی سے مولانا منہاج الدین کی مسجد کے مدرسے میں دینی تعلیم حاصل کرنے لگے۔ حضرت بابا صاحبؒ کے شوقِ علم کا یہ حال تھا کہ لڑکپن کے باوجود دنیا کی ہر دلکشی سے بے نیاز ہو گئے تھے۔ آپ تمام وقت کتابوں کے اوراق میں گم رہتے تھے۔

آپ کی عمر شریف جب اٹھارہ سال کی ہوگئی تو علم کی جستجو کا شوق اتنا پیدا ہو گیا کہ جب مطالعہ کے لئے بیٹھتے تو گردوپیش سے بے خبر ہو جاتے تھے۔ ایک دن مسجد کے گوشہ میں مطالعہ میں مصروف تھے کہ آپ کو ایک تیز خوشبو سی محسوس ہوئی، آپ نے نظر اٹھا کر دیکھا تو ایک روشن چہرہ بزرگ غسل خانہ کی طرف جارہے تھے، بابا فریدؒ انہیں دیکھتے ہی رہ گئے کہ وہ بزرگ سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین حسن چشتیؒ کے خلیفہ اکبر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ تھے۔ آپ حضرت بہاؤالدین زکریاؒ کی دعوت پر ملتان تشریف لائے تھے۔ بابا فریدؒ کا دل مطالعہ سے اچاٹ ہو گیا، باربار کتاب کی طرف متوجہ ہوتے مگر ایک لفظ بھی سمجھ میں نہ آتا۔ آخر آپ نے کتاب بند کر دی اور حضرت قطب الدین کی طرف دیکھنے لگے۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ نے وضو کیا اور نماز میں مشغول ہو گئے۔ بابا فریدؒ سوچ رہے تھے کہ ایسی روشنی تو میں نے کسی انسان کے چہرے پر نہیں دیکھی۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ جب نماز سے فارغ ہوئے تو بابا فریدؒ کے پاس آئے تو آپ انہیں دیکھ کر احترام سے کھڑے ہو گئے۔ حضرت قطب الدینؒ نے کہا بیٹھے رہو فرزند، پوچھا کون سی کتاب پڑھ رہے ہو؟ بابا صاحبؒ نے کہا میں

نافع کا مطالعہ کررہا ہوں (فقہ حنفیہ کی مشہور کتاب ہے) حضرت قطب نے فرمایا انشاء اللہ یہ کتاب تمہیں نفع پہنچائے گی، حضرت قطب الدینؒ نے نوجوان طالب علم کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے فرمایا۔ حضرت بابا فرید نے عرض کیا حضور میرا نفع تو آپ کی نگاہِ کیمیاء اثر میں پوشیدہ ہے بابا صاحب نے نہایت وارفتگی کے عالم میں عرض کیا۔

حضرت قطب الدینؒ نے نوجوان طالب علم کو بڑے غور سے دیکھا اور کہا: "تمہیں کیا معلوم ہے کہ میں کون ہوں؟ بابا صاحبؒ نے عرض کیا: بیشک میں آپ کی ذات گرامی سے واقف نہیں مگر میرا دل کہتا ہے کہ آپ کے قدموں سے اٹھنے والا غبار ہی میری منزل ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے نظریں جھکالیں۔

حضرت قطب الدینؒ آپ کے جذبات سے بہت متاثر ہوئے پھر آپ نے فرمایا فریدؒ کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے: میں شیخ بہاؤ الدین زکریا کا مہمان ہوں اور ان کی خانقاہ میں ٹھہرا ہوا ہوں، اگر فرصت ہو تو وہاں آکر مجھ سے مل لینا۔ بابا صاحبؒ نے نہایت عقیدت سے حضرت قطبؒ کے ہاتھ پر بوسہ دیا۔ اور حضرت قطب وہاں سے چلے گئے۔ دوسرے دن آپ بہاؤ الدین زکریا کی خانقاہ میں حاضر ہوئے، بڑی مشکل سے حضرت قطب الدین بختیار کا کیؒ تک آپ کی رسائی ہوئی۔ خانقاہ کے خادم آپ کو خاطر میں نہیں لا رہے تھے آپ نے ان کی بہت خوشامد کی او رکہا کہ آپ صرف ان کو جا کر میرا نام بتادیں وہ اگر بلائیں یا نہ بلائیں یہ میری قسمت ہے۔ جب خادم نے حضرت بہاؤ الدین زکریا اور حضرت قطبؒ کے پاس جا کر بتایا کہ ایک نوجوان فریدؒ آپ سے ملنا چاہتا ہے تو حضرت قطبؒ نے والہانہ انداز میں فرمایا اسے جلدی اندر بھیج دو ہم اسی کا انتظار کررہے تھے۔ خادم کو بڑی حیرت ہوئی اور باہر آکر آپ سے کہا کہ جاؤ وہ انتظار کررہے ہیں۔

آپ نے دونوں بزرگوں کو سلام کیا اور دست بوسی کی۔ حضرت بہاؤ الدین زکریا سے حضرت قطب الدین بختیار کا کیؒ مخاطب ہوئے اور فرمایا: یہ فرید ہے میرا فرید۔ حضرت بہاؤ الدین

زکریاؒ نے حضرت بابا فریدؒ کو بہت محبت بھری نظروں سے دیکھا اور کہا ''ماشاء اللہ ماشاء اللہ''
حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ آٹھ دس دن ملتان میں حضرت بہاؤ الدین زکریا کی خانقاہ میں مقیم رہے۔اس دوران حضرت بابا صاحبؒ کو ان کی خدمت کا موقع ملا۔

حضرت بابا صاحبؒ آپ کی خدمت میں دن ورات حاضر رہتے تھے، آٹھ دن بعد حضرت بابا بختیار کاکیؒ ملتان سے رخصت ہونے لگے تو بابا فریدؒ کچھ منزل تک آپ کے ساتھ ساتھ گئے۔ پھر آپ نے اپنے بارے میں پوچھا۔بابا بختیار کاکیؒ نے فرمایا: فرید جب تم علم ظاہری حاصل کرلواور اللہ کی تخلیق کردہ دنیا کا مشاہدہ کرلو پھر دہلی کا رخ کرنا اور مجھ سے دہلی میں ملنا،حضرت بابا صاحب نم ناک آنکھوں کے ساتھ راستے سے واپس آگئے اور حضرت بابا بختیار کاکیؒ دہلی کی طرف عازم سفر ہوئے۔

حضرت بابا صاحبؒ تحصیل علم کے لئے بغداد روانہ ہوگئے۔راستے میں بخارا سے گذر ہوا وہاں ایک عالم دین اور ولی اللہ حضرت اجل شیرازیؒ سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ کچھ دن کے بعد آپ نے ان کے پاس قیام کیا انہوں نے بڑی محبت سے آپ کو اپنے پاس ٹھہرایا۔ بخارا سے پھر آپ بغداد پہنچے یہاں سہروردی سلسلے کے ایک بزرگ حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ جو دور دور تک شہرت رکھتے تھے،آپ کی ان سے ملاقات ہوئی، کچھ دن ان کی خانقاہ میں قیام کیا، یہاں آپ کی ملاقات حضرت جلال الدین تبریزؒ،حضرت اوحدالدین کرمانیؒ اور شیخ برہان الدین سیستانیؒ سے ہوئی۔حضرت بابا صاحب ان بزرگوں کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔سیستان میں حضرت اوحدالدین کرمانی کی خانقاہ تھی، یہ بزرگ روحانیت کے بلند درجہ پر فائز تھے۔بابا صاحب کو ان سے فیض ملا۔

سیستان سے رخصت ہوکر آپ بدخشاں آئے، یہاں حضرت شیخ عبد الواحدؒ سے ملاقات ہوئی جو حضرت ذوالنون مصریؒ کے خلیفہ تھے اور عشقِ الٰہی سے اس قدر سرشار تھے کہ اہل

دنیا کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے تھے، ایک غار میں رہا کرتے تھے۔ آپ مخلوق سے بیزار رہتے تھے گوشہ نشینی اس حد تک تھی کہ کسی سے بھی نہیں ملتے تھے۔ حضرت بابا فریدؒ ڈرتے ڈرتے غار کے دہانے پر پہنچے کہ اندر سے آواز آئی ''اے سوختہ عشق ادھر آ کہ تجھ پر میرے دروازے ہمیشہ کھلے رہیں گے۔'' جب بابا فریدؒ اندر پہنچے تو دیکھا کہ ایک نحیف و زار شخص بظاہر ہڈیوں کا ڈھانچہ نظر آتا ہے جس کی ایک ٹانگ کٹی ہوئی تھی، جانماز پر بیٹھا ہے۔ حضرت شیخ عبدالواحدؒ نے بڑے جلال کے ساتھ کہا فریدؒ میرے قریب نہ آنا کہ جل کر خاک ہو جائے گا اور مجھ سے دور بھی نہ رہنا کہ تجھ پر جادو کا اثر ہو جائے گا۔

بابا صاحبؒ سلام کے بعد غار میں فرش خاک پر بیٹھ گئے۔ غار میں خاموشی چھائی ہوئی تھی، بابا صاحبؒ نے عرض کیا کہ حضور عشق خداوندی کیا ہے؟ حضرت شیخ عبدالواحد نے فرمایا! مجھے دیکھ کہ میں عشق کی ایک ادنیٰ سی مثال ہوں۔ پھر فرمایا فرید! میرے جسم پر نظر کر یہ آتشِ فراق میں پارہ پارہ ہو رہا ہے، بس کچھ دنوں کی بات ہے کہ یہ پگھلتے پگھلتے خاک میں جذب ہو جائے گا۔ میرے پیروں کی جانب دیکھ کہ یہ ایک ٹانگ سے محروم ہوں، مجھے دنیا کو طلاق دیئے ہوئے پون صدی گذر چکی ہے، میں نے اسباب ظاہری کی نفی کر دی ہے۔ بہت دن پہلے اس غار میں ایک عورت آئی تھی اس کے حسنِ فریب کار کو دیکھ کر میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ میں بھی غار سے باہر چلا جاؤں مگر جیسے ہی قدم اٹھایا ایک غیبی آواز نے میرے پیروں میں ہمیشہ کے لئے زنجیر ڈال دی۔

کہنے والا کہہ رہا تھا ''کہاں جا رہے ہو! محبت کا دعویٰ تو ہم سے کیا تھا اور اب کسی غیر کے ساتھ جا رہے ہو۔'' میں واپس لوٹ آیا اور میں نے فوراً اپنی ایک ٹانگ کاٹ کر پھینک دی۔ اب تیس سال سے شرم وندامت کی آگ میں جھلس رہا ہوں کہ قیامت کے دن اپنے دوست کو یہ چہرہ کس طرح دکھاؤں گا۔ حضرت شیخ عبدالواحد کی داستان حیات سن کر بابا فریدؒ اس قدر روئے

کہ آپ کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ پھر خود کلامی کے انداز میں کہنے لگے فریدؒ: تجھے کیا پتہ کہ اس سرزمین پر اس کے کیسے کیسے عاشق موجود ہیں۔؟

بدخشاں سے پھر آپ رخصت ہوئے اور چشت ہوتے ہوئے دمشق آگئے، چشت میں چشتیہ سلسلے کے بزرگ حضرت ابو یوسف چشتی کے مزار پر حاضری دی پھر دمشق میں شیخ شہاب الدین زندوسی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے فیوض و برکات سمیٹتے ہوئے نیشا پور تشریف لائے، یہاں حضرت فریدالدین عطارؒ سے ملاقات ہوئی جن کی بہت بڑی خانقاہ تھی یہاں بہت سے درویش خانہ نشین تھے، کچھ دن یہاں رہ کر آپ اولیاء اللہ کی برکتیں حاصل کرتے ہوئے ملتان پہنچے، مادر گرامی کی خدمت میں حاضر ہوئے، ماں نے بیٹے کو بڑی محبت کے ساتھ سینے سے لگایا۔ چندروز یہاں آرام کرنے کے بعد حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کی یاد نے دل کو تڑپانا شروع کردیا لہٰذا آپ کچھ دن کے بعد دہلی کے لئے عازم سفر ہوئے۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے بابا صاحب کو خوش آمدید کہا۔ اور بڑی گرم جوشی کے ساتھ سینے سے لگالیا۔

آپ نے حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ سے بڑی عاجزی سے فرمایا: ''حضور مجھے اپنی غلامی کا شرف بخش دیجئے۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے بہت مسرت کے ساتھ حضرت بابا فریدؒ کو بیعت کیا اور آپ کے بالوں کی کچھ لٹیں قینچی سے کاٹ کر سر پر کلاہِ چہار ترکی رکھدی۔ آپ کو طے کا روزہ رکھنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ افطار کے لئے جو کچھ غیب سے ظاہر ہو اس سے افطار کرلینا۔

طے کا روزہ تین دن کے بعد افطار کیا جاتا ہے۔ کئی مرتبہ طے کے روزے رکھے، تین دن بعد افطار کا سامان فراہم ہوجاتا تھا لیکن ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ تین سے زیادہ دن ہوگئے اور افطار کا سامان خورد و نوش فراہم نہ ہوا۔ بھوک کی شدت سے معدہ جلنے لگا، تکلیف کو کم کرنے کے لئے آپ بار بار پہلو بدلتے تھے، جب درد انتہاء کو پہنچا تو بے قرار ہو کر دونوں ہاتھ زمین پر مارے، اچانک آپ کی ہتھیلیوں میں چبھن سی محسوس ہوئی دیکھا تو وہ سنگریزے تھے ہاتھ سے

چپک گئے تھے، چھ دن کے مسلسل فاقے کے بعد کیا حالت ہوتی ہے، آخر آپ بشر تھے، جب قوت برداشت جواب دے گئی تو اضطراری طور پر آپ نے سنگریزوں کو اٹھا کر منہ میں رکھ لیا، اچانک آپ کو محسوس ہوا کہ کوئی میٹھی چیز آپ کے منہ میں موجود ہے۔ تین بار آپ نے اس کو اگل دیا کہ کہیں یہ شیطان کی طرف سے تو نہیں ہے لیکن آپ کو اپنے پیر و مرشد کی بات یاد آئی ''مولانا فریدؒ! جو کچھ غیب سے ظاہر ہو اسی سے افطار کر لینا۔'' جیسے ہی آپ کو یہ بات یاد آئی آپ نے سنگریزے منہ میں رکھ لئے اور کھانا شروع کر دیا وہ سب شکر بن گئے۔ آپ کی بھوک مٹ گئی اور جسم میں توانائی محسوس ہوئی۔

طے کے روزے رکھنے کے بعد حضرت بابا فرید مسعود گنج شکرؒ نے اپنے پیر و مرشد کے حکم پر کئی چلے کیے، پھر جب چلہ ختم ہو جاتا تو آپ اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر ہوتے مگر خواجہ قطبؒ فوراً ہی کوئی دوسرا وظیفہ بتا دیتے تھے، کئی بار بابا فرید نے اپنے مرشد سے شکایت آمیز لہجے میں عرض کیا کہ اب حضور مجھ سے یہ دوری برداشت نہیں ہوتی، خواجہ قطبؒ نہایت شفقت سے فرماتے: ''بابا یہ دوری کب ہے یہ تو حضوری ہے''۔

ایک مرتبہ انہیں دنوں جب آپ سے مسلسل چلے کروائے جا رہے تھے کہ حضرت خواجہ خواجگان معین الدین حسن چشتیؒ دہلی تشریف لائے اور خواجہ قطب الدینؒ سے فرمایا کہ بابا قطبؒ! ہم آپ کے خلفاء و مریدین کو دیکھنا چاہتے ہیں، خواجہ صاحب کی دہلی آمد پر پورا شہر آپ کی زیارت کے لئے آنے لگا۔

روزانہ ہزاروں لوگ آپ کا دیدار کرنے آتے تھے، حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے اپنے خلیفہ اکبر سے پوچھا: ''کیا تمہارے سب لوگ آگئے ہیں؟ آپ نے کہا حضور ایک نوجوان فریدؒ برج میں چلہ میں بیٹھا ہوا ہے وہ نہیں آسکا۔ آپ نے اپنے خلیفہ اکبر سے کہا چلو ہم خود چل کر اس کو دیکھ لیتے ہیں، ہر چند بابا قطبؒ نے کہا حضور اس کو یہیں بلا لیتے ہیں لیکن خواجہ غریب نوازؒ نے

کہا نہیں ہم وہیں چل کر اس سے ملاقات کر لیں گے۔ حضرت سلطان الہند غریب نوازؒ اور خواجہ قطب الدینؒ دونوں برج پر پہنچے، دروازہ پر کھڑے ہو کر اس سوختہ جان کو دیکھ رہے تھے کہ جس نے اپنی جوانی سخت ریاضتوں کی نذر کر دی تھی، یکایک بابا فریدؒ نے محسوس کیا کہ ایک مسحور کن خوشبو حجرے میں چاروں طرف پھیل گئی ہے، آپ نے آنکھیں کھول کر دیکھا اور خواجہ خواجگان کو دیکھتے ہی دیکھتے رہ گئے۔

آپ کے پیر و مرشد نے کہا: مولانا فرید! اپنی خوش قسمتی پر ناز کرو کہ تم سے ملنے کے لئے میرے پیر و مرشد حضرت سلطان الہند تشریف لائے ہیں۔ پیر و مرشد کی زبان سے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کا اسم گرامی سن کر بابا فریدؒ کی حالت غیر ہو گئی، احتراماً کھڑے ہونے کی کوشش کی تو پاؤں لڑکھڑائے اور آپ زمین پر گر پڑے، پوری طاقت کے ساتھ دوبارہ اٹھنے کی کوشش کی پھر گر پڑے، آخر آپ نے سرکتے ہوئے خواجہ خواجگانؒ کے قدموں کے قریب زمین پر اپنا سر رکھ دیا اور بے اختیار رونے لگے۔

خواجہ غریب نوازؒ نے آپ کے عشق کی اندرونی حالت کا جائزہ لے لیا اور بار بار قطبؒ سے فرمایا: ''قطب! آخر کب تک اس نوجوان کو مجاہدات کی آگ میں جلاتے رہو گے؟ آؤ ہم تم دونوں مل کر بارگاہ خداوندی میں عرض کریں کہ ہمارے اس فرزند کو شرف قبولیت بخش دیا جائے۔ یہ کہہ کر سلطان الہندؒ آگے بڑھے اور آپ کا دایاں ہاتھ پکڑا اور بابا قطبؒ کو اشارہ کیا انہوں نے بایاں ہاتھ پکڑا پھر دونوں نے بابا فریدؒ کو سہارا دے کر کھڑا کیا اور باری باری بابا صاحبؒ کو اپنے سینے سے لگایا۔ بابا صاحب نے محسوس کیا کہ آپ کی آنکھوں کے سامنے سے کئی حجابات اٹھ گئے ہیں اور معرفت کے پوشیدہ راز سورج کی طرح روشن نظر آ رہے ہیں۔ یہ واقعہ ۶۱۲ھ ہجری کا ہے، اس موقع پر آپ کو چشتیہ سلسلے کی خصوصی خلافت بخشی گئی۔ آپ نے یہ خلافت بہت کم عمری میں حاصل کر لی پھر اس دولت سرمدی کے حاصل کرنے کے بعد آپ نے دس سال دہلی میں اور بارہ

سال ہانسی میں رہ کر طویل مجاہدات کئے ان میں ایک ایسا چلہ بھی کیا جسے چلہ معکوس کہتے ہیں۔ یہ آپ نے اسی زمانے میں ادا کیا۔

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ بارہ سال ہانسی میں مقیم رہنے کے بعد ربیع الاول کے مہینے میں دہلی تشریف لائے، یہاں محفل سماع میں شرکت کی، حضرت قطبؒ کی صحبت میں کچھ دن گذارنے کے بعد آپ نے ہانسی جانے کی اجازت طلب کی، حضرت خواجہ بختیار کا کیؒ نے آپ کو بڑی محبت کے ساتھ گلے لگایا پھر نہایت پرسوز لہجے میں فرمایا: مولانا فرید! دنیا اور آخرت میں تم ہی میرے رفیق ہو اور تیرا مقام درحقیقت میرا ہی مقام ہے۔ یہ سن کر حضرت بابا فریدؒ کی پلکیں بھیگ گئیں۔ آپ دہلی سے روانہ ہوئے تو دل بہت پریشان تھا، پیرومرشد کے الفاظ کی بازگشت کانوں میں سنائی دے رہی تھی، آخر اس اضطراب میں کئی دن گذر گئے پھر ایک روز پیرومرشد کے وہ الفاظ دوبارہ یاد آئے جو آپ نے دہلی سے رخصت ہوتے ہوئے فرمائے تھے۔ آپ نے فوراً دہلی جانے کا قصد کیا اور صبح ہونے کا انتظار بھی نہیں کیا، رات کی تاریکی میں دہلی کی طرف عازم سفر ہوئے، ہانسی سے نکلنے سے پہلے اسی رات آپ نے خواب میں پیرومرشد کو دیکھا کہ وہ آپ کو یاد فرمارہے ہیں، یہی وجہ تھی کہ آپ نے دہلی جانے کے لئے صبح کا بھی انتظار نہ کیا۔

آپ چار دن بعد دہلی پہنچ گئے تو دیکھا کہ پورا شہر ماتم کدہ بنا ہوا ہے۔ حضرت قطب الدین بختیار کا کیؒ اس جہان فانی سے پردہ فرما چکے تھے۔ آفتاب معرفت زیرزمین میں غروب ہوگیا مگر بابا فرید گنج شکرؒ کی شکل میں اپنی عالم تاب روشنی چھوڑ گیا تھا۔ قبر مبارک پر پہنچے تو غم کی شدت سے بے ہوش کر گر پڑے پھر ہوش آیا تو مرقد مبارک سے لپٹ کر بچوں کی طرح رونے لگے۔ ایسا صابر اور شاکر بندہ پیرومرشد کے فراق میں اپنا صبر وقرار کھو بیٹھا تھا۔

دوسرے دن قاضی حمید الدین ناگوریؒ نے حضرت بابا فرید کو خرقہ مبارک، عصا مبارک اور نعلین مبارک (چوبی کھڑاؤں) پیش کیں اور کہا کہ خرقہ مبارک زیب تن کرلیں۔ حضرت قاضی

حمید الدین ناگوریؒ نے جب خرقہ مبارک بابا صاحب کو دیا تو لیتے ہوئے ان کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ قاضی حمید الدینؒ نے کہا کہ اس خرقہ مبارک کو سلطان الہند نے برسوں اپنے جسم کی خوشبو سے معطر کیا پھر خواجہ قطب نے خاندان چشتیہ کی روایات کو فروغ بخشا تھا اور اب یہی خرقہ آپ کو دیا جا رہا ہے۔ آپ نے خرقہ پہن کر دو رکعت نماز ادا کی پھر مسند خلافت وسجادگی پر تشریف لے گئے جہاں خواجہ قطب الدینؒ تشریف فرما ہوتے تھے۔

پھر آپ نے بڑی پر سوز آواز کے ساتھ لوگوں کو مخاطب کیا:

"لوگو! سنو میرے پیر ومرشد نے اپنے اور میرے مقام کو یکساں قرار دیا ورنہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں فرید الدین مسعودؒ ہوں، حضرت قطبؒ کا میں ایک ادنیٰ سا غلام ہوں، تم سب میرے لئے دعا کرو کہ میں اس آزمائش پر پورا اتروں اور اپنے پیر ومرشد کے نقشِ قدم پر چلوں۔"

یہ سن کر حاضرین رونے لگے اور تمام حاضرینِ خانقاہ نے کہا "آپ ہمارے پیر ومرشد کی روشن نشانی ہیں، اس لئے اب آپ ہی ہمارے شیخ ہیں اور آپ ہی ہمارے راہ نما ہیں۔" آپ نے ایک طویل عرصہ لوگوں کو رشد وہدایت دی اور آپ نے اجودھن (پاک پتن) کو اپنا مستقل مستقر بنالیا تھا، آپ نے پاک پتن میں رہ کر تبلیغ اسلام کا وہ لازوال کارنامہ انجام دیا جس کو تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ آپ کے مناقب وکرامات کا احاطہ کرنا بہت مشکل ہے، اس کے لئے الگ کتابیں چاہیئے، لہٰذا ہم اسی ذکر پر اکتفاء کرتے ہوئے ان کوششوں کے بارے میں تحریر کرتے ہیں جو برصغیر کے خطے میں انہوں نے انجام دیں۔

آپ نے اپنے آستانہ میں ایک مجلس خانہ بنوایا تھا جو اب بھی موجود ہے، وہاں آپ روزانہ درس دیتے تھے اور حدیث وفقہی مسائل بیان کرتے تھے اور سائلوں کی حاجت روائی فرماتے تھے۔ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ صرف خانقاہ نشین بزرگ ہی نہیں تھے بلکہ آپ اپنے زمانے

کے ایک متبحر عالم دین تھے فقہ وحدیث میں کمال رکھتے تھے۔ آپ کے خلفاء حضرات میں بھی ایسے جید عالم دین شامل تھے کہ جنہوں نے تعلیماتِ جہانگیری کے لئے گوشہ گوشہ کا سفر اختیار کیا او رحدیث وفقہ کی تعلیم کے ساتھ بنی نوع انسان کو اخلاقیات کی تعلیم دی، ان کردار ساز نادر روزگار ہستیوں نے اپنے عمل سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جہانگیر عظیم کی تعلیمات کو مشرق سے لے کر مغرب تک اور دنیا کے کونے کونے میں پھیلا دیا۔ یہ خلفاء حضرات علم دین، حدیث وفقہ، اصول اور تصوف کے صوفی بزرگ ہونے کے ساتھ ساتھ شریعت وطریقت، فقر ودرویشی کی تعلیم کے جامع العلوم امام ہوتے تھے۔ جنہوں نے جہالت کی تاریکیوں کو ختم کر کے دنیا وآخرت کے جہانگیر عظیم کی روشن تعلیمات کو پھیلایا۔

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ نے ۶۶۶ ہجری میں اس جہان فانی سے پردہ فرمالیا، آپ کو پاک پتن میں اپنے آستانہ میں دفن کیا گیا، آپ کا مزار پر انوار مرجع خلائق ہے۔ یکم محرم سے دس محرم الحرام تک عرس کی تقریبات ہوتی ہیں لاکھوں افراد آپ کے عرس میں شرکت کرنے کے لئے دور دور سے آتے ہیں۔

دیگر شہرۂ آفاق جہانگیر

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے خلفاء حضرات میں حضرت خواجہ نظام الدینؒ اولیاء محبوب الٰہی نے بہت نام پیدا کیا۔ بابا گنج شکرؒ نے ان کو دہلی میں رشد وہدایت کی مسند پر بٹھا دیا تھا، یہاں رہ کر آپ نے برصغیر کے عوام کے دلوں کو موہ لیا۔ عشق ومحبت کی تعلیم جو تعلیمات جہانگیری کا خاصہ ہے اس کے فروغ کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے۔ حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی اللہ تعالیٰ کے محبوب تھے اور بندگان خدا بھی آپ سے بہت محبت کرتے تھے۔ آپ کا ادب واحترام ہر چھوٹے بڑے کے دل میں بدرجہ اتم موجود تھا۔ حضرت مولانا نظام الدین بدایونیؒ ایک عالمگیر حیثیت کے حامل درویش ایک تبحر عالم دین تھے۔ بقول مؤرخین آپ ہندوستان کے لوگوں کی جان تھے۔

آپ کے لئے بابا گنج شکرؒ فرماتے تھے کہ روز قیامت جب اللہ تعالیٰ مجھ سے پوچھے گا کہ ''اے فرید! تو دنیا سے کیا لایا تو میں اپنے نظام الدینؒ کو پیش کردوں گا''۔ دہلی میں رہ کر آپ نے عوام اور شاہان وقت کو رشد وہدایت دی۔ آپ چونکہ محبوب الٰہی تھے لہٰذا اللہ تعالیٰ آپ کے ناز اٹھاتا تھا لیکن آپ کا سر نیاز ہمیشہ بارگاہ خداوندی میں جھکا رہتا تھا۔

اور شاید یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے عوام سے لے کر شاہانِ وقت کو بھی آپ کی چوکھٹ پر جھکا دیا تھا۔ آج بھی آپ کی چوکھٹ پر بڑے بڑے صاحب حیثیت ہستیوں کے سر نیاز خم رہتے ہیں۔ حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی برصغیر کے لوگوں کی جان ہیں اور یہاں کے اولیاء کرام کے دل کی دھڑکن ہیں۔ آپ کا مرقد مبارک دہلی میں ہے جو مرجع خلائق ہے ہر سال آپ کے عرس مبارک میں مسلمان، ہندو، سکھ اور دوسرے غیر مسلم لاکھوں کی تعداد میں آکر نیاز

مندی کا اظہار کرتے ہیں۔

حضرت نظام الدین اولیاء نے ہزاروں لوگوں کو مسلمان کیا اور سینکڑوں بے راہ روی کے شکار لوگوں کو سیدھی راہ پر لگا دیا۔ دہلی میں معاشرے کے پھٹکارے ہوئے لوگ اور طوائفوں کو پراگندگی سے نکال کر درجہ ولایت پر پہنچا دیا۔ یہ ان کی تعلیمات جہانگیری کا کمال تھا کہ ہر طرف امن وآشتی قائم ہوگئی۔ ہندوستان کی تاریخ میں آپ کا دور ایک زریں دور کہا جاتا ہے۔ حضرت امیر خسروؒ آپ کے سب سے زیادہ چہیتے مرید تھے، یہ علم موسیقی کے اور علم وادب کے بہت بڑے امام تھے۔ حضرت نظام الدین محبوب الٰہیؒ کے نام کے ساتھ آپ کا نام بھی زندہ جاوید ہے۔ آپ کی جہانگیریت بھی محبوب الٰہی کے ساتھ لازوال ہے۔

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے دوسرے مشہور خلیفہ حضرت علاؤ الدین صابرؒ کلیری تھے۔ آپ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے بھانجے تھے، آپ نے کلیر شریف میں رہ کر رشد وہدایت کا کام انجام دیا اور اس علاقے کے امیر و وزیر اور بگڑے ہوئے لوگوں کی اصلاح کی۔ آپ بھی علم شریعت وطریقت سے مرصع ایک روشن ضمیر درویش کامل تھے۔ آپ نے بھی تبلیغ کی اور ہزاروں غیر مسلموں کو مسلمان کیا۔ تصوف کے سلسلہ چشتیہ کو آپ نے کافی فروغ دیا۔ آپ سے منسوب سلسلہ چشتیہ صابریہ برصغیر کے بہت سے علاقوں میں پھیلا ہوا ہے۔

حضرت قطب جمال ہانسوی بھی بابا گنج شکرؒ کے ایک مشہور خلیفہ تھے، یہ بھی تبحر عالم دین اور کامل صوفی تھے۔ فقہ وحدیث میں اور راہِ سلوک کے ایک بڑے جہانگیر تھے۔ حضرت بابا گنج شکر آپ سے بہت محبت کرتے تھے۔

حضرت نظام الدینؒ اولیاء کے خلفاء حضرات ہندوستان کے دور دراز علاقوں میں پھیل گئے تھے۔ جہاں جہاں یہ باصفا اور باکمال لوگ پہنچے وہاں سے جہالت کی تاریکیاں ختم ہوتی چلی گئیں اور دین اسلام کی حقانیت کا نور پھیلتا چلا گیا۔ ان باکمال لوگوں میں حضرت خواجہ نصیر

الدین چراغ دہلی جو حضرت نظام الدینؒ اولیاء کے باکمال خلیفہ تھے، آپ نے دہلی میں رہ کر اسلام کی روشنی کو پھیلایا۔ آپ کے خلیفہ حضرت خواجہ گیسودراز بندہ نوازؒ نے جنوبی ہندوستان میں اسلام کو اور تعلیمات جہانگیری کو فروغ دیا۔ حضرت جلال باباؒ سلیٹی نے بنگال میں رہ کر تبلیغ کی اور بنگال و آسام اور برما کے علاقوں میں اسلام کی شمع روشن کی۔

برصغیر کے ایک مشہور جہانگیر حضرت سیدنا ابوالعلیٰؒ جن کا مزار شریف آگرہ میں ہے۔ آپ سلسلہ چشتیہ نقشبندیہ کے بہت باکمال بزرگ تھے۔ آپ مغل شہنشاہ کی فوج میں بہت بڑے درجہ پر فائز تھے، پھر جب حضرت خواجہ خواجگان کے ہاتھ پر طریقہ اویسیہ اور ظاہری دونوں طریقوں سے بیعت ہوئے۔ بیعت ہونے کے بعد آپ نے دنیا کو ترک کر دیا اور سخت مجاہدات وعبادت کے بعد آگرہ میں رہ کر مخلوق خدا کی راہنمائی کا کام انجام دیا۔ آپ کی جہانگیری تعلیمات کی بدولت ہزاروں غیر مسلم مسلمان ہوئے۔ آپ نے سلسلہ عالیہ کی تبلیغ میں بہت محنت کی اور برصغیر کے گوشے گوشے میں سلسلہ قادری چشتی ابوالعلائی کو فروغ دیا۔ آپ کے سلسلہ سے وابستہ جہانگیروں نے مختلف علاقوں میں رہ کر دین کی تبلیغ کی۔ آپ کے سلسلے میں بڑے باکمال اور یگانہ روزگار بزرگ پیدا ہوئے۔ بہار شریف میں حضرت شاہ منعم پاک بازؒ کی تبلیغ دین میں کوششوں سے اس خطہ میں اسلام پھیلایا۔ اس علاقے میں آپ سے پہلے سلسلہ فردوسیہ کے ایک بزرگ حضرت شرف الدین یحییٰ منیریؒ نے بھی اسلام کی تبلیغ کی اور ان بزرگوں کی کوششوں سے بہار سے لے کر بنگال آسام اور برما تک آذان کی صدائیں سنائی دینے لگیں۔ آج کئی کروڑ مسلمان اس خطہ میں آباد ہیں جو ان بزرگوں کی جہانگیریت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

تاریخ عالم میں ایسی ایسی نادر روزگار ہستیوں کے نام کی بازگشت سنائی دیتی ہے کہ جن کو اگر دنیا بھولنا بھی چاہے تو نہیں بھول سکتی۔ جب عبادت وریاضت، علم وفضل، حدیث وفقہ، علم وتصوف کا ذکر آتا ہے تو ان برگزیدہ ہستیوں کے نام تاریخ کے اوراق پر روشن نظر آتے ہیں اور علم

کے متلاشی ان کے بارے میں معلومات حاصل کرکے ان کے علم سے فیض یاب ہوتے ہیں۔

مسلم دنیا میں مشرق سے لے کر مغرب تک ایسے ایسے جہانگیر پیدا ہوئے کہ جن کے نام سے ہر علم حاصل کرنے والا شخص واقف ہے۔

ان برگزیدہ ہستیوں میں حضرت امام محمد غزالیؒ کا نام بہت شہرت کا حامل ہے۔آپ فلسفہ کے امام تھے۔ان کے فلسفہ کی عظمت کو غیر مسلم دانشور یورپ کے محققین اور ایشیا افریقہ سے تعلق رکھنے والے طالب علم لوگ تسلیم کرتے ہیں۔ یونانی فلسفی ارسطو کے بعد دنیا ان کے نام سے بخوبی واقف ہے۔انہوں نے زندگی کے بہت سے مسائل کو اپنے فلسفہ کے ذریعہ حل کردیا۔آپ نے تصوف پر بہت سی کتابیں تحریر کی ہیں۔آپ کی مشہور و معروف تصنیف ''احیاء العلوم'' اور ''کیمیائے سعادت'' دنیا میں بہت شہرت کی حامل ہیں ان کے مختلف زبانوں میں ترجمے ہوئے ہیں۔

حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ ایک جلیل القدر جہانگیر تھے جن کی مثنوی کی شکل میں ان کی جہانگیریت زندہ جاوید ہے۔آپ حضرت شمس تبریز کے مرید و خلیفہ تھے۔حضرت شمس تبریز بہت مشہور صوفی بزرگ تھے۔ یہ معرفت الٰہی سے پُر ایک عظیم الشان ولی کامل تھے جن کی ایک نگاہ کرم نے مولانا جلال الدین رومی کو اتنا اونچا مقام عطا کیا۔

مولانا روم کہتے ہیں:

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
میں از غلامی شمس تبریزی نہ کرد

علم و فضل، فقہ و حدیث اور علم معرفت میں اپنے زمانے میں بہت مشہور تھے، دور دور سے لوگ مولانا روم کے مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنے آتے تھے۔

مثنوی کے بارے میں فرماتے ہیں:

ہست قراں در زبانِ پہلوی، مثنویِ مولوی معنوی

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام علم و فضل، فقہ وحدیث کے اپنے وقت کے مشہور امام تھے جن کی پاکیزہ زندگی لوگوں کے لئے مشعل راہ ہے۔ تصوف میں بھی آپ کا اونچا مقام ہے، بڑے بڑے اولیاء نے آپ سے فیض حاصل کیا۔ حضرت خواجہ حسن بصریؒ جو حضرت علی کے مرید خاص اور خلیفہ تھے تصوف اور فقہ کے امام تھے۔ سلسلہ چشتیہ اور کئی دیگر سلاسل آپ سے شروع ہوتے ہیں۔ دلوں کی دنیا پر حکومت کرنے والے جہانگیر ہزاروں کی تعداد میں ہیں جن کا فرداً فرداً اس کتاب میں ذکر کرنا مشکل ہے، بہت سی کتابیں ان نادر روزگار شخصیات کے ذکر سے بھری ہوئی ہیں۔

ان یگانہ روزگار ہستیوں میں حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کا نام بہت روشن ہے۔ عشق رسول کی ایک اعلیٰ ترین مثال رکھتے ہیں۔ جن کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جلیل القدر صحابہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ میرا جبہ میرے عاشق اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو دے دینا اور ان سے میری امت کی مغفرت کی دعا کروانا۔ ایک جگہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گو کہ اویس رضی اللہ عنہ نے مجھے نہیں دیکھا لیکن ان کا درجہ میرے صحابیوں کی طرح ہے۔

جن یگانہ روزگار ہستیوں کا ذکر کیا جا رہا ہے ایسے جہانگیروں میں حضرت علی ہجویری الملقب داتا گنج بخش کی ذات گرامی ہے جو اپنا ایک مقام رکھتی ہے۔ برصغیر کے کامل اولیاء کرام میں آپ کا شمار ہوتا ہے آپ علم شریعت وطریقت، فقہ وحدیث کے اپنے وقت کے امام تھے، آپ کے اساتذہ میں ایسے لوگ بھی تھے جو تبع تابعین کے شاگرد یا مرید تھے۔ برصغیر کے شہر لاہور میں رہ کر آپ نے لوگوں کی اصلاح کا کام انجام دیا۔ آپ کے اعمال حسنہ کو دیکھ کر ہزاروں لوگ آپ کے دست حق پرست پر ایمان لائے۔ آپ لاکھوں لوگوں کے دل کی دھڑکن بنے رہے اور آج بھی آپ کی عقیدت، محبت، ادب واحترام کروڑوں دلوں پر محیط ہے، آپ کا مزار پُر انوار مرکز تجلیات

ہے۔ ہزاروں قرآن شریف روزانہ تلاوت ہوتے ہیں، کوئی ایسا لمحہ نہیں ہوتا کہ جب آپ کے مزار پر قرآن خوانی نہ ہو۔ دن ورات ذکر کی صدائیں سنائی دیتی ہیں، یہاں ہر وقت لوگ عبادت وریاضت میں مصروف رہتے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ ناقصوں کے ساتھ کاملوں کی بھی راہنمائی کرتے ہیں۔

سلسلہ چشتیہ کے بزرگوں اور جہانگیروں کے علاوہ اسلام کی تبلیغ میں دوسرے سلاسل کے جہانگیروں نے بھی بڑا کردار ادا کیا، ان ہستیوں میں حضرت بہاء الدین نقشبندؒ، حضرت بہاؤ الدین زکریاؒ، شاہ رکن الدین رکن عالمؒ، حضرت جلال الدین تبریزؒ، حضرت اوحد الدین کرمانیؒ، حضرت ابوبکر شبلیؒ، حضرت فخر الدین رازیؒ، حضرت شیخ معروف کرخیؒ، حضرت فخر الدین رازیؒ، حضرت شیخ سعدی شیرازیؒ، حضرت فخر الدین عراقیؒ، حضرت محی الدین ابن عربیؒ، حضرت شیخ معروف کرخیؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادیؒ، حضرت عبد الحق ردولویؒ، حضرت میاں میر لاہوریؒ، شاہ ولی اللہ، حضرت ابراہیم بن ادھم بلخیؒ، حضرت بایزید بسطامیؒ، امام رازیؒ اور ہزاروں ایسے بزرگان دین گذرے ہیں کہ جنہوں نے اسلام کی آبیاری میں حصہ لیا اور تعلیمات جہانگیری کے فروغ کے لئے دنیا کے ہر خطہ میں گئے۔ دنیا کا کوئی خطہ بھی اولیاء کرام سے خالی نہیں ہے۔

تاریخ عالم میں کچھ ایسی ہستیاں بھی گذری ہیں کہ جنہوں نے علم حدیث میں کمال حاصل کیا۔ ان لوگوں نے حدیث مبارکہ کو جمع کرنے کے لئے دور دراز کا سفر اختیار کیا انتہائی کوششوں او رکاوشوں کے بعد حدیث شریف کی مستند کتابیں لکھیں آج ان کی جہانگریت ان کی کتابوں کی شکل میں زندہ ہے۔ ان مبارک ہستیوں میں حضرت امام اسماعیل بخاریؒ کا نام نامی بہت بلندی پر نظر آتا ہے۔ ان کے علاوہ مسلمؒ اور امام داؤد، امام ترمذیؒ، ابن ماجہؒ، نسائیؒ نے بھی حدیث شریف کا ایک قیمتی خزانہ اہل علم کے لئے چھوڑا ہے۔ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر لکھی جانے والی کتابوں

میں ان ہی حدیث کی مایہ ناز کتابوں کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ فقہ کی کتابوں میں جو اصول مرتب ہوئے ہیں ان سب کی بنیاد حدیث مبارکہ ہیں۔ حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح پیروی اور ان کی سنت پر عمل پیرا ہونا دراصل یہی شان جہانگیری ہے۔ جو لوگ آپ کی شریعت اور طریقت پر عمل پیرا ہوتے ہیں وہ اس دنیا میں بڑے بڑے جہانگیر بنے ان کے ذکر سے تاریخ عالم کی کتابیں بھری ہوئی ہیں۔ بہرحال حدیث کے ان جہانگیروں نے وہ کارنامہ انجام دیئے ہیں کہ جو رہتی دنیا تک فراموش نہیں کیے جاسکتے۔

قارئین کرام! اب تک جن جہانگیروں کا ذکر اس کتاب میں کیا گیا وہ سب مرد حضرات تھے۔ لیکن تاریخ عالم میں کچھ ایسی خواتین بھی گذری ہیں کہ جن کا نام رہتی دنیا تک لیا جاتا رہے گا۔ قرآن حکیم میں کئی عورتوں کا ذکر آیا ہے جو عابد و زاہد اور عبادت گذار خواتین تھیں لیکن ایک خاتون ایسی بھی تھیں کہ جن کے نام سے سورۃ مریم موسوم ہے، حضرت بی بی مریم علیہ السلام کا ذکر خیر اللہ تعالیٰ نے بہت اچھے انداز سے کیا ہے۔ نبیوں جیسی صفات کی حامل یہ عورت حضرت عیسیٰ علیہ السلام جلیل القدر رسول کی والدہ محترمہ تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی عظمت و پاکیزگی بیان فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے خود کلام کیا ہے اور جب وہ بغیر باپ کے بچے کی پیدائش پر گھبرا رہی تھیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو تشفی دی اور کہا کہ جب لوگ بچے کی بابت تم سے پوچھیں تو تم کہہ دو کہ تم لوگ اس بچہ سے خود پوچھ لو کہ یہ کون ہے؟ قرآن شریف کے پڑھنے والے تاقیامت ان کا ذکر خیر پڑھتے رہیں گے۔ اس خاتون کی جہانگریت لازوال ہے۔

تاریخ عالم میں حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ایک ایسی خاتون کا بھی ذکر ہے جو مشہور عالم ہے، جن کی پاکیزگی، تقویٰ اور عبادت و ریاضت کا ذکر تاقیامت ہوتا رہے گا۔ وہ ذات مقدس حضرت بی بی رابعہ بصری رحمہا اللہ کی ہے، کثرت رنج و الم اور حزن وملال نے دنیا سے انہیں بیگانہ کر دیا تھا۔ پھر اسی جذبہ بیگانگی نے بے نیازی کی شکل اختیار کر

لی۔آپ نے غیر اللہ کی نفی اس حد تک کر دی کہ سوائے اپنے معبود کے ان کو کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ جب آپ تمام آزمائشوں اور مصائب کے دریا کو پار کر کے ساحل مراد تک پہنچیں تو سر نیاز زمین پر رکھ کر کہنے لگیں: ''بس تو ہی ہے تیرے سوا کوئی نہیں ہے۔''

حضرت بی بی رابعہ بصری کے مسلک کی بنیاد ''عشقِ الٰہی'' پر ہے۔اس سلسلے میں مشہور محقق عبدالرزاق پاشا کہتے ہیں کہ حضرت رابعہ بصریؒ کی حیاتِ مبارکہ میں حزن والم کے جو گہرے نقوش پائے جاتے ہیں اگر انہیں غور سے دیکھا جائے تو یہ حقیقت منکشف ہوگی کہ یہ تمام تر اسی محبت کا نتیجہ ہے کہ جو حضرت بی بی رابعہ بصری رحمہا اللہ کو اللہ کی ذات پاک سے تھی۔آپ آگے لکھتے ہیں کہ ''تصوفِ اسلامی'' کے ہیکل میں جس ہستی نے سب سے بڑھ کر ''حُبِّ الٰہی'' کو ایک مستقل اور محکم مسلک کی صورت میں پیش کیا وہ حضرت رابعہ بصری رحمہا اللہ ہیں۔انہوں نے ایسے آثار ونقوش چھوڑے ہیں جو حزن والم اور محبت الٰہی کی صحیح تفصیل اور تعبیر کا کام دیتے ہیں۔

یہ اسی محبت کا نتیجہ تھا کہ حضرت رابعہ بصری رحمہا اللہ ہر وقت مغموم وملول رہا کرتی تھیں، شاذ ونادر ان کی آنکھوں کو کسی نے خشک دیکھا ہوگا ورنہ کسی آبشار کی طرح بہتی رہتی تھی، جب مجلس میں کوئی دوزخ کا ذکر چھیڑ دیتا تو حضرت رابعہ بصری رحمہا اللہ اس کی دہشت اور خوف سے بے ہوش ہو جاتی تھیں۔ہوش میں آنے کے بعد مسلسل توبہ کرتی رہتی تھیں، روایت ہے کہ آپ کی سجدہ گاہ ہمیشہ آنسوؤں سے تر رہتی تھی۔

آپ ایک مرتبہ گریہ وزاری کرتے ہوئے سجدے میں پڑی ہوئیں یہ دعا مانگ رہی تھیں: ''اے میرے معبود! اگر میں تیری عبادت دوزخ کے خوف سے کرتی ہوں تو تو مجھے دوزخ ہی میں ڈال دینا اور اگر میری ریاضت جنت کے حصول کے لئے ہے تو اسے مجھ پر حرام کر دینا اور اگر تیرے ہی لئے پرستش کرتی ہوں تو تو مجھے اپنے دیدار سے ہرگز محروم نہ کرنا، یہی وہ عشق ہے جس نے حضرت رابعہ بصری کو ولایت کے اعلیٰ منصب پر پہنچا دیا۔اور پھر آپ کا نام

قیامت تک کے لئے محبت کی علامت بن کر رہ گیا۔

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں: ''رابعہ بصری رحمہا اللہ'' نے اپنے اشعار میں غرض اور آرزو کی جس محبت کا ذکر کیا ہے اس سے مراد اللہ کا احسان اور انعام ہے جو اپنے بندوں پر روا رکھتا ہے۔ اور جس ذات الٰہی کی بات کی ہے اس سے مراد دیدارِ خداوندی کی محبت ہے جس کا نظارہ ان کے دل کی آنکھوں نے کیا اور یہی محبت سب سے بہتر اور برتر ہے، جمالِ ربوبیت کی لذت بجائے خود سب سے بڑی چیز ہے۔ اس کے متعلق حدیث قدسی میں وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

> ''میں اپنے صالح بندوں کو وہ چیز دیتا ہوں جسے عام آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں نہ عام کان سن سکتے ہیں اور نہ کسی انسان کے دل میں اس کا خیال گذر سکتا ہے۔''

حضرت بی بی رابعہ بصری رحمہا اللہ نے ۱۸۵ ہجری میں اس جہاں فانی سے پردہ فرمالیا۔ وصال سے کچھ دیر پہلے آپ نے عیادت کے لئے آنے والے حضرات سے فرمایا: ''فرشتوں کے لئے راستہ چھوڑ دو۔'' لوگ باہر چلے گئے تو آپ نے بستر سے اٹھ کر دروازہ بند کر دیا۔ کچھ دیر تک آپ کی بات کرنے کی آواز آتی رہی پھر خاموشی چھا گئی تو لوگوں نے دروازہ کھولا، جب وہ اندر گئے تو دیکھا کہ حضرت بی بی رابعہ بصری رحمہا اللہ اس دنیا فانی سے رخصت ہو چکی ہیں۔

حضرت بی بی رابعہ بصری رحمہا اللہ عرفانِ الٰہی کی اس منزل تک پہنچ چکی تھیں کہ جن کی نگاہِ کرم نے چور کو قطب وقت بنا دیا۔ آپ کی نگاہِ کرم کا یہ اعجاز تھا کہ نجانے کتنے لوگوں کو قلندر بنا دیا۔ عالم اسلام کی اس عظیم خاتون کا شاید دنیا میں کوئی ثانی مشکل ہی سے ملے گا کہ جس نے کسی مدرسے سے تعلیم حاصل نہیں کی لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں بحرِ علوم بنا دیا۔

بے شک یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے جسے چاہے وہ عطا کرے۔ جب تک دنیا میں

محبت موجود ہے آپ کی جہانگیریت بھی قائم ودائم رہے گی۔

تذکرہ بالا خواتین کے علاوہ عالم اسلام میں کچھ ایسی خواتین کا بھی ذکر ہے کہ جن کا نام تاریخ کے اوراق سے کبھی نہیں مٹ سکتا ان میں حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا جو حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مبارکہ تھیں اور حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو علم وفضل میں کمال رکھتی تھیں، جن کی معصومیت کے لئے قرآن شریف میں آیات نازل ہوئیں، بہت بڑی عالم حدیث تھیں کہ جن سے بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے علم حدیث سیکھا ہے۔ آپ علم کا ایک روشن مینارہ تھیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی خاص اہمیت کی حامل خاتون ہیں جن کے دونوں لختِ جگر تاریخ عالم کے بڑے جہانگیر ہیں۔ دنیا کے تمام مسلمانوں کے دلوں میں آپ کی محبت وعظمت رہتی دنیا تک قائم رہے گی اور قیامت تک آپ کا ذکر خیر ہوتا رہے گا۔

سلسلۂ جہانگیری
حضرت شیخ العارفین مخلص الرحمٰن جہانگیریؒ

قارئین کرام اب تک اس کتاب میں جن جہانگیروں کا ذکر آیا ہے ان کا تعلق انبیاء علیہم السلام سے تھا یا وہ جہانگیر بھی ان میں شامل ہیں کہ جو جہانگیر عظیم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے خلفاء کرام اور اولیاء کرام تھے۔ ان میں دنیائے تصوف کے مختلف سلاسل سے وابستہ جہانگیروں کا ذکر بہت تفصیل سے کیا گیا ہے۔ جنہوں نے دین اسلام کی تبلیغ کی اور جہانگیر عظیم کی تعلیمات کو دنیا میں پھیلانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

اس کتاب میں تصوف کے بہت سے سلسلوں کا بھی ذکر آیا ہے جس میں قادری، چشتی، نقشبندی، سہروردی، ابوالعلائی، فردوسی اور دوسرے کئی سلاسل شامل ہیں۔ ان سلاسل کے علاوہ صوفیاء کا ایک ایسا سلسلہ بھی ہے جو دنیا میں سلسلہ جہانگیری کے نام سے مشہور ہے۔ اس سلسلے کے بانی اور امام حضرت شیخ العارفین مولانا مخلص الرحمٰن جہانگیریؒ ہیں۔ آپ کے پیر و مرشد حضرت امداد علیؒ شاہ بھاگلپوری جو ابوالعلائی سلسلہ کے ایک کامل بزرگ تھے انہوں نے باشارۂ غیبی آپ کو ''جہانگیر شاہ'' کا لقب عنایت کیا اور فرمایا کہ آج سے تمہارا یہ سلسلہ دنیا میں سلسلہ جہانگیری کے نام سے مشہور ہوگا۔

حضرت شیخ العارفین مولانا مخلص الرحمٰن جہانگیریؒ ضلع چٹا گانگ (اسلام آباد) کے ایک قصبہ مرزا کھل میں ۱۲۲۹ ہجری میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد صاحب کا نام مولوی سید غلام علیؒ صاحب سادات کے ایک معزز گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔

اس خاندان کے اکابرین کسی زمانے میں عرب سے ہجرت کر کے ہندوستان تشریف

لائے تھے پھر ان بزرگوں نے مرزا کھل کے علاقہ میں منتقل ہو کر سکونت اختیار کر لی تھی۔ سادات فاطمہ کے یہ بزرگ اس علاقے میں چھوٹے میاں اور بڑے میاں کے نام سے آج بھی متعارف ہیں۔

حضرت شیخ العارفین مولانا مخلص الرحمٰن جہانگیری نے ابتدائی تعلیم وطن عزیز مرزا کھل میں حاصل کی۔ مروجہ ابتدائی تعلیم کی تکمیل کے بعد آپ فقہ وحدیث، تفسیر اور علوم معرفت کے حصول کے لئے ہندوستان تشریف لے گئے اور کلکتہ میں رہ کر وہاں کے بڑے بڑے علماء سے علوم منقول ومعقول کی تحصیل اس ذوق شوق اور محنت ومشقت سے فرمائی کہ آپ چند سال ہی میں ایک زبردست عالم ہو گئے۔ آپ کو قدرت نے یہ خاصیت عطا فرمائی تھی کہ جس کتاب کو ایک نظر دیکھ لیتے تھے وہ آپ کو ازبر ہو جاتی تھی۔ علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد آپ کے دل میں ذوق وشوق محبت الٰہی نے غلبہ کیا اور آپ نے خیال کیا کہ اصلی علم معرفت خداوندی اور عرفانِ ذات باری ہے اور یہ علم کسی شیخ کامل کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا، اس لئے آپ کو شیخ کامل کی تلاش ہوئی اور اس جستجو میں آپ کلکتہ سے لکھنؤ پہنچے۔ یہاں مولانا برہان الدین فرنگی محلی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت مولانا ایک کامل درویش تھے مگر ان کی توجہ منتقلہ نہ تھی۔ انہوں نے آپ سے ارشاد فرمایا کہ ''حضرت مولانا امداد علی بھاگلپوری اس وقت زمانہ کے شیخ کامل واکمل ہیں، ان کا قلب نورانی ہے آپ ان کے پاس چلے جائیں آپ کا مقصود انشاء اللہ ان کی محبت وخدمت سے حاصل ہوگا۔'' آپ نے مولانا برہان الدین سے حزب البحر پڑھنے اور پڑھانے کی اجازت لی پھر وہاں سے آپ بھاگلپور تشریف لے آئے۔

اس زمانے میں حضرت امداد علی شاہ صاحب شہر بکسر میں صدرِ اعلیٰ کے عہدہ پر تعینات تھے چنانچہ آپ بھی بکسر پہنچ گئے اور آپ نے ان سے مرید ہونے کی درخواست کی جوانہوں نے بخوشی منظور فرمالی۔ آپ ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔ چھ ماہ ان کی

خدمت میں رہے دن ورات ان کی حضوری میں بسر کیے پھر آپ کے پیرو مرشد نے آپ کو دادا پیر حضرت مہدی الفاروقی قادری چشتی نقشبندی ابوالعلائیؒ کی خدمت میں بھیج دیا۔ یہاں چند روز قیام کر کے فقر و درویشی کی دولت سے مالا مال ہو کر واپس اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور دن ورات ان کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔

اس عرصہ میں آپ کی تعلیم باطنی درجہ کمال کو پہنچی اور حضرت شیخ سید امداد علیؒ بھاگلپوری نے بہ اشارتِ غیبی آپ کو خلافت و اجازت سے نوازا اور ''جہانگیر شاہ'' کے لقب سے ملقب فرما کر رخصت کیا۔ آپ فقر و درویشی کی دولتِ سرمدی سے مالا مال ہو کر وطن عزیز تشریف لے آئے۔ یہاں آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ جاری فرمایا۔ آپ کے حلقۂ درس میں دور دور سے لوگ آ کر شریک ہوتے تھے۔ آپ تمام عمر درس حدیث و تفسیر دیتے رہے۔ علم معرفت اور علم لُدنی کے علاوہ ظاہری علم و فضل کے اعتبار سے آپ اپنے زمانہ میں سب سے فائق عالم دین تھے۔ لوگ آپ کو بڑے مولانا صاحب کے لقب سے یاد کرتے ہیں، آپ شریعت و طریقت کے جامع اور فی الحقیقت مجمع البحرین تھے۔ علماء اور معززین آپ کی پالکی اپنے کندھوں پر اٹھانے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ آپ نے اہل سنت اور مسلک اولیاء اللہ کی تائید میں ایک کتاب بہ تردید ''تنقیہ تقویت الایمان'' تحریر فرمائی، اس کتاب کا نام ''شرح الصدور'' ہے، آپ نے تئیس برس کا زمانہ سخت عبادت و ریاضت اور مجاہدات میں گذارا پھر اس کے بعد خلوت نشین ہو گئے اور آستانہ میں درس و تدریس کرتے رہے۔ آپ فرماتے تھے کہ بفضلہٖ تعالیٰ ہم نے اس قدر ریاضت و محنت کی ہے کہ مریدوں کو کشود کار کے لئے زیادہ ریاضت کی ضرورت نہ ہوگی۔ اس سلسلے میں آپ فرماتے تھے کہ ''پیر کی محنت و ریاضت کا اثر مرید پر ضرور پڑتا ہے۔''

آپ ہمہ تن محبت تھے۔ آپ کے فیضان محبت سے دلوں میں درد پیدا ہو جاتا اور سینوں میں محبت الٰہی کی آگ بھڑک اٹھتی۔ صدہا طالبین مولیٰ تھے کہ جو آپ کی زیارت و صحبت

سے منزل مقصود پر پہنچے اور کامیاب ہو گئے۔

حضرت مولانا رومؒ نے جن اولیاء کی صحبت کو "صد سالہ" طاعت بے ریاء سے بہتر جانا ہے۔ یہ ذات اقدس انہی کاملین میں سے تھی۔ شعر یوں ہے

یک زمانہ صحبت با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

مریدین وطالبین کے لئے جو چشمہ فیض آپ کی ذات اقدس سے جاری تھا اس کے علاوہ تمام بندگان خدا کی ہدایت عامہ کے لئے آپ ہمیشہ کوشش فرمایا کرتے تھے۔ اور بعد نماز جمعہ اکثر وعظ فرماتے تھے۔ مسائل نماز اور انبیاء علیہم السلام واولیاء کرام کے فضائل ومعجزات اور کرامت کے تذکرہ سے عامۃ المسلمین کے ایمان واعتقاد کی یاد تازہ فرماتے تھے۔

اتباع رسول میں کامل واکمل تھے، آپ کے چھوٹے فرزند حضرت فخر العارفین شاہ عبد الحیؒ مکمل آپ کی تصویر تھے۔ ۱۳۰۲ھ ہجری میں ۷۳ سال کی عمر میں ۱۲ ذیقعدہ بروز دوشنبہ آپ کا وصال ہوا۔ آپ کو اپنی خانقاہ مرزا کھل شریف میں سپرد خاک کیا گیا۔ آپ کا مزار پرانوار تمام برِّ صغیر کے لوگوں کے لئے اہمیت کا حامل ہے جو مرجع خلائق ہے۔

بیاں کس منہ سے ہو رتبہ تیرا یا غوثِ مرزائے کھل
زمانے میں نہیں ثانی تیرا یا غوثِ مرزا کھل

حضرت فخر العارفین شاہ عبدالحیؒ جہانگیری

جہانگیر دویم سلسلہ جہانگیری حضرت فخر العارفین شاہ عبدالحیؒ جہانگیر شاہ حضرت شیخ العارفین کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ اس لئے خاندان کے تمام افراد آپ کو پیار سے چھوٹے میاں کے نام سے پکارتے تھے۔ آپ کی ولادت باسعادت ۱۲۷۶ ہجری میں یکشنبہ میں ہوئی۔

ابتدائی تعلیم آپ نے مرزا کھل میں حاصل کی پھر طلب علم کے لئے ہندوستان تشریف لے گئے۔ کلکتہ میں تین سال قیام کیا۔ یہاں حدیث وفقہ کا علم حاصل کیا، انہی دنوں آپ کی ملاقات اپنے دادا پیر حضرت سید امداد علی شاہ بھاگلپوریؒ سے ہوئی۔ آپ کے ساتھ غیر معمولی شفقت ومحبت کا اظہار فرمایا، کچھ دن ان کی خدمت میں رہے پھر ان کی اجازت سے مرزا پور پہنچے۔ یہاں مولانا عبدالسمیع صاحب کے پاس کچھ دن قیام کر کے علم کی دولت سمیٹتے ہوئے لکھنؤ پہنچے، مدرسہ فرنگی محل جو برصغیر کی مشہور دینی درسگاہ ہے وہاں آپ کے ہم نام بہت بڑے عالم دین مولانا عبدالحی فرنگی محلی درس دیا کرتے تھے۔ آپ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ حضرت شیخ العارفین کے دوست تھے۔ انہوں نے آپ کو اپنے پاس ٹھہرا لیا۔ آپ نے وہاں رہ کر فقہ وحدیث اور دینی علوم میں کمال حاصل کیا۔

زمانہ طالب علمی میں حضرت شیخ العارفین جہانگیر اول کے وصال کی اندوہناک خبر ملی، آپ کو بہت رنج وملال ہوا آپ ہندوستان سے مرزا کھل تشریف لائے اور والد صاحب کے ایصال وثواب اور فاتحہ میں شریک ہوئے، حضرت شیخ العارفین کے حکم کے مطابق آپ کو مسند سجادگی پر بٹھا دیا گیا۔ کچھ دن آپ یہاں رہے پھر علم کی طلب نے آپ کو دوبارہ سفر پر مجبور کیا اور آپ لکھنؤ تشریف لے گئے لیکن یہاں کچھ ہی دنوں کے بعد آپ کے استاد محترم مولانا عبدالحیؒ

فرنگی محلی اس دنیا فانی سے رخصت فرما گئے جس سے آپ کو بہت ملال ہوا، آپ کی دوتین کتابیں ختم ہونے کو باقی رہ گئی تھیں۔ آپ وہاں سے سہارنپور گنگوہ شریف تشریف لے گئے، اس وقت یہاں مولانا رشید گنگوہیؒ درس دیا کرتے تھے، یہ آپ کے والد محترم کے علم کے معترف تھے اور ان کو بخوبی جانتے تھے۔

آپ کے ساتھ بڑی محبت کے ساتھ پیش آئے اور اپنے پاس ٹھہرایا۔ آپ پر ان کی خصوصی نظر کرم تھی۔ حدیث کی جو کتابیں آپ پڑھ چکے تھے ان کتابوں کا امتحان دیکر آپ نے ان سے سند حاصل کی۔

طلب علم کے لئے آپ نے مکہ معظّمہ کا سفر کیا وہاں حج وعمرہ کے بعد کافی عرصہ قیام کیا اور خانہ کعبہ میں معتکف رہ کر آپ نے وہاں سے بھی فیض حاصل کیا۔ انہی دنوں حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کا بھی وہیں قیام تھا حاجی صاحب خانہ کعبہ میں درس دیا کرتے تھے۔ آپ کی ان سے ملاقات ہوئی انہوں نے بڑی محبت کے ساتھ آپ کو اپنے درس میں شامل کرلیا، آپ نے دینی مسائل اور فقہ حدیث کے علاوہ ان سے مثنوی کی تعلیم بھی حاصل کی، آپ فرماتے ہیں کہ حاجی صاحب ایک عارف باللہ درویش تھے جو بزرگی کے اونچے درجے پر فائز تھے۔ آپ کا طریقہ مقام عرفان کا ہے، آپ فرماتے ہیں کہ ایک دن حاجی صاحب کے سینے سے ایک پرسوز آہ نکلی ہم سمجھ گئے کہ آپ بڑے اونچے رتبے کے عارف باللہ ہیں۔

حاجی امداد اللہ شاہ صاحبؒ سے آپ کو چشتیہ نظامیہ صابریہ سلسلے کی خلافت عطا ہوئی۔ آپ نے ۱۲۹۱ھ ہجری سے لے کر ۱۳۰۵ھ ہجری یعنی چودہ سال کا عرصہ طلب علم میں گزارا۔ قرآن وحدیث تفسیر وفقہ کے علاوہ ادب، ریاضی، فلسفہ، جغرافیہ اور تاریخ میں آپ نے مہارت حاصل کی۔

شہر پٹنہ میں ایک کتب خانہ تھا جو اپنی نادر روزگار کتابوں کی وجہ سے پورے ہندوستان

میں مشہور تھا، یہ کتب خانہ خدابخش صاحب نے قائم کیا تھا۔ آپ نے اس دوران اس کتب خانہ میں سیر حاصل مطالعہ کیا، آپ نے پٹنہ میں کافی عرصہ قیام کیا، آپ کے علمی ذوق وشوق کو دیکھ کر صاحبِ کتب خانہ جناب خدابخش کہنے لگے مجھے اس کتب خانہ کے قائم کرنے کی داد مل گئی۔ آپ کا حافظہ بہت مضبوط تھا، ایک مرتبہ جو کتاب پڑھتے تھے وہ آپ کو یاد ہو جاتی تھی۔ اس زمانے کا واقعہ ہے کہ آپ نے حضرت خضر علیہ السلام کو خواب میں دیکھا، انہوں نے فرمایا کہ انسانی محنت اللہ تعالیٰ کے علم کو ختم نہیں کر سکتی۔ اس قدر محنت کر کے کیا اپنے آپ کو ہلاک کر دیں گے؟ پھر آپ سے کہا کہ اپنا منہ کھولئے، حضرت خضر علیہ السلام نے اپنا لعابِ دہن آپ کے منہ میں ڈالا جس سے ایک حلاوت اور لذت حاصل ہوئی پھر یکا یک آپ خواب سے بیدار ہوئے تو آپ پر عجیب وغریب حالت طاری تھی۔

خضر علیہ السلام نے آپ سے یہ معاملہ فرمایا تو اس کے بعد آپ کا علم کچھ اور ہی ہو گیا، مضامین علمیہ کی تمام مشکلات آسان ہونے لگیں اور فنونِ علمیہ کی تمام کتابیں مشکل سے مشکل مسائل آپ کے لئے آسان کر دیئے گئے۔ آپ کی قوتِ حافظہ کا یہ عالم تھا کہ کسی کتاب کو ایک مرتبہ پڑھ لینے کے بعد اس کا مضمون سات برس تک یاد رہتا اور آپ کے حافظہ میں محفوظ ہو جاتا تھا۔ آپ کا علم وتجبر اور قوت حافظہ بالکل امام شافعیؒ، امام غزالیؒ کی طرح ہو گئی تھی۔ اہل علم اور علماء جب آپ کے درس میں ہوتے تھے تو آپ مختلف مسائل کے لئے بعض مرتبہ فرماتے کہ آپ فلاں کتاب میں فلاں صفحہ کھول کر دیکھیں تمام مسئلہ دیا ہوا ہے۔ بعض دفعہ ایسا لگتا کہ وہ کتاب آپ کے سامنے موجود ہے آپ پورے مسئلے کو زبانی بیان فرما دیتے تھے۔ علماء کو آپ کی قوتِ حافظہ کو دیکھ کر حیرانگی ہوتی تھی۔

مدرسہ چشم رحمت غازی پور علم وفضل میں کافی مشہور تھا یہاں مولانا فاروق چڑیا کوٹی صدرِ مدرس تھے۔ ان کے وصال کے بعد صدرِ مدرس کی جگہ خالی ہو گئی تو وہاں کے مہتمم ومنیجر

مولانا عبدالاحد شمشاد فرنگی محلی نے آپ سے صدارت کی درخواست کی، چنانچہ ان کے اصرار پر آپ نے صدرِ مدرس کا عہدہ قبول کرلیا۔ ۱۸۸۹ ہجری سے ۱۸۹۵ ہجری آپ نے یہاں صدارت فرمائی۔ یہاں بہت سے اکابرِ علمائے ہند نے آپ سے علم وفضل کی سند حاصل کی۔

لکھنؤ میں آپ نے مدرسہ فرنگی محل میں کچھ عرصہ قیام کیا اور علم وحدیث وفقہ کی تعلیمات اور درس دیتے رہے، آپ کے تلامذہ میں فرنگی محل کے بڑے بڑے علماء شامل تھے ان علماء کرام میں جو آپ کے خاص شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں:

(۱) مولانا محبّ اللہ بکسر

(۲) مولوی عبدالحمید فرنگی محلی

(۳) مولانا عبدالاول صاحب جونپوری

(۴) مولوی عبدالباقی فرنگی محلی

(۵) مولوی سعادت علی صاحب

(۶) حکیم مولوی غلام محمد مساکن بلیا

(۷) حافظ فرید احمد صاحب غازی پوری

(۸) حکیم مولانا عبدالولی صاحب لکھنوی وغیرہ

اپنے خاندان طریقت کے بارے میں آپ نے فرمایا: ہماری بیعت قادریہ شریف میں ہے اور طلب ابوالعلایہ میں جیسے کہ شاہ نیاز احمد بریلویؒ کی بیعت قادریہ میں اور طلب چشتیہ نظامیہ میں تھی۔ سلطان طریقت حضرت سیدنا امیر ابوالعلائی پر ایک ایسا وقت آیا کہ بہت اضطراب و بے قراری کی کیفیت پیدا ہوگئی، آپ اجمیر شریف تشریف لائے اور خواجہ خواجگان حضرت معین الدین چشتی سے گذارش کی کہ آپ ہمارے جدامجد (حضرت سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم) کی نعمت لئے ہوئے یہاں آرام فرمارہے ہیں، کیا ہمیں اس دولت کدۂ معرفت سے

کچھ حصہ نہیں مل سکتا ہے؟ کافی دیر ہوگئی اور کوئی جواب نہ ملا تو ملول خاطر ہو کر واپس جانے لگے تو اسی وقت آپ کی روح کو ادراک ہوا اور خواجہ خواجگان کی طرف سے واپسی کا اشارہ ہوا، آپ مزار شریف پر تشریف لائے اور مراقب ہوئے، آپ کو خواجہ خواجگان کی زیارت ہوئی، خواجہ غریب نوازؒ نے فرمایا: ''آپ کو دینے کے لئے حضرت رسالت مآب کی ایک امانت ہے اس امانت کو دینے کے لئے ہم خود آپ کا انتظار کر رہے تھے۔''

خواجہ خواجگان نے آپ کو عینی توجہ دی اور ایک چیز انڈے کے برابر چمکتے ہوئے موتی کی مانند تھی عطا فرمائی اور فرمایا کہ یہ امانت اب آپ تک پہنچ گئی، پھر خواجہ خواجگان نے فرمایا: ''اب طریقہ کے مطابق رسم بیعت بھی ادا ہونا چاہئے، پہلے آپ نے حضرت سیدنا امیر ابوالعلاء کو طریقہ اویسیہ سے سلسلہ عالیہ چشتیہ میں بیعت کیا، پھر قبر شریف سے اپنا دست مبارک باہر نکالا اور آپ کو ظاہری طریقہ سے بیعت کیا، اس طریقہ کو (مجمع البحرین) کہتے ہیں۔ حضرت فخر العارفینؒ اس طریقہ کے بارے میں فرماتے ہیں: حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سلسلے جاری ہوئے، ایک حضرت امیر المومنین مولا علی مشکل کشا سے یہ طریقہ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ ہے۔ دوسرا سیدنا حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے یہ سلسلہ نقشبندیہ ہے۔ ہمارے آقائے سیدنا ابوالعلاء قدس سرہ اول سلسلہ نقشبندیہ میں تھے دوسرا سلسلہ چشتیہ آپ کو ولی ہند حضرت خواجہ خواجگانؒ سے پہنچا، چشتیہ شریف کے لحاظ سے آپ کا سلسلہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر پہنچتا ہے اور نقشبندیہ کے اعتبار سے حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک پہنچا۔ یہ دونوں سلسلے آپ کی ذات اقدس میں آکر مل گئے اور آپ چشتیہ نقشبندیہ دونوں سلسلوں کے جامع اور مجمع البحرین ہیں۔

یہ وہ مقام ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات حضرت خضر علیہ السلام سے ہوئی تھی، آپ نے ملاقات کا حال بیان فرمایا جو قرآن مجید میں آیا ہے۔ فرمایا: اس مقام پر دو سمندر آکے مل جاتے ہیں، مجمع البحرین دو سمندروں کے سنگم کو کہتے ہیں۔ یہ مقام حضرت خضر علیہ

السلام ہے جہاں دو دریاؤں کا اتصال ہوتا ہے، اس جگہ پانی کا جوش وخروش بہت زیادہ ہوتا ہے، پس اس سلسلہ عالیہ میں زیادہ جوش خروش ہونے کا یہی سبب ہے کہ یہ سلسلہ مجمع البحرین ہے۔

حضرت حکیم سکندر علی شاہ صاحبؒ سیرت فخر العارفین میں رقم طراز ہیں کہ ہمارے حضرت کو سات سلسلوں میں بیعت لینے کی اجازت پیرانِ عظام کی طرف سے ہے لیکن اکثر آپ قادریہ شریف میں بیعت لیتے تھے، لہٰذا شجرہ شریف میں قادریہ شجرہ درج کیا جاتا ہے اور پڑھا جاتا ہے۔ باقی چھ سلاسل اور ان کے شجرہ بھی آپ نے کتابِ سیرت فخر العارفین میں درج کئے ہیں صرف معلومات کے لئے۔ (بحوالہ سیرت فخر العارفین کامل)

غوث عالم حضرت فخر العارفین شاہ عبدالحئیؒ صاحب کا وصال بروز دوشنبہ ۱۷ رذی الحجہ ۱۳۳۹ ہجری ان کی خواہش کے مطابق ہوا۔ آپ کو دربار شریف مرزا کھل میں آپ کے والد ماجد کے پہلو میں دفن کیا گیا، آپ کا مزار پرانوار مرکز تجلیات ہے۔ مشرق ومغرب سے ہزاروں عقیدت مند آکر حاضری دیتے ہیں۔

حضرت فخر العارفین شاہ عبدالحیؒ کے خلفاء حضرات

(۱) حضرت خواجہ نبی رضا شاہؒ

(۲) حضرت مولانا غلام مظہرؒ عُرف ننھے میاں

(۳) حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب دہلویؒ

(۴) حضرت حکیم سید سکندر علی شاہ کانپوریؒ

(۵) حضرت سید سخاوت حسین صاحبؒ

(۶) حضرت حکیم سید احمد شاہؒ

(۷) حضرت علاؤالدین پیارے صاحبؒ

(۸) حضرت سید رحمت علی شاہؒ

(۹) حضرت حافظ کلیم اللہؒ

(۱۰) حضرت حاجی بدر الاسلام میرٹھیؒ

(۱۱) حضرت مولانا سید عبداللہ صاحب بہاریؒ

(۱۲) حضرت حاجی خادم علی صاحبؒ

(۱۳) حضرت منشی عبدالجلیل صاحبؒ

(۱۴) حضرت مقبول علی شاہ صاحبؒ

(۱۵) حضرت حافظ مقبول احمد صاحبؒ کوکب بنارسی

(۱۶) حضرت جناب مسیح الملک حکیم محمد اجمل خان صاحبؒ دہلوی

(۱۷) ڈپٹی کمشنر حضرت مستفیض الرحمٰن جہانگیری

قطب زماں حضرت شمس العارفین محمد مخصوص الرحمٰنؒ جہانگیر ثالث

قطب زماں حضرت شمس العارفین محمد مخصوص الرحمٰن طحہٰ میاں جہانگیر ثالث قدس سرہ العزیز، حضرت فخر العارفین کے وصال کے بعد مسند سجادگی پر رونق افروز ہوئے۔ حضرت فخر العارفین نے اپنے جانشین کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا جب ہمارے لڑکوں میں اس لڑکے کی عمر بیس سال کی ہو جائے گی تو اس میں ہمارے تمام اوصاف، خُو بُو، طور طریقے، چال چلن، طرز وروش پیدا ہوگی۔ حضرت شمس العارفین کی عمر شریف بیس سال کی ہوئی تو آپ میں وہ تمام صفات پیدا ہو گئیں جن کا ذکر حضرت فخر العارفینؒ نے کیا تھا۔ انیس سال تک یہ گدی بظاہر خالی رہی۔ ۱۷ رذی الحجہ ۱۳۵۸ھ ہجری کو عرس کے موقع پر خاندان کے بزرگوں نے مسند سجادگی پر بٹھا دیا۔

آپ متبحر عالم دین اور فہیم وذکی، صاحب الرائے، عالی حوصلہ، متین وبردبار، حلیم الطبع، منکسر المزاج، خلیق ومہربان شخصیت کے حامل تھے، نہایت عابد وزاہد، متقی وپرہیزگار اور اعلیٰ منتظم تھے۔ آپ نے سلسلہ جہانگیری کو فروغ عطا کیا، آپ کا وصال ۱۳۹۱ھ ہجری میں ہوا۔ آپ کے وصال کے بعد آپ کے بھتیجے شاہ جہانگیر تاج العارفین مولانا سید عارف الحی کمال میاں مسند سجادگی پر فائز ہوئے۔ الحمد للہ آپ کی ذات بابرکات آج کل بھی برسرِ مسند ہے۔ اور فیضان جہانگیری سے یہ سارے عالم کو مستفیض فرما رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو تندرستگی کے ساتھ قائم ودائم رکھے اور ان کو عمر خضر عطا فرمائے۔

حضرت تاج العارفین علم وفضل میں ایک کامل درویش ہیں، طریقت کے ساتھ شریعت پر بہت مضبوطی کے ساتھ عمل پیرا ہیں۔ آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا مقصود الرحمٰن صاحب باوجودیکہ ابھی جوان ہیں لیکن علم وفضل میں بہت آگے ہیں اور طلب علم میں اپنے والد

صاحب کے نقش قدم پر عمل پیرا ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو عمر جاودانی عطا فرمائے۔

مرزاکھل سلسلہ جہانگیری کا مرکز ہے اور حضرت تاج العارفین مولانا سید عارف الحی کمال میاں جو ایک باکمال شخصیت کے حامل درویش ہیں۔ انہوں نے اپنے تدبر اور اعلیٰ اخلاق سے مرکز جہانگیری کو وسعت عطا فرمائی ہے۔ دنیا کے تمام سجادہ نشینوں سے ہٹ کر ایک ایسے سجادہ نشیں ہیں جن کی ذات اقدس ومحبت خلوص، علم وفضل اور صلہ ورحمی اپنائیت اور ان تمام مکارم اخلاق کا وہ آئینہ ہے کہ جس میں حضرت فخر العارفین اور حضرت شمس العارفین کی شبیہ نظر آتی ہے۔

راقم سید نایاب علی شاہ علوی یعقوبی کو ۲۰۱۲ء میں حضرت شمس العارفین مخصوص الرحمٰن طٰحہ میاں کے عرس مبارک کے موقع پر مرزاکھل شریف جانے کی سعادت حاصل ہوئی۔ آپ کی ذات والاشان جس محبت اور خلوص کے ساتھ ہم لوگوں کے ساتھ پیش آئے وہ ہم کبھی نہیں بھول سکتے۔ آپ کی کرم نوازی اور شفقت حد سے زیادہ تھی۔ دن میں کئی مرتبہ ہمیں اور ہمارے ساتھیوں کو یاد فرماتے اور باتوں ہی باتوں میں ادب وآداب، اتباع شیخ، طریقت کے بہت سے رموز سے ہم کو تعلیم فرماتے تھے۔ آپ فنافی الشیخ ہیں، کوئی محفل ایسی نہیں ہوتی کہ آپ اپنے شیخ کا ذکر نہ کرتے ہوں، ہر وقت زباں پر حضرت شمس العارفین کا ذکر ہوتا تھا۔ آپ فرماتے تھے کہ جو کچھ آپ لوگ شان وشوکت اور فتوحات دیکھ رہے ہیں سب ہمارے مرشد کی کرم نوازی ہے۔ ہم کو آپ نے بے نیاز بنا دیا، خود بخود اسکا انتظام ہو جاتا ہے ہمیں کچھ کرنا نہیں پڑتا۔ دنیا کی تمام نعمتیں لنگر کے لئے آجاتی ہیں، یہ سب حضرت پیر ومرشد کی ہم پر بڑی کرم نوازی ہے۔

آپ کا انداز گفتگو اتنا پُراثر ہوتا ہے کہ جو دل پر اثر کرتا ہے۔ محبت بھرے انداز میں اشارۃً کنایوں میں یا بیان میں فقر ودرویشی اور معرفت الٰہی کے اسرار اور رموز اور حقائق سے ہم لوگوں کو مستفیض فرماتے تھے۔ آپ کے انداز بیان کی شگفتگی اور والہانہ پن نے آپ کو ہر خاص وعام میں ہر دل عزیز بنا دیا ہے۔ مشرق سے مغرب تک سلسلہ جہانگیری کے تمام خلفاء اور

مریدین آپ سے دلی محبت وعقیدت رکھتے ہیں۔

عالم پہ درخشاں ہے فیضانِ جہانگیری
ہر شخص پہ یکساں ہے فیضانِ جہانگیری

دربار شریف مرزا کھل میں راقم نے دیکھا کہ ہزاروں آدمی روضہ شریف کے چاروں طرف اس طرح چل رہے تھے کہ جیسے خانہ کعبہ کا طواف ہو رہا ہو۔ جب ہم لوگ حضرت تاج العارفین کے حضور حاضر ہوئے تو راقم نے اس منظر کو دیکھتے ہوئے فی البدیہ میں ایک شعر کہا جس کی اجازت مرحمت فرمائی۔

شعر یہ ہے۔

مثلِ کعبہ است بر روئے زمین
ایں جا است دربارِ شمس العارفین

شعر سن کر حضرت تاج العارفین مسکرائے اور خصوصی توجہ سے راقم کی طرف دیکھا، آپ سے ہم نے غزل پڑھنے کی اجازت مانگی، آپ نے آہستہ سے سر ہلا دیا۔ آپ نے غزل پسند فرمائی اور ہم لوگوں سے مسکرا کر کہنے لگے، جائیں آپ لوگ کھانا کھالیں، اب کھانا آپ کا انتظار کر رہا ہے آپ کی یہ محبت وشفقت اور اپنائیت ہمیشہ ہم لوگوں کو آپ کی یاد دلاتی رہے گی۔

جب ہم لوگ عُرس کے اختتام کے بعد مرزا کھل سے رخصت ہونے کے لئے آپ کے پاس حاضر ہوئے تو وفور جذبات سے ہم لوگوں کی آنکھیں نم تھیں۔ جب ہم لوگ قدم بوسی کر کے باہر جانے لگے تو حضرت تاج العارفین دیر تک ہم لوگوں کو افسردہ انداز میں دیکھتے رہے، پھر جب ہم لوگ حجرہ شریف سے باہر نکل آئے تو ہمیں ایسا محسوس ہوا کہ حضرت اپنے چاہنے والوں کی جدائی میں افسردہ تھے۔ جب ہم پاکستان واپس آگئے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے ہم اپنا دل مرزا کھل میں چھوڑ آئے ہیں۔

اسد جہانگیر حضرت نبی رضا شاہؒ

بھینسوڑی شریف

آپ کا مولد مبارک ریاست رام پور قصبہ بھینوڑھی شریف ہے۔آپ کی ولادت باسعادت ۲۵ ربیع الاول ۱۲۸۶ھ ہجری بروز دوشنبہ ہوئی۔آپ حلیم الطبع ، منکسر المزاج اور عابد وزاہد متقی پرہیز گار شخصیت کے حامل تھے، کثرت مجاہدہ وریاضت میں اپنے زمانے میں بے مثال اور مشائخین وقت میں بے نظیر تھے۔گٹھا ہوا جسم تندرست وتوانا اور خوبصورت جسم کے حامل تھے۔

جناب حافظ مقبول احمد بناری فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ردولی شریف میں حضرت عبد الحقؒ کے عرس کے موقعہ پر ہم لوگ جناب بنی رضا شاہ صاحبؒ کے ساتھ ایک کمرے میں قیام رکھتے تھے۔جناب بنی رضا شاہ صاحب عبادت وریاضت میں مشغول تھے۔ہم سب لوگ کسی کام سے کمرے سے چلے گئے، جب کچھ دیر بعد ہم کمرے میں داخل ہوئے تو میں نے دیکھا کہ جائے نماز پر شیر بیٹھا ہے،خوف کے مارے ہماری حالت بُری ہوگئی، جلدی سے باہر بھاگے۔فوراً ہی اندر سے جناب بنی رضا شاہ صاحبؒ کی آواز آئی، حافظ صاحب اندر آجائیں، جب ہمت کر کے اندر پہنچے تو دیکھا کہ محترم بنی رضا شاہؒ صاحب تنہا تشریف رکھتے ہیں اور وہاں دوسرا کوئی نہیں۔

حضرت بنی رضا شاہ صاحب کے بارے میں حضرت فخر العارفینؒ ان کے مرید ہونے کا واقعہ بیان فرماتے ہیں:

"جب ہمارا کلکتہ میں قیام ہوا تو دوسرے روز تہجد کے بعد ہم کو معلوم ہوا کہ سارا ہوٹل جنبش کر رہا ہے (حضرت فخر العارفین کا قیام ہوٹل کی بالائی منزل پر تھا) دریافت کرنے پر پتا چلا کہ ہمارے قیام گاہ کے برابر دوسرے کمرے میں ایک پہلوان (حضرت بنی رضا شاہ صاحب) ورزش

کرر ہے ہیں جس کی وجہ سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ منزلہ مکان جنبش کرر ہا ہے۔ہم نے خدا سے التجا کی کہ اس پہلوان کو ہمیں بخش دے۔اللہ تعالیٰ نے ہماری دعا قبول فرمالی اور اسی روز شام کو حضرت محمد نبی شاہ صاحبؒ بکمال آرزو محبت آئے اور مرید ہو گئے۔ہم نے خدا کا شکر ادا کیا۔رات کو ان کو عینی توجہ ہوئی اور وہ بہت دیر تک کمرے میں بے چین اور بے قراری سے تڑپتے رہے،خدا نے ان کے حال پر بہت کرم کیا اور نواز دیا۔ہم نے بھی ان کو ضروری تعلیم و تلقین کر کے سپردِ خدا کر دیا۔

(سیرت فخر العارفین۔نگار یزداں)

حضرت نبی رضاء شاہ صاحبؒ اپنے وقت کے کامل درویش تھے،آپ نے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں سلسلہ جہانگیری کی تبلیغ کی،خاص طور پر اجمیر کے قرب وجوار میں ہزاروں افراد کو داخل سلسلہ کیا۔آپ نے ۲۴/ربیع الاول ۱۳۲۹ھ ہجری میں وصال فرمایا۔مسلم قبرستان صدر بازار لکھنؤ میں آپ کا مزار پُر انوار مرجع خلائق ہے۔

حضرت سلطان الاولیاء خواجہ محمد حسن قدس سرہ عزیز

آپ اپنے وقت کے یگانہ روزگار ایک کامل و باصفا درویش تھے۔ آپ ۱۲۹۵ھ ہجری مطابق ۱۸۸۰ء سن میں قصبہ بھینوڑی شریف رام پور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد شیخ رمضان علی ایک زمیندار اور معزز تاجر تھے۔ آپ کا گھر درویشوں کی آماجگاہ تھا، آئے دن آپ کے گھر کے صحن میں درویشوں کی نشست ہوتی تھی۔ والد صاحب ان درویشوں کی خدمت کرتے تھے، بزرگوں کا ادب واحترام یہ آپ کے خاندان کا خاصہ تھا۔

۱۹۰۵ء میں حضرت بنی رضا شاہ صاحبؒ بھینوڑی شریف تشریف لائے، آپ کی ان سے ملاقات ایک مسجد میں ہوئی۔ ان کا نورانی چہرہ آپ کے دل میں اتر گیا اور آپ نے ان سے بیعت کی درخواست کی جو منظور ہوئی۔ بیعت ہونے کے بعد آپ کی مجاہدانہ زندگی کا آغاز ہوا۔ حضرت سلطان العارفین بنی رضا شاہ صاحب نے ۱۹۱۰ء میں اس جہان فانی سے پردہ فرمالیا۔ پیر کے وصال کا آپ کو بہت ملال ہوا۔ آپ نے دو مرتبہ بنگال کا سفر کیا اور اپنے پیر بھائی حضرت خواجہ عنایت حسنؒ شاہ صاحب کو جو حضرت سلطان العارفینؒ کے چھوٹے بھائی تھے سجادہ نشینی دلوانے کے لئے اپنے ساتھ مرزاکھل لے گئے۔ حضرت فخر العارفین حیات تھے۔ ان کو حضرت بنی رضا شاہؒ کے وصال کا سن کر بہت صدمہ ہوا۔ حضرت فخر العارفین نے سجادگی کے بارے میں کوئی بات نہیں کی اور صوفی خواجہ حسنؒ کو بھی اس بارے میں بات کرنے کی ہمت نہیں پڑی۔ حضرت فخر العارفین نے عمومی انداز سے آپ لوگوں کو رخصت کر دیا۔ دوسری مرتبہ جب آپ لوگ مرزاکھل تشریف لے گئے، اس مرتبہ آپ کو کامیابی ہوئی، اس بار آپ لوگوں کو خانہ ہند میں سجادہ نشینوں کے کمروں میں ٹھہرایا گیا، حضرت فخر العارفینؒ نے خصوصی توجہ فرمائی۔ حضرت

فخر العارفینؒ نے حضرت خواجہ عنایت حسن شاہؒ صاحب کی سجادہ نشینی کا حکم صادر کیا اور آپ سے کہا کہ صوفی جی! ان کی سجادگی کا اعلان اجمیر شریف خواجہ خواجگان کے یہاں محفل میں کرائیے گا، آپ نے اپنے بارے میں حضرت فخر العارفینؒ سے عرض کیا تو انہوں نے فرمایا:

''صوفی جی آپ کے بارے میں ہم خاموش ہیں۔ آپ کا ایک وقت آئے گا۔''

اجمیر شریف میں ڈاکٹر عبد الشکور صاحب جو حضرت سلطان العارفین بنی رضا شاہ صاحبؒ کے خلیفہ و مرید تھے انہوں نے ایک جشن کی صورت میں محفل کرائی اور وہاں حضرت خواجہ عنایت حسن شاہ صاحبؒ کی سجادگی کا اعلان کیا گیا۔ اسی محفل میں صاحب سجادہ حضرت خواجہ عنایت حسن شاہ صاحب نے آپ کی خلافت واجازت کا اعلان کیا۔ خلافت واجازت پانے کے بعد آپ نے تبلیغ کا سلسلہ اور تعلیمات جہانگیری کے فروغ کے لئے مختلف علاقوں میں سفر کیا۔ اور سخت ریاضت وعبادت چلہ کشی کے بعد آپ کی زندگی بالکل بدل گئی۔ حضرت سلطان العارفین اور حضرت خواجہ عنایت حسنؒ کی محبت میں فنا ہو گئے۔

سلطان اولیاء حضرت خواجہ محمد حسن شاہ صاحب اور ان کے خلفاء حضرات نے برصغیر میں دن ورات محنت کی اور سلسلہ ابو العلائی جہانگیری کو مشرق سے لے کر مغرب تک پھیلا دیا۔ آپ کے بارے میں حضرت فخر العارفین کی پیشین گوئی اور اب وہ وقت آ گیا کہ جس کے بارے میں آپ نے فرمایا تھا۔ آپ نے پورے ہندوستان کا سفر کیا اور ہزاروں لوگوں کو داخل سلسلہ کیا۔ بھٹکے اور معاشرے کے ٹھکرائے ہوئے لوگ چور ڈاکو سب کو ہدایت کا راستہ دکھایا اور ان کی اصلاح فرمائی۔ آپ کی کوششوں کا یہ نتیجہ ہے کہ برصغیر میں ہر طرف ابو العلائی جہانگیری تاج نظر آتے ہیں۔ آپ نے ڈھائی سو لگ بھگ افراد کو خلافت واجازت عطا کی۔ ۶ر جمادی الاول ۱۳۷۹ ہجری بمطابق ۸ر نومبر ۱۹۵۹ بروز شنبہ آپکا وصال ہوا، مرشد نگر بھینوڑی شریف میں آپ کا مزار پُر انوار مرجع خلائق ہے۔

سلطان اولیاء حضرت خواجہ محمد یعقوب علی شاہؒ

حضرت خواجہ محمد یعقوب علی شاہؒ کا شمار ان اولیاء کرام اور جہانگیروں میں شمار ہوتا ہے کہ جنہوں نے اپنے اکابرین جہانگیروں کی مکمل پیروی کی اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر چلتے ہوئے عبادت وریاضت اور مجاہدات میں اپنے پیر ومرشد حضرت سلطان اولیاء خواجہ محمد حسن شاہ صاحبؒ اور اکابرین اولیاء کرام حضرت بابا گنج شکرؒ، حضرت نظام الدین محبوب الٰہیؒ اور حضرت شیخ العارفین مولانا مخلص الرحمان جہانگیریؒ کی پیروی کی۔ اعلیٰ حضرت خواجہ محمد یعقوب علی شاہؒ ۱۹۱۰ء میں ضلع بریلی کے ایک قصبہ آنولہ شریف میں پیدا ہوئے۔ آپ بزرگی کے بہت اعلیٰ مرتبہ کے حامل درویش تھے۔ آپ مقام صابریت پر فائز تھے۔ آپ نے لاتعداد چلے کئے جس میں چلہ معکوس بھی کیا، یہ حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کی یاد میں کیا، آپ نے اپنے مرشد کامل کی پیروی میں کلیر شریف، آگرہ میں سیدنا ابوالعلیٰ سرکار اور بھینوڑی شریف، گلبرگہ شریف، آنولہ شریف، بمبئی میں حاجی علی صاحب کے مزار پر اور برگین کے جنگلات میں چلّے کئے۔ اس کے علاوہ آپ نے پاکستان کے مختلف شہروں میں کئی چلے کئے۔

مقام صابریت بزرگی کا وہ مقام ہے جو حضرت ایوب علیہ السلام۔ حضرت رابعہ بصری رحمہا اللہ اور حضرت علاؤ الدین صابر چشتیؒ کی پیروی کرنے پر ملتا ہے۔ یہ ولایت کا وہ مقام ہے کہ جہاں بندہ اللہ سے سوال نہیں کرتا بلکہ اللہ اپنے بندے سے سوال کرتا ہے کہ اے میرے محبوب بندے بتا تجھے کیا چاہئے اور بندہ کہتا ہے کہ اے اللہ مجھے کچھ نہیں چاہئے بس میں تجھ کو چاہتا ہوں۔ تو ہی میرا معبود ہے تو ہی میرا مقصود ہے اور تو ہی میرا مطلوب ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہ صابر وشاکر محبوب بندے اس دنیا ہی میں جمال کبریا کا نظارہ کرتے رہتے ہیں۔ حضرت خواجہ محمد

یعقوب علی شاہؒ کا شمار نہایت صابر وشاکر بندوں میں ہوتا ہے جو ہر حال میں رضا بہ رضائے الٰہی میں رہتے ہیں۔

تعلیمات جہانگیری کی تبلیغ میں آپ نے بہت کام کیا، ہندوستان کے بہت سے علاقوں کا دورہ کیا۔ بمبئی، گلبرگہ شریف، برگین اور شمالی ہندوستان اور پاکستان کے بہت سے علاقوں میں آپ کی کوششوں سے سلسلہ جہانگیری کو فروغ حاصل ہوا۔ آپ کے بارے میں ☆ آپ کے پیرو مرشد حضرت سلطان الاولیاء خواجہ محمد حسن شاہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ میرا یعقوب ہیرا ہے، اس ہیرے کی چمک پورے برصغیر میں پھیلے گی۔ ایک موقع پر آپ نے کہا اگر میرا یعقوب اپنا دامن جھاڑے تو اس میں سے قطب برآمد ہوں۔ اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ آپ کے خلفاء حضرات میں سے ایسے ایسے صاحب نظر ہستیاں گذری ہیں کہ جو بزرگی کے بڑے مرتبے پر فائز تھے۔ ☆

دسمبر ۱۹۷۴ء گیارہ ذی الحج کی رات ۱۱ بجے آفتاب معرفت غروب ہوا لیکن اپنی روشن کرنیں دنیا میں بکھیر کر چلا گیا۔ آپ کا مزار پُر انوار مرجع خلائق ہے، کراچی شہر کے ایک محلّہ حسن مجتبیٰ ٹاؤن شمسی سوسائٹی سے متصل آپ دائمی زندگی حاصل کر کے آرام فرما رہے ہیں۔

حضرت عبدالرزاق شاہ حسنیؒ

آپ حضرت سلطان الاولیاء خواجہ محمد حسن شاہؒ کے ایک نامی گرامی خلیفہ تھے۔ ۱۹۲۹ء میں آپ حضرت سلطان الاولیاء کے دامن فیض سے وابستہ ہوئے تھے، ۱۳۵۸ ہجری میں آپ کو خلافت واجازت سے نوازا گیا۔ آپ نے مجاہدات کئے اور کئی چلے کرنے کے بعد پیلی بھیت میں بیل پور کے مقام پر آستانہ عالیہ کی بنیاد ڈالی اور وہیں رہ کر رشد وہدایت کا کام انجام دیا۔ کافی لوگوں کو مرید کیا اور تعلیمات جہانگیری کو فروغ دیا۔ ۱۴/شعبان المعظم ۱۴۰۱ ہجری بروز جمعہ آپ کا وصال ہوا۔ صوفی نگر پیلی بھیت جو بیل پور تحصیل میں واقع ہے آپ کی آخری آرام گاہ ہے۔ آپ کا مزار مرجع خلائق ہے۔

حضرت محمد نقیب اللہ شاہؒ

آپ کا اسم مبارک نقیب اللہ ہے۔ حضرت سلطان الاولیاء حضرت خواجہ محمد حسن شاہ صاحبؒ آپ کو محمد نقیب اللہ کے نام سے پکارتے تھے۔ آپ کی زندگی میں ایسا واقعہ رونما ہوا کہ جس میں آپ کو لڑکپن ہی میں سلطان الاولیاء کی آواز سنائی دی۔ ۱۹۱۵ء کے دوران آپ اپنے وطن عزیز میں قیام پذیر تھے۔ ایک مرتبہ جنگل میں آپ مٹی کے بلند ٹیلے پر کھڑے تھے، ناگہانی طور پر وہ مٹی کا ٹیلہ گر پڑا اور آپ ہزاروں من مٹی میں دب گئے۔ وہاں پر موجود لوگ ٹیلے کی طرف دوڑے اور یہ سمجھے کہ آپ شاید ٹیلے میں دب کر مر گئے ہوں گے۔ آپ فرماتے تھے کہ جب ہم مٹی میں دب گئے تو نیم بے ہوشی میں ہمارے کان میں کسی بزرگ کی یہ آواز آئی کہ یہ کلمات پڑھو۔ جیسے ہی ہم نے کلمات ادا کیے تو مٹی کا تودہ ہمارے اوپر سے ہٹ گیا اور ہم صحیح سلامت باہر نکل آئے۔ ہمیں زندہ و سلامت دیکھ کر سب لوگ حیران تھے۔ اس واقعہ کے بعد ہم کو یہ خیال آیا کہ کسی بزرگ سے بیعت ہونا چاہیے۔

آپ ۱۹۳۵ء میں حضرت سلطان الاولیاء کے دامن فیض سے وابستہ ہوئے اور ۱۹۳۸ء میں آپ کو خلافت و اجازت عطا فرمائی۔ آپ نے سلسلہ ابوالعلائی جہانگیری کے فروغ کے لئے بہت کام کیا۔ آپ کی تبلیغی کوششوں اور کاوشوں کی بدولت سلسلہ عالیہ کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ آپ کا مزار پُر انوار ضلع قصور کے ایک قصبہ نقیب آباد میں مرجع خلائق ہے۔

حضرت غلام آسی پیاؒ

آپ ۱۳۳۹ ہجری میں بروز دوشنبہ بمقام سید پورہ ضلع بلیہ (یوپی) میں پیدا ہوئے، آپ کے والد صاحب جناب عبداللطیف قاری علیمی حضرت صوفی علیم الدین آسی سجادہ نشین کے مرید تھے اسلئے اپنے نام اور آپ کے نام کے ساتھ غلام آسی لکھا کرتے تھے اور آپ کا نام بھی یہی رکھا گیا۔ آپ ایک متبحر عالم دین تھے۔ آپ نے حدیث کا علم جناب مولانا عبدالعزیز مبارک پوری سے اور علم تفسیر وفقہ جناب مولانا حبیب الرحمٰن اور علامہ سردار احمد شاہ صاحبؒ سے حاصل کیا۔

جامعہ حبیبیہ الہٰ آباد اور دارالعلوم مظہر الاسلام بریلی سے سند فراغت حاصل کرنے کے بعد آپ آنولہ شریف ضلع بریلی میں مفتی کے عہدہ پر تعینات ہوئے۔ اس قصبہ میں آپ حضرت سلطان الاولیاء حضرت خواجہ محمد حسن شاہ کے دامن فیوض برکاتہم سے وابستہ ہوئے۔ سخت مجاہدات کے بعد خلافت واجازت سے سرفراز ہوئے۔

آپ نے سلسلہ عالیہ ابوالعلائی جہانگیری کی تبلیغ وترویج کا کام خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا۔ سات برس تک حضرت سلطان الاولیاء کی خدمت میں حاضر رہے۔ آپ نے ایک کتاب حضرت سلطان الاولیاء کی سوانح حیات پر لکھی ہے: ''چراغ پاک ابوالعلائی'' کے نام سے یہ پہلی کتاب ہے جو سلطان الاولیاء خواجہ محمد حسن شاہؒ صاحب کی حیات طیبہ پر مشتمل ہے۔

حضرت مولانا صوفی خوش حال میاں دامت برکاتہم

آپ کا وطن مولد بالاکوٹ کاغان مانسہرہ ضلع ہزارہ صوبہ فرنٹیر ہے۔آپ حضرت سلطان الاولیاء سے ۱۹۵۱ء میں بیعت سے مشرف ہوئے اور پھر ۱۹۵۲ء میں آپ خلافت واجازت سے سرفراز ہوئے۔حضرت مولانا خوش حال میاں سلسلہ جہانگیری میں علم وفضل اور مجاہدہ میں مشہور ہوئے، نہایت اعلیٰ اخلاق کے حامل، خوش خلق، خوش مزاج، ذہین اور تمام زبانوں سے آشنا ہیں۔آپ کو اردو، فارسی، عربی، ازبک اور انگریزی پر پورا عبور ہے۔آپ کی شخصیت بہت خوبیوں کی حامل ہے۔

آپ کی ان اخلاقی خوبیوں کی بدولت سلسلہ عالیہ کو بہت فائدہ ہوا۔تبلیغی سلسلہ جہانگیری میں آپ نے دن رات بہت محنت کی۔آپ کی کوششوں اور کاوشوں سے تعلیمات جہانگیری کو فروغ حاصل ہوا۔الحمدللہ آپ بقید حیات ہیں اور سرکاروں کا کام بہت عمدگی سے انجام دے رہے ہیں۔

ویسے تو بہت سے خلفاء نے سلسلہ عالیہ کی تبلیغ اور تعلیمات جہانگیری کے فروغ کے لئے کچھ نہ کچھ کام کیا لیکن جن خلفاء کا ذکر کیا گیا ہے انہوں نے نمایاں طور پر کام کیا ہے۔اس کتاب کا عنوان تعلیمات جہانگیری ہے اس لئے اب تعلیمات کے بارے میں تحریر کیا جائے گا۔

دیگر خلفاء حضرات جنہوں نے فروغ سلسلہ کے لئے کام کیا

(۱) حضرت خواجہ صوفی احمد حسن مدنیؒ

(۲) حضرت منصور الحسن شاہؒ

(۳) حضرت صوفی عبدالمجید شاہؒ

(۴) حضرت صوفی ابرار حسین شاہؒ

(۵) حضرت مولانا جلال الدین خضر رومیؒ

(۶) حضرت صوفی سید احمد کبیر بنارسیؒ

(۷) حضرت حکیم محمد جمیل عارفیؒ

(۸) حضرت صوفی محمد یاسین صادقؒ

حضرت فخر العارفین شاہ عبدالحیؒ کے خلفائے حضرات

(Repeat) , 257 صفحہ

(۱) حضرت خواجہ بنی رضا شاہؒ

(۲) حضرت مولانا غلام مظہرؒ عرف ننھے میاں

(۳) حضرت مولانا منشی عبدالقدیر صاحب دہلویؒ

(۴) حضرت حکیم سید سکندر علی شاہ کانپوریؒ

(۵) حضرت سید سخاوت حسین شاہؒ

(۶) حضرت حکیم سید احمد شاہؒ

(۷) حضرت علاؤالدین پیارےؒ صاحب

(۸) حضرت ماسٹر سید رحمت علی شاہؒ

(۹) حضرت حافظ کلیم اللہؒ

(۱۰) حضرت حاجی بدرالاسلام میرٹھیؒ

(۱۱) حضرت مولانا سید عبداللہؒ صاحب بہاری

(۱۲) حضرت حاجی خادم علی صاحبؒ

(۱۳) حضرت منشی عبدالجلیل صاحبؒ

(۱۴) حضرت مقبول علی شاہؒ

(۱۵) حضرت حافظ مقبول احمدؒ صاحب کوکب بنارسی

(۱۶) حضرت مسیح الملک حکیم محمد اجمل خانؒ خاں صاحب دہلوی

تعلیمات جہانگیری

ایمان اور عبادات

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، یعنی ایمان، نماز، زکوۃ، روزہ اور حج۔ یہ پانچوں اسلام کے اراکین خمسہ کہلاتے ہیں۔

ایمان سے مُراد ایمان بالغیب ہے، یعنی بغیر دیکھے اللہ پر ایمان لانا، ایمان کے اجزاء:
(۱) توحید یعنی اللہ کو وحدہٗ لاشریک ماننا، (۲) رسالت یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول ماننا اور آپ سے پہلے جتنے پیغمبر آئے اُن سب پر ایمان لانا (۳) اللہ کی نازل کردہ کتابوں یعنی قرآن کریم، توراۃ، زبور اور انجیل پر ایمان لانا (۴) اللہ کے فرشتوں پر ایمان لانا، (۵) تقدیر پر ایمان لانا (۶) قیامت پر ایمان لانا (۷) جنت اور دوزخ پر ایمان لانا ہے۔

ایمان بالغیب کو عبادات پر اولیّت اور فوقیت حاصل ہے اس لئے کہ ایمان کے بغیر کوئی بھی عبادت اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل قبول نہیں، عبادات میں فرض نماز کو اولیت حاصل ہے، اس لئے کہ نماز بہ درستی ہوش وحواس ہر بالغ مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے، فرض نماز چوبیس ۲۴ گھنٹوں میں پانچ وقت ادا کی جاتی ہے، یعنی (۱) فجر سورج نکلنے سے پہلے (۲) ظہر زوال آفتاب کے بعد (۳) عصر سورج غروب ہونے سے پہلے (۴) مغرب سورج غروب ہونے کے فوراً بعد اور (۵) عشاء رات کو آدھی رات سے پہلے ادا کی جاتی ہے۔

<u>ایمان</u> (از روئے قرآن)

یہ کتاب (قرآن مجید) اس میں کچھ شک نہیں کہ کلام خدا ہے، خدا سے ڈرنے والوں کی

رہنما ہے، جو غیب پر ایمان لاتے اور آداب کے ساتھ نماز پڑھتے اور جو کچھ ہم نے اُن کو عطا فرمایا ہے اُس میں سے خرچ کرتے ہیں اور جو کتاب (اے محمد!) تم پر نازل ہوئی اور جو کتاب تم سے پہلے (پیغمبروں پر) نازل ہوئیں سب پر ایمان لاتے اور آخرت کا یقین رکھتے ہیں۔ (سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲ تا ۴)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نیکی یہی نہیں کہ تم مشرق اور مغرب کو قبلہ سمجھ کر اُن کی طرف منہ کرلو بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ خدا پر اور فرشتوں پر اور خدا کی کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائیں اور مال باوجود عزیز رکھنے کے رشتے داروں اور یتیموں، محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دیں اور گردنوں کے چھڑانے میں خرچ کریں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں اور جب عہد کرلیں تو اُس کو پورا کریں اور سختی اور تکلیف میں (معرکہ) کارزار کے وقت ثابت قدم رہیں، یہی لوگ ہیں جو (ایمان میں) سچے ہیں اور یہی ہیں جو (خدا سے) ڈرنے والے ہیں۔ (سورۂ بقرہ آیت نمبر ۱۷۷)

رسول اس کتاب پر جو اُن کے پروردگار کی طرف سے اُن پر نازل ہوئی ایمان رکھتے ہیں اور مؤمن بھی سب خدا پر اور اس کے فرشتوں پر اور اُس کی کتابوں پر اور اُس کے پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ ہم اُسکے پیغمبروں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور وہ (خدا سے) عرض کرتے ہیں کہ ہم نے تیرا حکم سُنا اور قبول کیا۔ اے پروردگار! ہم تیری بخشش مانگتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ (سورۂ بقرہ آیت ۲۸۵)

حدیث

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے، اس کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور تحقیق محمد صلی

اللہ علیہ وسلم اُس کے بندے اور رسول ہیں اور نماز کا اچھی طرح پڑھنا اور کوۃ ادا کرنا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔ (متفق علیہ)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے دوسری روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کامل مسلمان وہ ہے کہ مسلمان اس کی زبان اور ہاتھ سے سلامت رہیں اور کامل مہاجر (ہجرت کرنے والا) وہ ہے جو اُس چیز کو چھوڑ دے جسے اللہ نے منع کیا ہے۔ یہ لفظ بخاری کے ہیں اور امام مسلم صحیح مسلم میں لکھتے ہیں کہ ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا مسلمانوں میں بہتر کون ہے؟ آپ نے فرمایا وہ جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان سلامت رہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان کی چند اوپر ستر شاخیں ہیں، ان میں افضل لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہنا ہے اور کمتر دور کرنا ایذاء کی چیز کا راستہ سے اور حیاء ایمان کی ایک شاخ ہے۔ (متفق علیہ)

حضرت انسؓ سے روایت ہے فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے: ”تم میں سے کوئی مؤمن نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ میں اُس کی طرف اُس کے باپ اور اُس کی اولاد اور سب آدمیوں سے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں۔ (متفق علیہ)

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین شخص ہیں ان کے لئے دو ثواب ہیں، ایک وہ جو اہل کتاب میں سے ہے جو اپنے نبی پر ایمان لایا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان لایا اور دوسرا غلام مملوک جب ادا کرے حق اللہ کا اور حق اپنے مالکوں کا، تیسرا شخص وہ ہے کہ اُس کی ایک لونڈی تھی جس سے صحبت کرتا تھا، اُس نے اسے ادب سکھلایا پس اچھا ادب سکھلایا اور اُسے علم (دین) سکھلایا اچھی طرح تعلیم سکھلائی، پھر اُس کو آزاد کر دیا اور اُس سے نکاح کر لیا پس اس کے لئے دو چند ثواب ہے۔ (متفق علیہ)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے حکم

دیا گیا ہے کہ میں ان لوگوں کے ساتھ لڑوں یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور وہ نماز پڑھیں، زکوٰۃ دیں، پس جس وقت ایسا کرلیں، انہوں نے مجھ سے اپنے خون اور اپنے مال بچالئے مگر اسلام کے حق سے اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔ (متفق علیہ)

حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص گواہی دے کہ نہیں کوئی معبود سوائے اللہ تعالیٰ کے جو ایک ہے اُس کا کوئی شریک نہیں اور تحقیق محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے بندے اور اُس کے رسول ہیں اور تحقیق عیسیٰ اللہ کا بندہ اور اُس کا رسول ہے اور اپنی ماں کا بیٹا اور اُس کا کلمہ ہے کہ ڈالا اس نے مریم کی طرف اور روح ہے اُس کی طرف سے اور جنت اور دوزخ برحق ہیں اللہ اُس کو جنت میں داخل فرمائے گا وہ خواہ اوپر کسی عمل کے ہو۔ (متفق علیہ)

فرض نماز (حکم اور فضائل)

یہ کتاب (قرآن مجید) اس میں کچھ شک نہیں کہ کلامِ خدا ہے، خدا سے ڈرنے والوں کی رہنما ہے، جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور ادب کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں (سورۂ بقرہ آیت ۱۲ ار نمبر ۳) اے مؤمن بندوں سے کہہ دو کہ نماز پڑھا کریں۔ (سورہ ابراہیم، آیت نمبر ۳۱) اور میں نے تم کو انتخاب کرلیا ہے تو جو حکم دیا جائے اُسے سنو بے شک میں ہی خدا ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، تو میری عبادت کرو اور میری یاد کے لئے نماز پڑھا کرو (سورہ طٰحٰہ آیت نمبر ۱۳ اور ۱۴) بے شک ایمان والے راستگار ہوں گے جو نماز میں عجز و نیاز کرتے ہیں۔ (مؤمنون، آیت نمبر ۱ اور ۲) اور بے شک نماز منکرات سے روکتی ہے۔ (عنکبوت آیت نمبر ۴۵) بنی اسرائیل کو تو یہی حکم ہوا تھا کہ اخلاص عمل کے ساتھ خدا کی عبادت کریں (اور ایک ہو کر) نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں

اور یہی سچا دین ہے۔ (سورہ بینہ آیت نمبر ۵)

نماز کے فضائل (بحوالہ حدیث: مشکوۃ کتاب الصلوٰۃ)

حضرت عمارہ بن رویبہ سے روایت ہے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے: وہ شخص ہرگز آگ میں داخل نہ ہوگا جس نے سورج طلوع ہونے اور غروب ہونے سے پہلے نماز پڑھی، یعنی فجر اور عصر کی نماز۔

ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے دو نمازیں ٹھنڈے وقت کی پڑھیں وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (متفق علیہ)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں رات اور دن کو فرشتے باری باری آتے ہیں اور وہ فجر اور عصر کی نماز میں جمع ہوتے ہیں، پھر چڑھتے ہیں وہ فرشتے جنہوں نے تم میں رات گذاری ہوتی ہے ان سے اُن کا رب پوچھتا ہے حالانکہ وہ ان کو خوب جانتا ہے: کس طرح چھوڑا ہے تم نے میرے بندوں کو؟ وہ کہتے ہیں ہم نے اُن کو چھوڑا اس حال میں کہ وہ نماز پڑھتے اور ہم اُن کے پاس گئے جب کہ وہ نماز پڑھتے تھے۔ (متفق علیہ)

حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی اس نے ساری رات قیام کیا۔ (مسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے: ان دونوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز وسطیٰ عصر کی نماز ہے۔ (ترمذی)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان میں بے شک قرآن فجر کا حاضر کیا گیا ہے، فرمایا: رات اور دن کے فرشتے اس میں حاضر ہوتے ہیں۔ (ترمذی شریف)

نماز کے بعد کی دُعا (قرآن)

یااللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ بحوالہ حدیث (مشکوٰۃ شریف، کتاب الصلوٰۃ)

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے کہ جب سلام پھیرتے نہ بیٹھتے مگر مقدار اس چیز کے کہ کہتے:

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ تبَارَکْتَ یَا ذَالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ.

(رواہ مسلم)

حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد تین بار استغفار کرتے اور یہ دُعا پڑھتے:

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ تبَارَکْتَ یَا ذَالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ.

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: جو شخص کہ سُبْحَانَ اللّٰہِ کہے پیچھے ہر نماز کے تینتیس بار اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہے تینتیس بار اور اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہے تینتیس بار، بس ننانوے ہوئے اور کہے واسطے پورا کرنے سینکڑے کے کے یہ کلمہ نہیں کوئی معبود مگر اللہ اکیلا ہے، نہیں شریک اس کا، اسی کے لئے بادشاہت اور اس کے لئے ہی سب تعریف اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، بخشے جاویں گے گناہ اس کے اگرچہ ہوں مانند جھاگِ دریا کے۔ (مسلم)

نماز باجماعت کی فضیلت:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جماعت کے ساتھ نماز پڑھنی اکیلے کی نماز سے ستائیس درجے زیادہ ہوتی ہے۔ (روایت بخاری و مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے تحقیق انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ فرماتے تھے کہ نماز نہیں ہوتی کھانے کے حاضر ہونے کی صورت میں اور اس حالت میں کہ دفع کریں اس کو دونوں خبیث (روایت کیا مسلم نے)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت کھڑی کی جاوے نماز، کوئی نماز نہیں مگر فرض ہے۔ (روایت کیا مسلم نے)

سفر اور خوف کی نمازیں:

فرض نمازوں میں سفر اور خوف کی نمازوں کے لئے خصوصی طریقے ہیں، ان کے لئے دیکھیں مشکوٰۃ شریف، کتاب باب الصلوٰۃ، باب الصلوٰۃ سفر اور صلوٰۃ الخوف۔

روزانہ پانچ وقتوں کی فرض نماز کے علاوہ کچھ نمازیں واجب ہیں اور کچھ سنت و نفل بھی ہیں، ان کے علاوہ رمضان المبارک میں عشاء کی نماز فرض اور دو سنتوں اور نفل کے بعد نماز تراویح ۲۰ رکعت پڑھی جاتی ہیں۔

واجب نمازیں

واجب نمازیں تین ہیں: یعنی جمعہ کی نماز اور عیدین کی نمازیں اور وتر کی نماز، جمعہ کی نماز جمعہ کے دن نماز ظہر کے بجائے پڑھی جاتی ہے، یہ نماز عورت مرد، مسافر مریض بچے اور غلام کے علاوہ ہر بالغ مسلمان پر بہ تندرستی ہوش وحواس واجب ہے۔ (مشکوٰۃ، کتاب الصلوٰۃ، باب الجمعہ) اس طرح عیدین کی نمازیں عید الفطر اور عید الاضحیٰ جو یکم شوال اور دس ذی الحج کو ہر سال طلوع آفتاب کے بعد اور زوال آفتاب سے پہلے ادا کی جاتی ہیں۔ (مشکوٰۃ ایضاً)

نفل نمازیں:

فرض اور واجب نمازوں کے علاوہ کچھ نمازیں نفل بھی ہیں، ان میں صلوٰۃ التسبیح (زندگی

میں کم ازکم ایک بار) صلوٰۃ الحاجات (ہر حاجت کے وقت) صلوٰۃ الاستسقاء (بارش نہ ہونے کی صورت میں) صلوٰۃ الکسوف اور صلوٰۃ الخسوف (سورج اور چاند گرہن کے وقت) صلوٰۃ الاشراق (سورج بلند ہونے کے بعد) صلوٰۃِ چاشت (زوال آفتاب سے پہلے) صلوٰۃ الزوال (زوال آفتاب کے بعد ظہر کی نماز سے پہلے) صلوٰۃ الاوابین (مغرب کی نماز کے فوراً بعد) اور صلوٰۃ اللیل یا تہجد کی نماز آدھی رات کے بعد صبح صادق سے پہلے ادا کی جاتی ہے۔

نماز میں فرائض، واجبات اور سنتوں اور رکعتوں کی تعداد اور نوعیت کے دیکھیں (ایضاً کتاب الصلوٰۃ) یا بہار شریعت یا کوئی اور فقہ کی کتاب۔

نماز میں سہو یا غلطی کا تدارک

اگر کسی نماز میں غلطی ہو جائے تو پہلے سلام کے بعد دو سجدے کرنا چاہئے۔ (ایضاً کتاب السہو)

(قرآن) طہارت (غسل، وضو و تیمّم)

مؤمنو! جب تم نماز پڑھنے کا قصد کیا کرو تو منہ اور کہنیوں تک ہاتھ دھولیا کرو اور سر کا مسح کرلیا کرو اور ٹخنوں تک پاؤں دھولیا کرو اور اگر نہانے کی حاجت ہو تو نہالیا کرو، پاک ہو جایا کرو اگر بیمار ہو یا سفر میں ہو یا کوئی تم میں سے بیت الخلاء سے ہوکر آیا ہو یا تم عورتوں سے ہم بستر ہوئے ہو اور تمہیں پانی نہ مل سکے تو پاک مٹی لو اور اس سے منہ ہاتھ کا مسح (یعنی تیمّم) کرلو، خدا تم پر کسی طرح کی تنگی کرنا نہیں چاہتا، بلکہ یہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کرے اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کرے تا کہ تم شکر کرو۔ (سورۂ مائدہ، آیت نمبر ۶) اور اپنے پروردگار کی بڑائی کرو اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو اور ناپاکی سے دور رہو۔ (مدثر آیت ۲ تا ۵) اور بیہودہ بات نہ کرو (سورہ اعلیٰ

آیت نمبر۱۴) اور (سورۃ الشمس آیت نمبر۹) اور قرآن کو نہیں چھوتے مگر پاک لوگ (سورۂ واقعہ آیت نمبر۷۹)

طہارت (احادیث)

(مشکوۃ شریف، کتاب الطہارت) حضرت ابو مالک اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پاک رہنا آدھا ایمان ہے۔ (مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بغیر طہارت کے نماز قبول نیں ہوتی، نہ ہی حرام مال سے خیرات قبول ہوتی ہے۔ (مسلم)

غسل

ناپاکی کی حالت میں غسل کرنا ضروری ہے (مشکوۃ، کتاب الطہارت، باب غسل) اگر پانی میسر نہ آئے یا بیماری کا خطرہ ہو تو تیمّم کر لینا ہی کافی ہوگا۔ (باب تیمّم)

وضو (باب الوضوایضا)

حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ بے وضو آدمی کی نماز قبول نہیں کی جاتی یہاں تک کہ وضو کرے۔ (متفق علیہ)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جنت کی کنجی نماز ہے اور نماز کی کنجی وضو ہے۔

حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے وضو کیا پس اچھا وضو کیا، اُس کے جسم سے گناہ نکل جاتے ہیں یہاں تک کہ اُس کے ناخنوں کے

نیچے سے بھی نکل جاتے ہیں۔ (متفق علیہ)

حضرت عثمانؓ سے روایت ہے: اُس نے وضو کیا اپنے ہاتھوں پر تین مرتبہ پانی ڈالا پھر کلی کی اور ناک جھاڑی تین بار پھر اپنا چہرہ تین بار دھویا پھر اپنا دایاں ہاتھ کہنی تک تین بار دھویا پھر بایاں ہاتھ تین بار پھر مسح کیا اپنے سر کا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ میری مانند وضو کیا پھر فرمایا جو شخص میری طرح وضو پھر دو رکعت نماز پڑھے ان دونوں میں اپنے نفس سے بات نہ کرے بخشا جاتا ہے، اس کے لیے جو گناہ پہلے ہوتا ہے۔ (متفق علیہ)

حضرت عقبہ بن عامرؓ سے رویت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں کوئی مسلمان جو وضو کرے پس اچھا وضو کرے پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھے، متوجہ ہو ان دونوں پر اپنے دل کے ساتھ اور اپنے چہرہ کے ساتھ مگر اُس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ (مسلم)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اُمت قیامت کے دن روشن پیشانی سفید اعضاء پکاری جائے گی، وضو کے آثار کی وجہ سے جو تم میں طاقت رکھے کہ اپنی پیشانی کی روشنی زیادہ کر کے پس چاہیئے کرے۔ (متفق علیہ)

حضرت بریدہؓ سے روایت ہے بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھیں اور موزوں پر مسح کیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا آج آپ نے ایک عمل کیا ہے کہ اس سے پہلے نہیں کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر! میں نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے۔ (مسلم)

حضرت مغیرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ اپنے موزوں پر اوپر کی جانب مسح کرتے تھے (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

حضرت مغیرہؓ سے دوسری روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا پھر جوربین پر نعلین کے ساتھ مسح کیا۔ (احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

تیمّم

حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین باتوں کے ساتھ ہم کو لوگوں پر فضیلت دی گئی ہے، ہماری صفیں فرشتوں کی صفوں کے مانند شمار کی گئی ہیں، تمام زمین ہمارے لئے مسجد بنادی گئی ہے اور اس کی مٹی ہمارے لئے پاک کرنے والی ہے، جس وقت ہم پانی نہ پائیں۔ (مسلم نے روایت کیا، متفق علیہ)

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پاک مٹی مسلمان آدمی کی طہارت ہے، اگرچہ دس سال تک اُسے پانی نہ ملے، جس وقت وہ پانی پالے اپنے بدن کو لگالے، پس تحقیق یہ بہتر ہے۔ (روایت کیا احمد بن حنبل، ترمذی، ابوداؤد اور نسائی)

حضرت ابوالجہیمؓ بن حارثؓ سے روایت ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گذرا اور آپ پیشاب کررہے تھے، میں نے سلام کیا آپ نے سلام کا جواب نہیں دیا، یہاں تک کہ ایک دیوار کی طرف کھڑے ہوئے اُسے لاٹھی کے ساتھ کھرچہ جو اُن کے پاس تھی پھر دیوار پر دونوں ہاتھ رکھے، اپنے چہرہ اور ہاتھوں کا مسح کیا، پھر مجھ کو سلام کا جواب دیا۔ (صاحب مشکوٰۃ نے کہا میں نے یہ حدیث صحیحین میں اور حمیدی کی کتاب میں نہیں پائی، لیکن اس کو محی السنۃ نے شرح السنۃ میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے یہ حدیث حسن ہے)

مسواک

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسواکؑ منہ کی پاکیزگی اور اللہ کی رضامندی کا باعث ہے، (روایت کیا اس کو امام شافعی نے، احمد بن حنبل، دارمی اور نسائی نے اور روایت کیا بخاری نے)

حضرت ابوایوبؓ انصاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چار چیزیں رسولوں کی سنت ہیں: حیا کرنی اور روایت میں کہا گیا ہے ختنہ کرنا، خوشبو لگانا، مسواک کرنا، نکاح کرنا۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات اور دن کو نہ سوتے مگر وضو کرنے سے پہلے آپ مسواک کرتے تھے۔ روایت کیا اس کو احمد بن حنبل اور داؤد نے)

(قرآن) مسجد

اور اُس سے بڑا ظالم کون ہے جو خدا کی مسجدوں میں خدا کے نام کا ذکر کیے جانے کو منع کرے اور اُن کی ویرانی پر ساعی ہو، اُن کو کچھ حق نہیں کہ اُن میں داخل ہوں مگر ڈرتے ہوئے اُن کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بڑا عذاب۔ (اے محمد!) ہم نے تمہارا آسمان کی طرف منہ پھیر کر دیکھنا دیکھ رہے ہیں سو ہم تم کو اُسی قبلے کیطرف جس کو تم پسند کرتے ہو منہ کرنے کا حکم دیں گے تو اپنا منہ مسجد حرام (یعنی کعبہ) کی طرف کر لیا کرو اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی ہے وہ خوب جانتے ہیں، کہ (نیا قبلہ) اُن کے پروردگار کی طرف سے حق ہے، اور جو کام یہ لوگ کرتے ہیں خدا اُن سے بے خبر نہیں۔ (سورۂ بقرہ آیت نمبر ۱۱۳ اور ۱۴۴)

پھر اپنے مذہب میں داخل کریں گے اور اس وقت تم کبھی فلاح نہیں پاؤ گے اور اسی طرح پہلے لوگوں کو اُن کے حال سے خبردار کر دیا تھا تا کہ وہ جانیں کہ خدا کا وعدہ سچا ہے اور یہ کہ قیامت جس کا وعدہ کیا جاتا ہے اُس میں کچھ شک نہیں، اُس وقت لوگ اُن کے بارے میں باہم جھگڑنے لگے اور کہنے لگے کہ اُن (غار) پر عمارت بنا دو ان کا پروردگار اُن کے حال سے خوب واقف ہے، جو لوگ اُن کے معاملے میں غلبہ رکھتے تھے وہ کہنے لگے کہ ہم اُن (کے غار) پر مسجد بنائیں گے۔ (سورۃ الکہف آیت نمبر ۲۱)

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دیئے گئے (انہوں نے قصور نہیں کیا) ہاں یہ کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار خدا ہے اور اگر خدا لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ بناتا رہتا تو (راہبوں کے) صومعے اور عیسائیوں کے گرجے (اور یہودیوں کے) عبادت خانے اور (مسلمانوں کی) مسجدیں جن پر خدا کا بہت ساذکر کیا جاتا ہے گرائی جا چکی ہوتیں اور جو شخص کی مدد کرتا ہے خدا اُس کی ضرور مدد کرتا ہے، بے شک خدا توانا اور غالب ہے۔ (سورۂ حج آیت نمبر ۴۵)

احادیث

حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین باتوں کے ساتھ ہم کو لوگوں پر فضیلت دی گئی، ہماری صفیں فرشتوں کی صفوں کی مانند شمار کی گئی ہیں اور تمام زمین ہمارے لئے مسجد بنادی گئی اور اُس کی مٹی ہمارے لئے پاک کرنے والی ہے جس وقت ہم پانی نہ پائیں۔ (مسلم)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مکانوں میں سب سے زیادہ محبوب اللہ کی طرف مسجدیں ہیں اور سب سے بُرے مکانوں میں سے اللہ کے نزدیک بازار ہیں۔ (مسلم)

حضرت عثمان غنیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ کے لئے مسجد بنائے اللہ تعالیٰ اس کا گھر جنت میں بناتا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اس مسجد میں نماز پڑھنا دوسری مساجد کی نسبت ہزار نماز کا ثواب ہے سوا مسجد الحرام کے۔ (متفق علیہ)

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کجاوے سے نہ باندھے جائیں مگر تین مسجدوں کی طرف، مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ اور میری مسجد۔

(متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا پچیس درجے زیادہ ہوتی ہے، اس کے اپنے گھر یا بازار میں نماز پڑھنے سے۔ (متفق علیہ)

حضرت اسدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس وقت ایک تمہارا مسجد میں داخل ہو تمہیں چاہئے کہ کہے: اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ. اور جب مسجد سے باہر نکلے تو کہے: اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ. (مسلم)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اس بدبودار درخت سے کھائے وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے کیونکہ فرشتے ایذاء پاتے ہیں اس چیز سے جس سے انسان ایذاء پاتے ہیں۔ (متفق علیہ)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ اس کا دفن کر دینا ہے۔ (متفق علیہ)

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیماری میں فرمایا، جس سے اُٹھے نہیں تھے: اللہ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔ (متفق علیہ)

اَذان (قرآن)

جب تم نماز کے لئے اعلان (یعنی اذان) کرتے ہو تو وہ لوگ (یعنی کفار) اس کے ساتھ ہنسی اور کھیل کرتے ہیں (مائدہ، آیت نمبر ۵) جب جمعہ کے روز نماز کے لئے اَذان کہی جائے تو تم اللہ کی یاد (یعنی نماز) کی طرف چل پڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دیا کرو (سورہ جمعہ آیت نمبر ۹)

حدیث: (مشکٰوۃ شریف، کتاب الصلوٰۃ، باب الاذان)

حضرت محذورہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اذان کہنا سکھلائی، خود نفس نفیس فرمایا:

اَللّٰہُ اَکۡبَرُ اَللّٰہُ اَکۡبَرُ اَللّٰہُ اَکۡبَرُ اَللّٰہُ اَکۡبَرُ اَشۡھَدُ اَنۡ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَشۡھَدُ اَنۡ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَشۡھَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوۡلُ اللّٰہِ اَشۡھَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوۡلُ اللّٰہِ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ حَیَّ عَلَی الۡفَلَاحِ حَیَّ عَلَی الۡفَلَاحِ اَللّٰہُ اَکۡبَرُ اَللّٰہُ اَکۡبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ. (مسلم)

اگر صبح کی نماز ہے تو کہے: اَلصَّلٰوۃُ خَیۡرٌ مِّنَ النَّوۡمِ اَلصَّلٰوۃُ خَیۡرٌ مِّنَ النَّوۡمِ اَللّٰہُ اَکۡبَرُ اَللّٰہُ اَکۡبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ. (روایت کیا ابوداؤد نے)

حضرت بلالؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کسی نماز میں بھی سوائے صبح کی نماز کے تثویب نہ کر۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ اذان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دو دو بار اور تکبیر ایک ایک بار سوا اس کے کہ مؤذن کہتا: قَدۡ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ قَدۡ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ دو بار۔ (ابوداؤد، نسائی، دارمی)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مؤذن کو سنو، پس کہو جس طرح مؤذن کہتا ہے، پھر درود مجھ پر بھیجو اس لئے کہ جس نے ایک مرتبہ مجھ پر درود بھیجا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس بار رحمت بھیجتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ سے میرے لئے وسیلہ مانگو پس بے شک وہ جنت میں ایک درجہ ہے، اللہ کے بندوں میں سے ایک بندے کے لئے وہ لائق ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ میں ہوں گا جس نے میرے لئے وسیلہ مانگا، میرے شفاعت اس پر واجب ہوگی۔ (مسلم)

زکوٰۃ

نماز کے بعد زکوٰۃ کو اولیت حاصل ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ہر جگہ نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا حکم دیا ہے، بطور فرض زکوٰۃ ہر بالغ عاقل، مالدار، مسلمان مرد اور عورت پر اپنے مال کا چالیسواں حصہ مسلمان غرباء، مسکین اور ضرورت مندوں کو دینا فرض ہے، جس کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا یا اس کی قیمت کا مال یا نقد روپیہ قرض سے بچا ہوا اپنی حاجات اصلیہ سے زائد ہو تو سال گذرنے کے بعد اُس کی زکوٰۃ دینا فرض ہے، اگر اس سے کم ہو تو اُس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

زکوٰۃ سے متعلق آیتِ قرآنی اور احادیث ذیل ہیں:

قرآن: اور نماز ادا کرتے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو۔ (بقرہ آیت نمبر ۱۱۰)

حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم کرتے تھے۔ (سورہ مریم آیت نمبر ۵۵) اور نماز پڑھو اور زکوٰۃ دیتے رہو (سورہ حج آیت نمبر ۸)

بے شک ایمان والے راستگار ہوں گے جو نماز میں عجز و نیاز کرتے ہیں اور جو بیہودہ باتوں سے منہ موڑتے رہتے ہیں اور جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں (مؤمنون آیت نمبر ۱ تا ۴) نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو (مجادلہ آیت نمبر ۱۳) اور نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو (سورہ مزمل آیت نمبر ۲۰) اور اہل کتاب کو حکم تو یہ ہی دیا گیا تھا کہ نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں۔ (سورہ بینہ آیت نمبر ب ۵)

حدیث: (مشکوٰۃ، کتاب الزکوٰۃ)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کو اللہ نے مال دیا سو اس نے اس کی زکوٰۃ ادا نہ کی تو اس کا یہ مال اس کے لئے گنجا سانپ بنایا جائے گا

جس کی آنکھوں پر دو سیاہ نقطے ہوں گے اور وہ سانپ قیامت کے دن اُس کی گردن میں بطور طوق ڈالا جائے گا پھر سانپ اس کے منہ کے دونوں کناروں کو یعنی باچھوں کو پکڑے گا پھر کہے گا میں تیرا مال ہوں تیرا خزانہ ہوں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی: جو لوگ بخل کرتے ہیں یہ گمان نہ کریں۔۔۔ آخر آیت تک۔ روایت کیا بخاری نے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی مال حاصل کرے اُس پر زکوٰۃ نہیں ہے یہاں تک کہ اُس پر سال گذر جائے۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے۔ ایک جماعت محدثین کا ذکر کیا ہے جنہوں نے اس حدیث کو ابن عمرؓ پر موقوف کیا ہے۔

حضرت اُم سلمہؓ سے روایت ہے میں نے سونے کی بالیاں پہنی ہوئی تھیں، میں نے کہا اے اللہ کے رسول! کیا یہ کنز ہے؟ آپ نے فرمایا: جو زکوٰۃ کے نصاب تک پہنچ جائے اس کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے، وہ کنز نہیں ہے۔ روایت کیا اس کو مالک اور ابوداؤد نے۔

کس مال پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے؟

حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ وسق (بیس من) سے کم کھجوروں میں زکوٰۃ نہیں، پانچ اوقیہ (دو سو درہم) سے کم چاندی میں زکوٰۃ نہیں، پانچ سے کم اونٹوں میں زکوٰۃ نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس زمین کو چشمے اور بارش سیراب کرے یا وہ زمین جو سیم والی ہے اس میں دسواں حصہ ہے، اور جس کو پانی کھینچ کر سیراب کیا جائے اُس میں بیسواں حصہ ہے۔ روایت کیا بخاری نے۔

حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو حکم فرمایا کرتے تھے کہ ہم اس چیز کی زکوٰۃ نکالیں جس کو ہم تجارت کے لئے تیار کرتے ہیں۔ روایت

کیا ابوداؤد نے۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے سبزیوں میں زکوٰۃ نہیں ہے اور نہ عاریت کے درختوں میں زکوٰۃ ہے، نہ پانچ وسق سے کم میں زکوٰۃ ہے، نہ کام کرنے والے جانوروں میں زکوٰۃ ہے، اور نہ جبھتہ میں زکوٰۃ ہے، صقر اوی نے کہا جبھتہ سے مراد گھوڑا، خچر، گدھا اور غلام ہے۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے: گھوڑوں اور غلاموں کی زکوٰۃ معاف کر دی ہے، چاندی کی زکوٰۃ ادا کرو، ہر چالیس درہم میں ایک درہم ہے اور سو نوے میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی جب تک دو سو درہم نہ ہوں ان میں پانچ درہم ہیں۔

ایک روایت میں حضرت حارثؓ اور علیؓ دونوں روایت کرتے ہیں اس کو ترمذی نے۔

زبیرؓ نے کہا میرے خیال میں علیؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا ہر چالیس درہم میں چالیسواں حصہ زکوٰۃ ادا کر دو اور تم پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے جب تک کہ دو سو درہم پورے نہ ہو جائیں۔ جب کسی کے پاس دو سو درہم ہوں اُن میں پانچ درہم ہیں۔ اور بکریوں کی زکوٰۃ میں آپ نے فرمایا: ہر چالیس میں ایک بکری ہے ایک سو بیس تک، اس سے بڑھ جائے تو اس میں دو بکریاں ہیں دو سو تک، اگر اس سے بڑھ جائیں تو تین بکریاں ہیں تین سو تک، اگر تین سو سے بڑھ جائیں تو ہر سو میں ایک بکری ہے۔ اگر بکریاں انتالیس ہوں تو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ تیس گایوں میں ایک برس کا بچھڑا ہے اور چالیس میں دو برس کا دونتا۔ کام کرنے والوں میں زکوٰۃ نہیں۔ (ابوداؤد)

روزہ (صوم)

ماہِ رمضان المبارک کے روزے ہر مسلمان بالغ، عاقل مرد عورت پر فرض ہیں، جب

تک کوئی شرعی عذر نہ ہو تو روزہ چھوڑنا درست نہیں، اگر کسی وجہ سے روزہ چھوٹ جائے تو اُس کی قضا فرض ہے اور اگر اتفاقاً کسی وجہ سے روزہ چھوٹ جائے تو دن بھر کھانا پینا نہیں چاہئے بلکہ روزے دار کی طرح رہنا چاہئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے رمضان کے روزے اللہ کے لئے ثواب کی نیت سے رکھے تو اس کے گذشتہ سب چھوٹے بڑے گناہ مٹا دیئے جائیں گے، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزے دار کے منہ کی بُو اللہ تعالیٰ کو مُشک کی خوشبو سے زیادہ پیاری ہے، روزہ کا وقت صبح صادق سے لے کر سورج چھپنے تک ہے، صبح صادق سے پہلے بطور سحری کچھ کھا پی لینا درست ہے۔

روزہ کے متعلق آیتِ قرآنی اور احادیث حسبِ ذیل ہیں:

قرآن: مؤمنو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیز گار بنو (سورۂ بقرہ آیت نمبر ۱۸۲) روزوں کے دن گنتی کے چند روز ہیں تو جو شخص تم میں بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں روزوں کا شمار پورا کرلے اور جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھیں تو وہ روزے کے بدلے محتاج کو کھانا کھلا دیں اور جو کوئی شوق سے نیکی کرے تو اُس کے حق میں زیادہ اچھا ہے، اور اگر سمجھو تو روزہ رکھنا ہی تمہارے حق میں بہتر ہے (سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۸۴) روزہ کا مہینہ رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن (اول اول) نازل ہوا جو لوگوں کا رہنما ہے اور (جس میں) ہدایت کی کھلی نشانیاں ہیں اور (جو حق و باطل کو) الگ الگ کرنے والا ہے۔ تو جو کوئی تم میں سے اس مہینے میں موجود ہو چاہئے کہ پورے مہینے کے روزے رکھے اور جو بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں (رکھ کر) اُن کا شمار پورا کرلے۔ خدا تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور سختی نہیں چاہتا اور (یہ آسانی کا حکم) اس لئے دیا گیا ہے کہ تم روزوں کا شمار پورا کرلو اور اس احسان کے بدلے کہ خدا نے تم کو ہدایت بخشی ہے تم اُس کو بزرگی سے یاد کرو اور اس کا شکر کرو۔ (سورۂ بقرہ آیت نمبر ۱۸۵)

روزوں کی راتوں میں تمہارے لئے اپنی عورتوں کے پاس جانا جائز کردیا گیا ہے وہ تمہاری پوشاک اور تم اُن کی پوشاک ہو، خدا کو معلوم ہے کہ تم (اُن کے پاس جانے سے) اپنے حق میں خیانت کرتے تھے سو اُس نے تم پر مہربانی کی اور تمہاری حرکات سے درگذر فرمائی اب تم کو اختیار ہے کہ اُن سے مباشرت کرو اور خدا نے جو چیز تمہارے لئے لکھ رکھی ہے (یعنی اولاد) اس کو (خدا سے) طلب کرو اور کھاؤ پیو یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری (رات کی سیاہ دھاری) سے الگ نظر آنے لگے پھر روزہ رکھ لو، رات تک پورا کرو اور جب تم مسجدوں میں اعتکاف میں بیٹھتے ہو تو اُن سے مباشرت نہ کرنا، یہ خدا کی حدیں ہیں، اُن کے پاس نہ جانا اس طرح خدا اپنی آیتیں لوگوں کو سمجھانے کے لئے کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ وہ پرہیزگار بنیں۔ (سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۸۷)

حدیث: (مشکوٰۃ شریف کتاب الصوم)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس وقت رمضان داخل ہوتا ہے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، ایک روایت میں جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، دوزخ کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں اور شیاطین قید کردیئے جاتے ہیں، ایک روایت ہے کہ رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ (متفق علیہ)

حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں آٹھ دروازے ہیں ایک دروازے کا نام ریّان ہے، اس سے صرف روزہ دار ہی داخل ہوں گے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص رمضان کے روزے ایمان کے ساتھ ثواب کی نیت سے رکھتا ہے اُس کے رمضان کے پہلے کے تمام گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں، جس شخص نے رمضان کی راتوں کا قیام ایمان کے ساتھ

ثواب کی نیت سے کیا اس کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں، جس نے لیلۃ القدر کا قیام ایمان کے ساتھ ثواب کی نیت سے کیا اس کے پہلے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ (متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہؓ سے رویت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن آدم جو نیک عمل کرتا ہے اس کو دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے، سات سو نیکیوں تک اللہ تعالیٰ نے فرمایا: روزے کے سوا کیونکہ وہ میرے لئے ہے میں اُس کا بدلہ دوں گا وہ اپنی شہوت اور اپنا کھانا میری وجہ سے چھوڑ دیتا ہے، روزہ دار کے لئے دو خوشی کے وقت ہیں، جب وہ روزہ افطار کرتا ہے اور جس وقت اپنے پروردگار سے ملاقات کرے گا اور روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی بُو سے زیادہ خوشتر ہے، روزے ڈھال ہیں جس دن تم میں سے کسی کا روزہ ہو فحش بات نہ کرے شور نہ مچائے اگر کوئی اس کو گالی دے یا اُس سے لڑے وہ کہے میں روزہ دار ہوں۔ (متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رمضان تمہارے پاس آیا وہ برکت والا مہینہ ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کے روزوں کو تم پر فرض کیا ہے، آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، دوزخ کے بند کر دیئے جاتے ہیں، سرکش شیاطین کو طوق پہنا دیا جاتا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی ایک رات ہے جس کی عبادت ہزار ماہ کی عبادت سے افضل ہے جو کوئی اس کی خیر سے محروم کر دیا گیا وہ ہر بھلائی سے محروم رہا۔ (احمد، نسائی)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: روزے اور قرآن بندے کے لیئے شفاعت کریں گے، روزے کہیں گے اے میرے پروردگار! میں نے اِس کو کھانے اور شہوات سے دن کو روکے رکھا اس میں میری سفارش قبول کر، قرآن کہے گا رات کو میں نے نیند سے اس کو روکے رکھا میری سفارش قبول کر، ان کی سفارش قبول کی جائے گی۔

(بیہقی)

سحری کھانے کا بیان

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سحری کھایا کرو، سحری کھانے میں برکت ہے۔

حضرت عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں کا فرق سحری کھانا ہے۔ (روایت کیا مسلم نے)

حضرت سہلؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگ اُس وقت تک بھلائی کے ساتھ رہیں گے جب تک کہ افطار میں جلدی کرتے رہے۔

حضرت عمر فاروقؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب رات اس جگہ سے آئے اور دن اس جگہ سے جائے اور سورج غروب ہو جائے پس اس وقت روزے دار کے لئے افطار کا وقت ہے۔ (متفق علیہ)

مزید تفصیلات کے لئے مشکوۃ شریف، بہارِ شریعت یا کسی بھی فقہ کی کتابوں سے معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔

حج

ہر مسلمان، عاقل و بالغ مرد اور عورت جس کے پاس ضرورت سے زیادہ سامان ہو کہ اوسط درجہ کی سواری سے جا کر حج کر سکتا ہو اُس پر عمر میں ایک بار حج کرنا فرض ہے، البتہ ایسا شخص جو اندھا، بیمار یا ضعیف ہو اُس پر حج فرض نہیں ہے، اگر چہ وہ مالدار بھی ہو، مگر ایسا شخص کسی دوسرے شخص کو جس نے پہلے اپنا حج کر لیا ہو حج بدل کرا سکتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حج مقبول کا بدلہ جنت ہے، حج اور عمرہ گناہوں کو اس طرح دور کر دیتے ہیں جس طرح بھٹی لوہے کو صاف کر دیتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جو شخص حج پر جانے کے

قابل ہواور وہ اگر حج نہ کرے تو وہ یہودی یا عیسائی ہو کر مرے گا اللہ تعالیٰ کو اُس کی پرواہ نہیں۔

حج کے ارکان ذوالحج کی ۸ تاریخ سے ۱۳ تاریخ تک ادا کیے جاتے ہیں، ۸ ذی الحج کی صبح مکہ شریف سے منیٰ جاتے ہیں اور وہاں ایک دن اور ایک رات قیام کرنے کے بعد ۹ ذوالحج کی صبح عرفات روانہ ہو جاتے ہیں اور وہاں پورا دن قیام کرنے کے بعد شام کو عرفات سے مزدلفہ (مشعر الحرام) جاتے ہیں یہاں مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک ساتھ ملا کر پڑھتے ہیں۔ ۱۰ ذوالحج کی صبح کو مزدلفہ سے واپس منیٰ آجاتے ہیں جہاں پہلے رمی کرتے ہیں اس کے بعد قربانی کرتے ہیں اس کے بعد سر منڈواتے ہیں یا بال ترشواتے ہیں، اس کے بعد احرام کھول دیتے ہیں پھر غسل کر کے مکہ شریف میں طواف الزیارت کعبہ کا کرتے ہیں پھر منیٰ واپس آکر ۱۱، ۱۲ ذوالحج تک قیام کرتے ہیں اور ہر روز رمی کرتے ہیں، (شیطانوں کو کنکریاں مارتے ہیں) اور ۱۲ ذوالحج کو غروب آفتاب سے پہلے منیٰ نہ چھوڑا تو پھر ۱۳ ذوالحج کو بھی قیام کرنا ضروری ہو جاتا ہے اس کے بعد واپس مکہ شریف آکر طواف الوداع کر کے اپنے گھروں کو واپس لوٹ جاتے ہیں۔

حج کے متعلق آیت قرآنی اور احادیث:

قرآن: اور خدا کی خوشنودی کے لئے حج اور عمرے کو پورا کرو اور اگر راستے میں روک لئے جاؤ تو جیسی قربانی میسر ہو (کردو) اور جب تک قربانی اپنے مقام تک نہ پہنچ جائے سر نہ منڈاؤ اور اگر کوئی تم میں بیمار ہو یا اُس کے سر میں کسی قسم کی تکلیف ہو تو اگر وہ سر مُنڈا لے تو اُس کے بدلے روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے پھر جب تکلیف دور ہو کر تم مطمئن ہو جاؤ تو جو (تم میں حج کے وقت تک عمرے سے فائدہ اُٹھانا چاہے وہ جتنی قربانی میسر ہو کرے اور جس کو قربانی نہ ملے وہ تین روزے ایام حج میں رکھے اور سات جب وہ واپس ہو، یہ پورے دس روزے ہوئے یہ حکم اُس شخص کے لئے ہے جس کے اہل وعیال مکے میں نہ رہتے ہوں اور خدا

سے ڈرتے رہو، اور جان رکھو کہ خدا سخت عذاب دینے والا ہے، حج کے مہینے (متعین ہیں جو) معلوم ہیں تو جو شخص ان مہینوں میں حج کی نیت کرے تو حج کے دنوں میں عورتوں سے اختلاط کرے نہ کوئی برا کام کرے اور نہ کسی سے جھگڑے اور نیک کام کرو گے وہ خدا کو معلوم ہو جائے گا۔ اور زادِ راہ (یعنی رستہ کا خرچہ) ساتھ لے کر جاؤ کیونکہ بہتر (فائدہ) زادِ راہ پرہیز گار ہے اور اے اہل عقل! مجھ سے ڈرتے رہو، اسکا تمہیں کچھ گناہ نہیں کہ حج کے دنوں میں (بذریعہ تجارت) اپنے پروردگار سے روزی طلب کرو اور جب عرفات سے واپس ہونے لگو تو مزدلفہ (مشعر الحرام) میں خدا کا ذکر کرو اور اس طرح ذکر کرو جس طرح اُس نے تم کو سکھایا اور اس سے بیشتر تم لوگ (ان طریقوں سے) ناواقف تھے (بقرہ نمبر ۱۹۶ تا ۱۹۸)

پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کرنے کے لئے مقرر کیا گیا تھا وہی ہے جو مکے میں ہے یہ بابرکت اور جہاں کے لئے موجب ہدایت۔ (آل عمران آیت نمبر ۹۶)

مؤمنو! کسی قدر شکار سے جن کو تم ہاتھوں اور نیزوں سے پکڑ سکو، خدا تمہاری آزمائش کرے گا (یعنی حالت احرام میں شکار کی ممانعت ہے) تا کہ معلوم کرے کہ اُس سے غائبانہ کون ڈرتا ہے تو جو اس کے بعد زیادتی کرے اس کے لئے دکھ دینے والا عذاب تیار ہے۔ مؤمنو! جب تم احرام کی حالت میں ہو تو شکار نہ مارنا اور جو تم میں سے جان بوجھ کر اُسے مارے تو اس کا بدلہ یہ ہے کہ اُسی طرح کا چارپایہ جسے تم میں دو معتبر شخص مقرر کر دیں قربانی (کرے اور یہ قربانی) کعبہ پہنچائی جائے یا کفارہ دے یعنی مسکینوں کو کھانا کھلائے یا اس کے برابر روزے رکھے تا کہ اپنے کام کی سزا کا مزہ چکھے اور جو پہلے ہو چکا ہے وہ خدا نے معاف کر دیا اور پھر دوبارہ وہ ایسا کام کرے گا تو خدا اُس سے انتقام لے گا اور خدا غالب اور انتقام لینے والا ہے، تمہارے لئے دریا کی چیزوں کا شکار اور اُن کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے یعنی تمہارے اور مسافروں کے فائدے کے لئے اور جنگل (کی چیزوں) کا شکار جب تک تم احرام کی حالت میں ہو تو تم پر حرام ہے۔ (سورہ مائدہ آیت نمبر

۹۴ تا ۹۶) اور لوگوں میں حج کے لئے ندا کردو کہ ہماری طرف پیدل اور دُبلے دُبلے اونٹوں پر جو دور دراز راستوں سے چلے آئے ہو (سوار ہوکر) چلے آئیں تا کہ اپنے فائدے کے کاموں کے لئے حاضر ہوں اور قربانی کے ایام معلوم میں چوپاؤں مویشی (کے ذبح کے وقت) جو خدا نے اُن کو دیئے ہیں اُن پر خدا کا نام لیں، اس میں سے تم خود بھی کھاؤ اور فقیر درماندہ کو بھی کھلاؤ، پھر چاہیئے کہ لوگ اپنا میل کچیل دور کریں اور نذریں پوری کریں اور خانہ قدیم (یعنی بیت اللہ) کا طواف کریں اور جو مال ہم نے اُن کو عطا کیا ہے اس میں سے (نیک کاموں) میں خرچ کرتے ہیں اور قربانی کے اونٹوں کو بھی ہم نے تمہارے لئے شعائر خدا مقرر کیا ہے، ان میں تمہارے لئے فائدے ہیں تو (قربانی کرنے کے وقت) قطار باندھ کر اُن پر خدا کا نام لو جب پہلو کے بل گر پڑیں ان میں سے کھاؤ اور قناعت سے بیٹھے رہنے والے اور سوال کرنے والوں کو بھی کھلاؤ اس طرح ہم نے اُن کو تمہارے زیر فرمان کر دیا ہے، تا کہ تم شکر کرو۔ (حج آیت نمبر ۲۷ تا ۲۹ اور ۳۶)

حدیث (مشکوٰۃ شریف، کتاب الحج)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا: اے لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا ہے پس تم حج کرو، ایک آدمی کہنے لگا اے اللہ کے رسول! کیا ہر سال فرض ہے؟ آپ چپ رہے اُس نے تین مرتبہ کہا، آپ نے فرمایا اگر میں ہاں کہہ دیتا تو حج واجب ہو جاتا اور اس کی طاقت نہ رکھتے پھر فرمایا: جب تک میں تم کو چھوڑوں تم مجھکو چھوڑو، پہلے لوگ اپنے نبیوں پر کثرت سے سوالات کرتے اور اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے جس وقت میں تم کو کسی کام کا حکم دوں جس قدر تم کو طاقت ہو کرو اور جس وقت تم کو کسی بات سے روکوں رُک جاؤ (روایت کیا مسلم نے)

انہی ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کون سا

عمل افضل ہے؟ فرمایا: اللہ اور اُس کے رسول کے ساتھ ایمان لانا، کہا گیا پھر کون سا؟ فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا، کہا گیا پھر کون سا؟ فرمایا مقبول حج۔

انہی ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کے لئے حج کرے اپنی عورت سے صحبت نہ کرے اور گناہ کا کام نہ کرے وہ لوٹ آتا ہے اور گناہوں سے اس طرح پاک ہوتا ہے، گویا اس کی ماں نے اس کو جنا ہے۔

انہی ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک درمیانی گناہوں کا کفارہ ہے اور حج مبرور کا بدلہ جنت ہے۔ (متفق علیہ)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روحاء میں ایک قافلے سے ملے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کون لوگ ہو؟ انہوں نے کہا ہم مسلمان ہیں، انہوں نے کہا آپ کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ کا رسول ہوں، ایک عورت نے ایک بچہ آپ کی طرف اُٹھایا اور کہا کیا اس کے لئے حج ہے؟ فرمایا: ہاں اور اس کا ثواب تیرے لئے ہے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے

انہی عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہا قبیلہ خثعم کی ایک عورت نے کہا اے اللہ کے رسول! اللہ کے حج نے جو فرض ہے اس کے بندوں پر میرے باپ کو پالیا ہے جو بوڑھا ہے جو سواری پر بھی نہیں بیٹھ سکتا (ٹھہر سکتا) کیا میں اُس کی طرف سے حج کروں؟ فرمایا: ہاں اور یہ واقعہ حجۃ الوداع کا ہے۔ (متفق علیہ)

انہی عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہا ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا میری بہن نے حج کی نذر مانی تھی اب وہ مرگئی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اس پر قرض ہوتا کیا اس کو ادا کرتا؟ اُس نے کہا ہاں، فرمایا: اللہ کے قرض کو ادا کر وہ ادا کرنے کا زیادہ حقدار ہے۔

انہی ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی آدمی کسی عورت کے ساتھ خلوت نہ کرے مگر اُس کے ساتھ محرم ہو، ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول! میں فلاں فلاں جنگ میں لکھ دیا گیا ہوں اور میری بیوی حج کے لئے نکلی ہے، آپ نے فرمایا: جاؤ اور اپنی بیوی کے ساتھ حج کرو۔ (متفق علیہ)

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد کرنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا: تمہارا جہاد حج ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی عورت ایک دن اور رات کی مسافت کا سفر نہ کرے مگر اس کے ساتھ محرم ہو۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھنے کے لئے جگہ مقرر فرمائی ہے، اہل مدینہ کے لئے ذوالحلیفہ، اہل شام کے لئے جحفہ، اہل نجد کے لئے قرنِ منازل، اہل یمن کے لئے یلملم، یہ اُن میں رہنے والے لوگوں کے لئے ہیں، اور ان لوگوں کے لئے ہیں جو اُن پر سے گذریں اور اُن میں رہنے والے نہ ہوں اس شخص کے لئے جو حج اور عمرہ کا ارادہ کرے، جو شخص ان کے اندر رہتا ہے اس کے لئے احرام باندھنے کی جگہ اُس کا گھر ہے اور اسی طرح اور اسی طرح، یہاں تک کہ اہل مکہ وہاں سے احرام باندھیں۔

حضرت جابرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا: اہل مدینہ کی احرام باندھنے کی جگہ ذوالحلیفہ ہے، اور دوسری راہ سے جحفہ ہے، اہل عراق کے احرام باندھنے کی جگہ ذات عرق ہے، اہل نجد کے احرام باندھنے کی جگہ قرن ہے، اور اہل یمن کی یلملم ہے۔ روایت کیا مسلم نے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار مرتبہ عمرہ کیا، تمام عمرے ذوالقعدہ میں کئے مگر وہ عمرہ جو آپ نے حج کے ساتھ کیا، ایک عمرہ حدیبیہ سے ذوقدہ میں،

دوسرا عمرہ آئندہ سال ذی قعدہ میں، ایک عمرہ جعرانہ سے جہاں حنین کی غنیمتیں تقسیم کیں، ذوالقعدہ میں اور ایک عمرہ حج کے ساتھ۔ (متفق علیہ)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص حج کرنے یا عمرہ کرنے یا جہاد کرنے کے لئے نکلا، پھر راستہ میں فوت ہوگیا اللہ تعالیٰ اس کے لئے حج کرنے والے عمرہ کرنے والے اور جہاد کرنے والے کا ثواب لکھ دیتا ہے۔ (روایت کیا بیہقی نے شعب الایمان میں)

احرام باندھنے اور تلبیہ کرنے کا بیان

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حج کے لئے احرام باندھنے سے پہلے خوشبو لگائی اور جب آپ احرام کھولتے، اس وقت طواف کرنے سے پہلے خوشبو لگائی ایسی خوشبو کہ اس میں مُشک ہوتا، گویا کہ میں خوشبو کی مہک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مانگ میں دیکھ رہی ہوں جبکہ آپ محروم ہوتے۔ (متفق علیہ)

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں عمرہ کا حج کی طرف فائدہ اُٹھالیا، آپ شروع ہوئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کا احرام باندھا پھر حج کا احرام باندھا۔ (متفق علیہ)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا جو کہ تلبیہ کہتے ہوئے لبیک پکار رہے تھے فرماتے حاضر ہوں میں اے اللہ! میں تیری خدمت میں حاضر ہوں، حاضر ہوں، حاضر ہوں، تیری خدمت میں تیرا کوئی شریک نہیں ہے، تیری خدمت میں حاضر ہوں، بے شک حمد اور نعمت تیرے لئے ہے اور بادشاہی تیری ہے تیرا کوئی شریک نہیں ان کلمات سے کوئی زائد کلمہ نہ کہتے تھے۔ (متفق علیہ)

انہی عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت اپنا پاؤں رکاب میں داخل کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اونٹنی اٹھاتی مسجد ذوالحلیفہ کے پاس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم لبیک پکارتے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہا حجۃ الوداع کے سال ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے، بعض ہم میں عمرہ کا احرام باندھنے والے تھے اور بعض حج اور عمرہ دونوں کا اور بعض نے صرف حج کا احرام باندھا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا احرام باندھا تھا، جس نے عمرہ کا احرام باندھا تھا وہ حلال ہو گیا، جس نے حج کا احرام باندھا تھا یا حج وعمرہ دونوں کا احرام باندھا تھا وہ حلال نہیں ہوئے یہاں تک کہ قربانی کا دن آ گیا۔ (متفق علیہ)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عرفات کا پورا پورا میدان موقف ہے، منیٰ پورا منحر اور مزدلفہ سارا موقف ہے، مکہ کی سب راہیں راہ اور منحر ہیں۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد اور دارمی نے۔

عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے روایت ہے بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’بہترین دُعا عرفات کے دن کی ہے اور بہترین کلمات جو میں نے اور پہلے انبیاء نے کئے ہیں یہ ہیں: نہیں کوئی معبود مگر اللہ تعالیٰ کے وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اس کے لئے ملک ہے اور اس کے لئے تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہا بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی دن ایسا نہیں جس دن اللہ تعالیٰ آگ سے زیادہ بندوں کو آزاد کرتا ہو۔ عرفات کے دن سے اللہ تعالیٰ بندوں کے قریب ہوتا ہے، پھر فرشتوں کے روبرو ان پر فخر کرتا ہے اور فرماتا ہے: یہ لوگ کیا ارادہ کرتے ہیں۔ روایت کیا مسلم نے (متفق علیہ)

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے قریش اور وہ لوگ جو دین میں ان کے تابع تھے

مزدلفہ میں ٹھہر جاتے اور قریش کا نام حمس رکھا جاتا تھا دوسرے تمام عرب عرفہ میں جا کر ٹھہرتے، جب اسلام آیا اللہ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ عرفات آئیں اور وہاں وقوف کریں پھر وہاں سے واپس لوٹیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: پھر تم لوٹو جہاں سے لوگ لوٹتے ہیں۔ (متفق علیہ)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب عرفہ کا دن ہوتا ہے اللہ تعالیٰ آسمان دنیا کی طرف اترتا ہے (نور) اور فرشتوں کے سامنے ان پر فخر کرتا ہے، فرماتا ہے: میرے بندوں کو دیکھو وہ پراگندہ، بال گرد آلود ہر دور کی راہ سے چلے آتے ہیں میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان کو بخش دیا ہے، پھر فرشتے کہیں گے اے رب! فلاں شخص گناہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور فلاں مرد اور فلاں عورت گناہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں نے ان کو معاف کر دیا، عرفہ کے دن کثرت سے لوگ آزاد کئے جاتے ہیں۔ (شرح السنّۃ)

زہد وتقویٰ

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہر چیز کی ایک خاص حد متعین ہے۔ دین اسلام کی حدود میں پرہیز گاری، تواضع، صبر وشکر، تقویٰ اور پرہیز گاری ان سب کی جڑ ہے۔ صبر دوزخ سے نجات کا باعث ہے اور شکر جنت کے حصول کا ذریعہ ہے۔ حضرت امام حسن بصریؒ مکہ معظّمہ گئے تو دیکھا کہ اولاد علیؓ میں سے ایک صاحبزادے خانہ کعبہ سے پشت لگائے لوگوں کو وعظ کر رہے ہیں۔ حضرت حسن بصریؒ وہاں رک گئے اور ان سے دریافت کیا: میاں صاحبزادے! دین کا ستون کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا ''تقویٰ'' پھر آپ نے دریافت کیا کہ دین کو تباہ کرنے والی چیز کیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا لالچ۔ یہ سن کر حضرت امام حسن بصریؒ کو حیرت ہوئی۔

حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ قیامت کے دن باری تعالیٰ کا قرب پانے والے اہل تقویٰ اور زہاد ہوں گے۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا ''ذرہ بھر پرہیز گاری اور تقویٰ ہزار روزے اور نماز سے بہتر ہے۔'' حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ حرام اور حلال واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان شبہات ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے۔ لہٰذا جس نے شبہات سے اجتناب کیا اس نے اپنا دین محفوظ کر لیا اور اپنی عزت بچالی اور جس نے ایسا نہیں کیا وہ حرام میں مبتلا ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مؤمن توقف کرنے والا ہے اور منافق عجلت کرنے والا ہوتا ہے، یعنی مؤمن سوچ سمجھ کر اس وقت کام کرتا ہے جبکہ شریعت کے مطابق اس کو پاتا ہے، اگر خلاف شریعت ہوتا ہے تو اس کو ترک کر دیتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم اتنی نمازیں پڑھ لو کہ کمان کی طرح خمیدہ ہو جاؤ اور اتنے روزے رکھ لو کہ تانت کی طرح

دبلے بن جاؤ تب بھی بغیر تقویٰ کے تم کو یہ عبادت کوئی نفع نہیں دے گی۔

حضرت ابراہیم بن ادھم بلخیؒ نے فرمایا کہ تقویٰ کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جو فرض ہے، دوسری وہ جو ڈر اور خوف سے ہو، غرض تقویٰ گناہوں سے بچنا ہے۔ خوف و ڈر کہ تقویٰ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کے شبہات سے بچنا یہ عوام — کی پرہیزگاری ہے اور خاصان خدا کا تقویٰ اور پرہیزگاری یہ ہے کہ ان چیزوں سے الگ رہنا جن میں خواہش (نفس) کا دخل ہے اور نفس کی لذت ورغبت کا شائبہ ہے۔ اور خاصان خدا میں مقربین کا تقویٰ یہ ہے کہ ماسوائے اللہ کی ذات کے ہر شئے سے منہ موڑے اور دنیا کی تمام لذات کو ترک کر دینا۔

حضرت یحییٰ معاذ رازیؒ کا قول ہے کہ تقویٰ دو قسم کا ہے: ایک ظاہری اور دوسرا باطنی، ظاہری تقویٰ یہ ہے کہ تیرا ارادہ اور ہر حرکت اللہ کے لئے ہو اور باطن کا تقویٰ یہ ہے کہ تیرے دل میں اللہ کے سوا کسی کا دخل نہ ہو، فرمایا کہ جو شخص تقویٰ کے دقائق اور باریکیوں پر نظر نہیں رکھتا اسے کچھ حاصل نہیں ہوتا، نہ خدا کی طرف سے اس کو کچھ عطا ہوتا ہے۔ متقی اور پرہیزگار کا تقویٰ یہ ہے حرام مال کا ذرہ بھی اپنے وجود میں نہ جانے دے اور مشتبہ چیزوں سے پرہیز کرے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بندہ حرام مال کھاتا ہے اور اسی مال سے صدقہ دیتا ہے تو اس کو کچھ اجر نہیں ملے گا اور نہ حرام مال کے خرچ میں برکت ہوتی ہے اور جو کچھ حرام مال وہ اپنے پیچھے چھوڑ جائے گا وہ اس کے لئے جہنم کے راستے کا توشہ ہوگا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ بدی کو بدی سے نہیں مٹاتا بلکہ بدی کو نیکی سے مٹاتا ہے۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے میرے بندو! میں نے تم پر جو فرض کیا ہے اسے بجالاؤ تا کہ تم لوگوں میں سب سے بڑے عابد بنو اور جن باتوں سے منع فرمایا ہے ان سے باز رہو تا کہ تم لوگوں میں زیادہ متقی بنو اور جتنا رزق میں نے تم کو دیا ہے اس پر قناعت

کروتا کہ تم لوگوں میں سب سے زیادہ غنی بن جاؤ۔

حضرت سلمان درانیؒ فرماتے ہیں کہ تقویٰ زہد کا پہلا درجہ ہے جس طرح قناعت رضا کی آخری منزل ہے۔ حضرت ابن الجلاؒ کا قول ہے کہ جس کی درویشی میں تقویٰ نہیں ہے وہ ظاہر میں حرام کھاتا ہے۔ حضرت یونس بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ تقویٰ ہر مشتبہ چیز سے گریز (بچ نکلنے) اور ہر آن اپنے نفس کے محاسبہ کرنے کا نام ہے۔

حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے اپنی مشہور تصنیف ''غنیۃ الطالبین'' میں تقویٰ کے شرائط بیان کئے ہیں۔ جب تک ان کو پورا نہ کرے تقویٰ حاصل نہیں ہوسکتا۔

(۱) غیبت سے زبان کو روکنا۔

(۲) بدگمانی سے پرہیز کرنا۔ فرمایا کہ بہت گمان کرنے سے بچو۔ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گمان سے پرہیز کرو گمان بڑی جھوٹی چیز ہے۔

(۳) ٹھٹھہ ماری سے اجتناب کرو۔

(۴) نامحرم سے آنکھیں بند رکھنا یعنی اپنی آنکھیں نیچی رکھے۔

(۵) بات چیت کرو تو سچ بولو۔

(۶) اللہ تعالیٰ کے احسان کو پہچاننا تاکہ مغرور نہ ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (بلکہ یہ تو اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تم کو مؤمن ہونے کی ہدایت کی)۔

(۷) راہ خدا میں مال کو خرچ کرنا۔ ناجائز راستہ میں خرچ نہ کرنا۔

(۸) دنیا میں عروج وغرور کا طالب نہ ہو۔

(۹) نماز پنجگانہ کی ان کے اوقات میں حفاظت کرنا (ادا کرنا)۔

(۱۰) سنت وجماعت پر قائم رہنا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یقیناً یہ میری سیدھی راہ ہے۔ تم اس پر چلو دوسری راہیں مت اختیار کرو ورنہ اللہ تعالیٰ کے سیدھے راستے سے بیٹھک جاؤ گے۔

تواضع

حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ تواضع کے بارے میں فرماتے ہیں کہ تواضع یہ ہے کہ بندہ اپنے کو دوسروں کے مقابلہ میں کمتر سمجھے، جو شخص بھی ملے اس کو اپنے مقابلہ میں افضل سمجھے اور یہ خیال کرے کہ شاید یہ اللہ کے نزدیک مجھ سے ہزار درجہ بہتر و بلند ہے۔ اپنے چھوٹوں کے بارے میں خیال کرے کہ انہوں نے خدا کی نافرمانی نہیں کی اور کیونکہ میری عمر زیادہ ہوگئی ہے، لہٰذا مجھ سے زیادہ گناہ سرزد ہوئے ہوں گے۔ جب اپنی عمر سے زیادہ لوگوں سے ملے تو یہ سمجھے کہ یہ عبادت وریاضت میں مجھ سے افضل ہوں گے۔ جب کسی عالم سے ملے تو خیال کرے یہ علم وفضل میں مجھ سے برتر ہوگا۔ اور جب کسی جاہل سے ملے تو یہ سمجھے کہ اس نے نادانی میں خدا کی نافرمانی کی اور میں علم رکھتے ہوئے بھی نافرمان ہوا۔

تواضع رحمت کا دروازہ ہے یہ تکبر کو یکسر ختم کردیتا ہے اور تکبر ہی تمام بُرائیوں کی جڑ ہے، اس طرح انسان گمراہ ہونے سے بچ جاتا ہے اور شیطان کا وار اس پر کارگر نہیں ہوتا۔ تواضع کے حامل انسان کا درجہ بلند ہوتا ہے، تواضع سے مرتبہ کی عظمت میں خود بخود استقامت پیدا ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اور مخلوق کی نگاہوں میں اس کی عزت کامل ہوجاتی ہے۔ یہ ایسی خصلت ہے کہ اس کو اختیار کرکے بندہ ان نیک لوگوں کا مرتبہ پاتا ہے جو خدا سے ہر حال میں راضی رہتے ہیں اور اس طرح ان کا تقویٰ کامل ہوجاتا ہے۔

(غنیۃ الطالبین حضرت عبدالقادر جیلانیؒ)

توکل

توکل کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''جس نے بھروسہ کیا اللہ پر اللہ اس کے

لئے کافی ہے۔'' ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اگر تم ایمان والے ہو تو اللہ ہی پر توکل کرو۔'' توکل کی تعریف یہ ہے کہ مؤمن اپنے تمام امور اللہ تعالیٰ کے سپرد کردے۔ بندہ جب یہ یقین کر لیتا ہے کہ اللہ نے جو قسمت میں لکھا ہے وہی اس کا نصیب ہے اور اس میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں تو اس کے دل کو سکون حاصل ہو جاتا ہے۔

توکل کے تین درجے ہیں: اول توکل، دوسرے کا نام تسلیم اور تیسرے کا نام تفویض ہے۔ متوکل اپنے رب کے وعدے سے مطمئن ہو کر سکون حاصل کر لیتا ہے۔ صاحب تسلیم اللہ کے علم کو اپنے لئے کافی سمجھتا ہے اور صاحب تفویض اللہ کے حکم پر ہر صورت خوش ہوتا ہے۔ حضرت سہل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ توکل کے معنی یہ ہیں کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ایسا ہو جائے جس طرح کوئی مردہ غسال کے سامنے ہوتا ہے، غسل دینے والا جدھر چاہتا ہے ادھر الٹ پلٹ کر دیتا ہے خود اس کو اپنے کسی عمل پر اختیار نہیں ہوتا، متوکل اس شخص کو کہتے ہیں جو نہ کسی سے سوال کرے نہ رد کرے اور نہ روکے، وہ یہی سمجھے کہ جو کچھ ہے وہ منجانب اللہ ہے، بعض اولیاء کرام کے خیال میں توکل اس کو کہتے ہیں کہ رزق کی خاطر بندہ اللہ کی نافرمانی نہ کرے اور اللہ تعالیٰ کے سوا اپنے لئے کوئی مددگار اور اپنے رزق کے لئے کوئی دوسرا خازن اور اپنے اعمال کے لئے دوسرا دیکھنے والا پسند نہ کرے۔

توکل کے بارے میں حضرت جنید بغدادیؒ کا ارشاد ہے کہ توکل یہ ہے کہ بندہ اپنی تدبیر کو خدا کی راہ میں فنا کر دے اور اللہ تعالیٰ سے جو بندہ کا ضامن ہے اور مددگار ہے راضی رہے۔ جیسا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اللہ کارسازی کے لئے کافی ہے۔'' جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو اپنے لئے کافی سمجھا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کی امداد کی پیش کش پر نظر ڈالنا بھی گوارا نہ کی۔

حکایت

حضرت نظام الدین محبوب الٰہیؒ توکل کے بارے میں ایک واقعہ بیان کرتے ہیں: ایک آدمی توکل حاصل کرنے کے لئے ایک متوکل کے پاس پہنچا اور کہنے لگا کہ حضور مجھے بھی توکل کرنا سکھادیں، ان متوکل بزرگ نے اس شخص سے کہا کہ میں توکل کی راہ کا ایک مسافر ہوں، ہاں میں یہ کرسکتا ہوں کہ جن بزرگ سے میں نے توکل کرنا سیکھا ہے ان کا پتا بتا دیتا ہوں۔ چنانچہ وہ شخص ان بزرگ کے بتائے ہوئے پتہ پر پہاڑوں اور ریگ زاروں کا سفر طے کرکے ایک ایسے سنگلاخ پہاڑوں کے سلسلے میں داخل ہوگیا جہاں دور دور تک نہ کوئی درخت نہ سبزہ نظر آتا تھا، یہ وہ جگہ تھی جہاں انسان کا گذر مشکل ہی سے ہوسکتا تھا۔ وہ چلتے چلتے ایک ایسے مقام پر پہنچا جہاں ایک غار میں بیٹھے ہوئے ایک بزرگ عبادت و ریاضت میں مصروف تھے۔ غار کے باہر ایک جھاڑی کے قریب ایک پانی کا چشمہ بھی تھا۔ توکل کا متلاشی بزرگ کے قریب پہنچا اور ان کو سلام کیا، بزرگ نے اشارے سے اس کو بیٹھنے کیلئے کہا، تھوڑی دیر کے بعد اس شخص نے دیکھا کہ ایک بہت بڑا تھال آسمان سے ان بزرگ کے سامنے اُترا جس پر کپڑا ڈھکا ہوا تھا، مغرب کا وقت ہوگیا تھا بزرگ نے فرمایا کہ آؤ میرے ساتھ روزہ افطار کرلو۔ اس نے دیکھا کہ دنیا کی تمام نعمتیں اس تھال میں موجود تھیں، بزرگ نے چند لقمہ کھائے، اس سے کہا کہ اچھی طرح کھاؤ پھر کھانے کے بعد نماز کے لئے کھڑے ہوگئے، اس نے بھی ان بزرگ کے ساتھ نماز ادا کی۔

اس شخص نے دیکھا کہ بزرگ کا ایک ہاتھ کٹا ہوا ہے وہ شخص یہ سب دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس بے آب و گیاہ ویران مقام پر یہ بزرگ عبادت کررہے ہیں اور عالم الغیب سے ان کے لئے یہ نعمتیں آرہی ہیں۔ جب بزرگ عبادت سے فارغ ہوئے تو اس شخص نے ان سے ہاتھ کٹنے کا سبب پوچھا، بزرگ نے ایک چیخ ماری اور رونے لگے پھر کہا کہ میں تو اس واقعہ کو بھول جانا چاہتا تھا لیکن تم نے مجھے دوبارہ یاد دلادی۔ پھر کہنے لگے کہ سن میرا یہ ہاتھ کیوں ٹوٹا؟ فرمانے لگے

کہ اے شخص! میں بھی تیری طرح توکل کے لئے مارا مارا پھرا، آخرکار میں نے توکل حاصل کرلیا اور میں اس بے آب وگیاہ ویران جگہ پر دنیا سے قطع تعلق کر کے عبادت وریاضت میں مصروف ہو گیا۔ مجھے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی چیز کی فکر نہ تھی، میں انتہائی بھوک میں بھی اللہ کو کافی سمجھتا تھا، میرے رب نے جب دیکھا کہ یہ متوکل میرے لئے اپنی جان دینے سے بھی دریغ نہیں کر رہا تو اس نے یہ نان ونعمت مجھے غیب سے دینا شروع کر دیئے، میرے رازق نے مجھے نظرانداز نہیں کیا، میں دنیا سے بالکل بے نیاز ہوکر اس کی عبادت میں کھو گیا۔ میرے مالک نے دنیا جہاں کا رزق میرے لئے مہیا کر دیا۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ میں چشمہ کے کنارے وضو کر رہا تھا، میں نے دیکھا کہ ایک تھیلا وہاں پڑا ہوا ہے، مجھے حیرت ہوئی کہ اس ویرانے میں کسی آدمی کا گذر مشکل ہی سے ہوسکتا ہے، یہ تھیلا کہاں سے آ گیا؟ مجھے تجسس ہوا کہ اس تھیلے کو کھول کر دیکھوں کہ اس میں کیا ہے، میں نے تھیلے کو کھول کر دیکھا تو اس میں بیش بہا موتی اور ہیرے چمک رہے تھے، ایک بہت بڑا عجیب وغریب ہیرا جو میں نے اس روئے زمین پر کبھی دیکھا نہ سنا عجب انداز سے لشکارے مار رہا تھا۔ میں نے اس آبدار ہیرے کو اپنے ہاتھ میں لے لیا، اس میں طرح طرح کی روشنیاں پھوٹ رہی تھیں، کچھ دیر تک میں اس ہیرے کی چمک میں کھو گیا، میرے دوست میرے رازق میرے مہربان اللہ تعالیٰ نے عالم الغیب سے ندا دی اور کہا: اے احسان فراموش! ایک پتھر کی محبت میں تو اتنی دیر تک مجھ سے غافل رہا، کیا یہی تیری دوستی اور کیا یہی تیرا عشق ہے؟

میں نے اس ہیرے کو فوراً دیکھا اور مجھ پر احساس وندامت اس حد تک طاری ہو گیا کہ میں نے غضب سے اپنے اس ہاتھ کو دیکھا جو غیر اللہ کی طرف بڑھا تھا، غصہ میں میں نے اپنے ہاتھ کو پتھر مار مار کر توڑ دیا اور اپنے جسم سے جدا کر دیا پھر میں بے ہوش ہو گیا۔ میرے مولیٰ نے میرے ہاتھ کے تمام زخم مندمل کرا دیئے اور اپنی رحمت سے مجھے صحت بخشی اور میری نافرمانی بھی معاف

کردی اور میرے دوست میرے آقا نے اس طرح سے میرے لئے نعمت کے دروازے کھلے رکھے اور جس طرح عالم الغیب سے مجھے وہ رزق دیتا تھا اسی طرح اب بھی دے رہا ہے۔ یہ کہتے ہوئے وہ بزرگ زاروقطار رو رہے تھے پھر وہ بزرگ اس شخص سے مخاطب ہوئے اور کہنے لگے کہ کیا تو میرے مولا کی رزاقی کا کمال دیکھنا چاہتا ہے؟ اٹھا ایک پتھر کہ جس میں کوئی سوراخ نہ ہو، اس شخص نے ایک پتھر اٹھایا جو بالکل گول تھا اس میں کوئی سوراخ نہ تھا۔ بزرگ فرمانے لگے اب اس پتھر کو توڑ دے، جب پتھر توڑا گیا تو اس میں سے ایک بھونگا جو پتھر کے اندر بیٹھا ہوا تھا اڑ کر چلا گیا، بزرگ فرمانے لگے دیکھا! تو نے میرا مولیٰ میرا پروردگار کیسا رزاق ہے کہ ایک بند پتھر میں ایک کیڑے کو رزق دے رہا ہے۔ یہی اس کی رزاقی کا کمال ہے۔ واللہ خیر الرازقین.

جب بندہ دنیا کے وسائل چھوڑ کر اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو اللہ بے شان و بے گمان اس کو رزق دیتا ہے جسے وہ سوچ بھی نہیں سکتا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اگر تم لوگ اللہ تعالیٰ پر پورا پورا توکل رکھو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو ضرور رزق دے گا جس طرح پرندوں کو دیتا ہے کہ وہ صبح کو بھوکے جاتے ہیں اور شام کو شکم سیر ہو کر لوٹتے ہیں۔''

حضرت ذوالنون مصریؒ نے توکل کی یہ تعریف بھی کی ہے کہ توکل حرص وہوس کو توڑ دینا ہے لیکن ظاہری کوشش تو وہ کسب ہے اور کسب سنت ہے، یہ قلبی توکل کے مانع نہیں ہے، جبکہ بندہ اپنے دل میں یہ بات راسخ کر لے کہ بلاشبہ تقدیر اللہ ہی کی طرف سے ہے اس لئے توکل کا مقام قلب ہی ہے، ایمان کو دل میں جما لینا ہی توکل ہے، جس نے کسب سے انکار کیا گویا اس نے سنت سے انکار کیا اور جس نے توکل کا انکار کیا گویا اس نے ایمان سے انکار کیا۔ پس جب اسباب سے کوئی چیز مشکل ہو جائے تو سمجھ لے کہ اس کا تعلق تقدیر الٰہی سے ہے اور جب کوئی چیز سہل ہو جائے تو تب بھی یہی سمجھے کہ وہ خدا ہی کے سہل کرنے سے سہل ہوئی ہے۔ للہذا تمام ظاہری قویٰ کو

اختیار کرنے میں کوشاں ہو کہ یہی حکم الٰہی ہے، ہاں باطن کو اللہ کے وعدہ سے مطمئن رکھے۔
(فوائد الفوائد۔علامہ علاء الحسن سلجی)

حُسنِ اَخلاق

اخلاق سے انسان کی پہچان ہوتی ہے اور ایمان کی پہچان بھی اخلاق ہی سے ہے۔
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا: ''یا رسول اللہ! کس مؤمن کا ایمان افضل ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ'' جس کا اخلاق اچھا ہو۔'' اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے بارے میں فرمایا: ''اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ'' (بلاشبہ آپ عظیم اخلاق پر فائز ہے)۔ دراصل حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اخلاق کی سب سے بلندی پر فائز کیا گیا اور ان کے اخلاق کو تمام دنیا کے لئے ایک معیار اور نمونہ بنا دیا گیا تاکہ اس کو دیکھ کر لوگ اپنے اخلاق کو سنواریں۔ جن لوگوں نے ان کے اخلاقِ حمیدہ کی پیروی کی وہ اعلیٰ اخلاق اور صفات کے حامل ہوئے اور دنیا میں بہت بلند مراتب پر فائز ہوئے۔

حسن اخلاق بندے کی تمام صفات میں افضل ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی جو تعریف اللہ نے فرمائی وہ اس لئے کہ آپ نے دونوں جہان بخش دیئے اور صرف اللہ ہی پر اکتفا کیا۔ خلق عظیم یہ ہے کہ کمال معرفت الٰہی کی بناء پر کسی سے جھگڑا نہ کیا جائے نہ کوئی اس سے جھگڑا کرے یعنی نہ کسی سے اپنا حق مانگے اور اس کی وجہ سے جھگڑا کرنا پڑے اور نہ ہی کسی کی حق تلفی کرے کہ اس کے باعث جھگڑا ہو۔

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ سے دریافت کیا گیا کہ آپ دنیا میں کبھی خوش بھی ہوئے؟ فرمایا کہ ہاں دو مرتبہ ایسا ہوا۔ پہلی مرتبہ تو اس وقت جبکہ میں بیٹھا ہوا تھا ایک کتا آیا اور مجھ پر پیشاب کر کے چلا گیا، دوسری مرتبہ اس وقت کہ جب بیٹھا ہوا تھا تو ایک آدمی آیا اور اس نے

میرے منہ پر طمانچہ مارا۔ روایت ہے کہ جب حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو لڑکے پتھر مارتے تو آپ ان سے کہتے تھے کہ اگر پتھر مارتے ہوتو چھوٹے چھوٹے پتھر مارو تاکہ میری پنڈلیاں بڑے پتھروں اور اینٹوں سے لہولہان نہ ہو جائیں اور میں نماز نہ پڑھ سکوں۔ حضرت ایوب علیہ السلام کو جب کوڑھ ہوگئی اور زخموں میں کیڑے پڑ گئے جب کوئی کیڑا زخم سے گر جاتا تو آپ اس کو اٹھا کر زخم پر رکھ دیتے تاکہ اس کو خوراک ملتی رہے۔ یہ تھا حسنِ اخلاق اور صبر جس کی وجہ سے وہ صبر کے اونچے درجے پر فائز ہوئے۔

شکر

شکر کی تعریف اہل تحقیق نے یہ بیان کی ہے کہ عاجزانہ طور پر منعم کی نعمتوں کا زبان سے دل سے اور اپنے عمل سے اعتراف کرنا۔ زبان اور دل کا اعتراف شکر تو ظاہر ہے لیکن عمل سے شکر ادا کرنے سے مراد یہ ہے کہ بندہ زیادہ سے زیادہ عبادت کر کے اپنے منعم یعنی اللہ کا زیادہ سے زیادہ ذکر کر کے اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرے۔ شکر کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لئن شکرتم لازیدنکم (اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہارے لئے نعمتیں اور زیادہ کر دوں گا)۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ سے عرض کیا کہ اے بارِالٰہی! میں تیرا شکر کیسے ادا کروں کیونکہ شکر بھی تو تیری ایک نعمت ہے جس کا میں شکر ادا کرتا ہوں؟ اس وقت وحی آئی کہ شکر پر جو تو نے شکر ادا کیا اس سے میرا شکر ادا ہوگیا۔ اولیاء کرام اور اللہ کے برگزیدہ بندے شکر پہ شکر ادا کرتے ہیں، شکر ادا کرنے کے لئے قیام کرتے ہیں، کثرت سے سجدے کرتے ہیں اور گریہ وزاری کرتے ہیں، ان کی آنکھیں شکر کے آنسوؤں سے کبھی خشک نہیں ہوتیں۔

روایت ہے کہ کسی نبی کا ایک پتھر کے پاس سے گذر ہوا، اس پتھر سے بڑی مقدار میں پانی جاری تھا، یہ بات دیکھ کر ان کو تعجب ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے پتھر کو قوت گویائی عطا کی، نبی نے اس

پتھر سے پانی نکلنے کی وجہ پوچھی، پتھر نے جواب دیا کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت وقودھا الناس و الحجارۃ (آدمی اور پتھر دوزخ کا ایندھن ہوں گے) نازل فرمائی ہے، میں خوف کے باعث روتا رہتا ہوں، یہ پانی میرے آنسو ہیں۔ نبی نے اللہ سے دعا کی الٰہی! اس پتھر کو دوزخ سے محفوظ رکھ۔ وحی آئی کہ ہم نے اس پتھر کو دوزخ سے نجات دی، اللہ کے نبی پھر وہاں سے رخصت ہو گئے۔ کافی دنوں کے بعد پھر ان کا گذر اسی پتھر کے پاس سے ہوا دیکھا کہ وہ پتھر رو رہا ہے اور اب پہلے سے بھی زیادہ پانی جاری ہے، اللہ نے پتھر کو گویائی عطا کی تو نبی نے پتھر سے پوچھا کہ ہم نے تیری مغفرت کی دعا کی تھی تو اللہ نے تیری بخشش کر دی پھر تو کیوں رو رہا ہے؟ پتھر نے کہا پہلے میں دوزخ کے خوف سے روتا تھا اب میں اللہ کا شکر ادا کر کے رو رہا ہوں۔

صبر

اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور حکم الٰہی کی بجا آوری میں بندہ کو کچھ تکلیف پہنچے اس پر اللہ کا شکوہ نہ کرنا اور ہر حال میں اللہ سے راضی رہنا اس کو صبر کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ''اے ایمان والو! صبر کرو اور صبر کراؤ اور ڈرو اللہ سے شاید اس سے تم کو رستگاری حاصل ہو جائے۔'' ایک اور جگہ فرمایا کہ ''تم صبر کرو، اللہ تعالیٰ کی مدد تمہارے ساتھ ہے۔''

اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو اس کو آزمائش میں ڈالتا ہے تو اس کو صبر بھی عطا فرماتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کے ہاں بندہ کے لئے ضرور ایک ایسا درجہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے عمل سے اپنے مجاہدات سے اس درجہ پر نہیں پہنچ سکتا۔ بندہ اللہ کی راہ میں جب بیماریاں اور تکلیفیں جھیلتا ہے اور اس کے باوجود وہ اللہ کی محبت میں غرق رہتا ہے تو اللہ اس کو یہ درجہ عطا کرتا ہے۔ مصیبتیں اور پریشانی اللہ کے دوست خندہ پیشانی سے جھیلتے ہیں اور اُف نہیں کرتے بلکہ شکر ادا کرتے ہیں کہ اللہ نے انہیں اس قابل سمجھا کہ وہ یہ مصیبتیں جھیل سکیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ کا ارشاد ہے کہ دنیا سے آخرت کی طرف جانا مؤمن کے لئے آسان ہے لیکن خدا کی راہ میں مخلوق کو چھوڑنا مشکل ہے اور نفس کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا سب سے مشکل ہے اور صبر مع اللہ مشکل ترین ہے۔ (یعنی اللہ کو دیکھ کر اس پر صبر کرنا)۔ ایک بار آپ سے صبر کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ "کسی انتہائی کڑوی چیز کا ایک ایک گھونٹ منہ بگاڑے بغیر پینا صبر ہے۔"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ صبر ایمان سے اس طرح وابستہ ہے جس طرح سر بدن سے لگا ہے۔ حضرت ذوالنون مصری فرماتے ہیں کہ میرے اللہ کی ناپسندیدہ چیزوں سے دور رہنے اور مصائب کے غموں کا گھونٹ گھونٹ پینا اور معاش کی تنگی کے باوجود بے نیازی کا اظہار کرنا صبر ہے۔ یعنی ہر مصیبت کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنے کا نام صبر ہے۔ اللہ تعالیٰ صابرین کے لئے ایک جگہ فرماتا ہے کہ اِنَّمَا یُوَفَّی الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ (صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب پورا پورا دیا جاتا ہے)۔

رضا

رضا کے بارے میں قرآن حکیم فرقان مجید میں ارشاد ہے کہ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ وَرَضُوْا عَنْهُ (اللہ ان مسلمانوں سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے)۔ دوسری جگہ اللہ نے فرمایا کہ ان کا رب ان کو اپنی رحمت اور رضامندی کی بشارت دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہر طرح سے راضی رہنا اور ہر حال میں اس کی عبادت و ریاضت کرتے ہوئے شکر بجالانا رضا کہلاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس کو یوں کہہ سکتے ہیں کہ رضا بہ رضائے الٰہی رہنا مؤمن کی رضا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اس شخص نے ایمان کا مزہ چکھ لیا جو اپنے رب کی ربوبیت سے راضی ہوگیا۔"

اللہ تعالیٰ نے مخلوق سے ان کی مصلحتیں پوشیدہ رکھی ہیں اور بندگی کے لئے مکلف بنایا ہے جس سے مراد اوامر کا پورا کرنا اور ممنوعات (نواہی) سے روکنا، مقدر کے آگے سر جھکانا اور قضائے الٰہی پر اپنے تمام منافع اور نقصانات میں راضی بر رضا رہنا، اللہ تعالیٰ نے انجام اور مصلحتوں کو اپنے اختیار میں رکھا ہے، پس بندہ کو چاہئے کہ ہمیشہ اپنے مولیٰ کی اطاعت کرتا رہے اور اس سے راضی رہے، جو کچھ خدا نے اس کے لئے مقسوم کر دیا ہے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ رضا ایک مقام ہے اور توکل کی آخری حد ہے، اس حد تک بندہ اپنی ریاضت سے پہنچ سکتا ہے۔ یہ ابتدائی رضا ہے جو کسبِ عبدیت کا ایک مقام ہے لیکن انتہائے رضا ایک حال ہے جو قابل کسب نہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندہ پر اپنا فضل ہے جو اس کو عطا کر دیتا ہے۔

حضرت ابو علی بقاقؒ فرماتے ہیں کہ رضا یہ نہیں کہ تکلیف کا احساس ہی بندہ نہ کرے بلکہ رضا یہ ہے کہ تقدیر پر اعتراض نہ کرے۔ کچھ مشائخ نے فرمایا کہ تقدیرِ خداوندی پر رضا اختیار کرنا خدا ترسی کا بہت بڑا ذریعہ ہے اور دنیا کی جنت یہ ہے کہ جس بندہ کو رضا سے نوازا گیا اس کو کامل فراخی حاصل ہوگئی اور قرب الٰہی سے سرفراز کیا گیا۔ حضرت رابعہ بصری رحمہا اللہ سے دریافت کیا گیا کہ بندہ تقدیر پر کب راضی ہوتا ہے؟ جواب دیا وہ مصیبت پر اس طرح خوش ہونے لگے جس طرح نعمت پر وہ خوش ہوتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا مانگی: ''الٰہی مجھے ایسا عمل بتا دیجئے کہ جس کے کرنے سے تو راضی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ تجھ میں اس کی طاقت نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سجدے میں گر پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ اے عمران کے بیٹے! میری رضا اس میں ہے کہ تو میری قضا پر راضی رہے۔

صدق

صدق کے لفظی معنی ہیں سچ اور صادق سچے کو کہتے ہیں۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ

کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔'' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بندہ سچ بولتا رہتا ہے اور سچ بولنے کا قصد کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ بارگاہِ الٰہی میں اس کو صدیق لکھ دیا جاتا ہے اور جب وہ ہمیشہ جھوٹ بولتا ہے تو اس کو کذاب لکھ لیا جاتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس وحی آئی کہ اے داؤد! جو مجھے اپنے باطن (یعنی دل میں) سچا جانے گا میں اس کو مخلوق کے اندر سچا کردوں گا۔ صدق ہر کام کا ستون ہے، ہر کام کی درستی اور تکمیل سچائی ہی سے ہوتی ہے، صدق نبوت سے دوسرے درجہ پر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ راست باز ہیں وہ پیغمبروں صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کے ساتھ ہیں۔ صدق کے بارے میں بعض کا قول ہے کہ سچائی ہلاکت کے مقام پر بھی کلمہ حق زبان سے نکالنے کا نام ہے، کسی نے کہا کہ اللہ کے لئے تکمیل عمل صدق ہے۔ سہل بن عبد اللہ نے کہا جو شخص اپنے نفس یا کسی دوسرے شخص کے بارے میں یاوہ گوئی کرتا ہے تو وہ صدق کی بو بھی نہیں سونگھ سکتا۔

حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ راستی اور سچائی تلوار ہے جس سے وار کیا جاتا ہے اور وہ رسی کو دو ٹکڑوں میں کاٹ دیتی ہے۔ لوگوں نے حضرت فتح موصلی سے صدق کے بارے میں پوچھا، آپ نے لوہار کی بھٹی میں جس میں آگ دہک رہی تھی ہاتھ ڈال کر دہکتا ہوا لوہا ہاتھ میں اٹھالیا اور اتنی دیر تک اپنے ہاتھ میں رکھا کہ وہ ٹھنڈا ہو گیا، اس وقت آپ نے فرمایا کہ یہ صدق ہے۔ حضرت حارث محاسبیؒ نے صادق کی نشانی بتائی ہے کہ اگر لوگوں کے دلوں سے اس کی قدر و منزلت بالکل جاتی رہے تو اصلاحِ قلب کے باعث وہ اس کی بالکل پرواہ نہیں کرتا اور چیونٹی برابر اپنے حسنِ عمل کی خبر لوگوں تک ہو جانا پسند نہیں کرتا اور جب اس کے اعمالِ بد کی خبر لوگوں کو ہو جائے تو اس کو بالکل گراں نہیں گذرتی، اگر ناگواری محسوس کرے گا تو اس امر کا ثبوت ہوگا کہ وہ لوگوں کی نظر میں اپنے اعمال سے زیادہ کچھ بننا چاہتا ہے۔

پیری مریدی

پیر کے لفظی معنی ہیں بزرگ اور مرید کے معنی ہیں مراد رکھنے والا اور مراد کیا ہے۔ اللہ تک پہنچنے کا علم۔ پیرومرشد ایک رہبر ہوتا ہے جو مریدوں کی اللہ تک پہنچنے میں راہنمائی کرتا ہے اور وہ راستہ بتاتا ہے جس پر چل کر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں پیرومرشد بندگان خدا کو ہدایت دیتا ہے۔ یہ بہت بڑی ذمہ داری کا کام ہے۔ پیرومرشد اس کام کے لئے جن بندوں کا انتخاب کرتا ہے انہیں خلیفہ کہتے ہیں یہ اپنے مرشد کی طرف سے رشد وہدایت پر مامور ہوتے ہیں۔ چونکہ خلیفہ اپنے مرشد کا جانشین ہوتا ہے لہذا اس میں وہ تمام خوبیاں موجود ہونا ضروری ہیں جو اس کے مرشد کامل میں پائی جاتی ہیں۔

کسی ہادی کا صاحب علم ہونا ضروری ہے۔ خلیفہ کو شریعت وطریقت کا پورا علم ہونا چاہئے ورنہ وہ اپنے مریدوں اور بندگان خدا کو ہدایت دینے کا اہل نہیں۔ ایک پیر یا خلیفہ کو ہدایت دینے کا جو شرف حاصل ہوتا ہے وہ دین کے لئے ہے تاکہ لوگ زیادہ سے زیادہ تعداد میں دین کی طرف رجوع کریں اور اشاعت اسلام کو فروغ حاصل ہو۔ کوئی پیر تبلیغ اس وقت کرسکتا ہے کہ جس کو دین اسلام کے بارے میں اور اس کے علم کے بارے میں مکمل طور پر آگاہی ہو۔

اور وہ جہانگیر عظیم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت اور طریقت سے پوری طرح واقف ہو اور اس پر مضبوطی کے ساتھ خود عمل پیرا ہو۔ جن راستوں اور جن طریقوں سے صحابہ کرام، اولیاء کرام اور سلف الصالحین نے تبلیغ کی وہی طریقہ اختیار کیا جائے۔

اشاعت اسلام اور تبلیغ سلسلہ کے لئے ضروری ہے کہ جو پیر مسند رشد وہدایت پر متمکن ہے وہ مکارم اخلاق کا پیکر ہو کیونکہ اچھا اخلاق تبلیغ کیلئے کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ ایک اچھے ہادی کیلئے ضروری ہے کہ اس میں حرص۔ لالچ۔ طمع اور ریاکاری نہیں ہونا چاہئے۔ چونکہ ہدایت خلوص دل کے

ساتھ بے لوث ہو کر دی جاتی ہے یہ ایک عبادت ہے اس میں ذاتی فائدہ اور روپے پیسے کا گذر نہیں خیالِ دنیا کو چھوڑ کر خیالِ یار میں محو ہو کر تبلیغ کی جاتی ہے ورنہ اس بات کا ڈر ہوتا ہے کہ کہیں شیطان اس کو دنیا کے مال و دولت اور غیر اللہ کی محبت میں مبتلا نہ کر دے ورنہ دوران تبلیغ خود بھی گمراہ ہوگا اور مخلوق خدا کو بھی گمراہ کرے گا۔

یاد رکھیں کہ ہدایت دینے کا کام اتنا آسان نہیں۔ ہدایت صرف وہی شخص دے سکتا ہے کہ جسنے اپنے مرشد کامل اور ایک اچھے ہادی سے صحیح تعلیم لی ہو اور وہ اپنے مرشد کامل کی محبت میں کسی حد تک فنا ہو۔ جو مرید فنافی شیخ نہیں ہوتے ان کے فنافی دنیا ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ ابلیس طرح طرح سے رنگ بدل کر انسان پر حملہ آور ہوتا ہے۔ وہ پیروں، خلیفاؤں اور سجادہ نشینوں کو غرور و تکبر میں مبتلا کر دیتا ہے۔ ظاہری شان وشوکت پر زور دیا جاتا ہے روحانیت بالکل ختم ہو جاتی ہے۔ خلفاء اور سجادہ نشین لوگ عرس کی تقریبات بڑی شان وشوکت سے مناتے ہیں لیکن دیکھا گیا ہے کہ زیادہ تر ان کا رجحان پیسہ کمانے کی طرف ہوتا ہے۔ بڑے بڑے اولیاء اللہ کے سجادہ نشین دنیا سے آلودہ نظر آتے ہیں۔

سلف الصالحین اور اولیاء کرام تبلیغ دین کی خاطر دنیا کے دور دراز علاقوں کا سفر کرتے تھے۔ علم کی دولت سے آراستہ پیراستہ ہوتے تھے۔

بڑے بڑے عالموں اور صوفیوں کی صحبت سے مستفیض ہوتے تھے اور ہر جگہ سے علم کی دولت سمیٹنے کے بعد اپنے پیر کامل کی صحبت وحضوری میں دن رات بسر کرتے تھے۔ تزکیہ نفس کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مجاہدات کے ذریعہ سلوک کی منزلیں طے کرتے تھے پھر مسند رشد وہدایت پر فائز ہوتے تھے اور مکارم اخلاق کی وہ تمام صفات جو ایک ہادی یا جہانگیر میں ہونا چاہئے ان سے وہ متصف ہوتے تھے۔ جملہ انسانی برائیوں سے ان کا دامن پاک وصاف ہوتا تھا۔ جب وہ صوفی یا صفا بن کر لوگوں کو ہدایت دیتے تھے تو مخلوق خدا خود بخود ان کی طرف مائل ہوتی تھی۔

حدیث قدسی کے قول کے مطابق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب بندہ کثرت ذکر سے میری محبت میں خود کو فنا کر دیتا ہے۔ ''اس کے ہاتھ میرے ہاتھ ہوتے ہیں اس کی زبان میری زبان اور اس کے کان میرے کان اور اس کی آنکھیں میری آنکھیں ہوتی ہیں'' جب کوئی صوفی عبادت وریاضت کے اس درجہ پر پہنچتا ہے تو وہ نفس مطمئنہ کا حامل ہو جاتا ہے۔ پھر مخلوق خدا خود بخود اس کی طرف کھنچنے لگتی ہے۔ جب وہ رشد ہدایت دیتا ہے تو لوگوں کے دلوں پر اس کی باتوں کا اثر ہوتا ہے۔ اور ایسا شخص جب غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دیتا ہے تو اس کی تبلیغ سے غیر مسلم ایمان لے آتے ہیں۔

کردار کی عظمت و پاکیزگی اور ایمان وایقان کی پختگی حق گوئی وصداقت یہ ایک ہادی کے لئے ضروری صفات ہیں جو اس کے اندر موجود ہونا چاہئے۔ ایسے اشخاص کہ جن کو خلافت واجازت دے کر مسند رشد وہدایت پر بٹھایا جاتا ہے ان میں نمود ونمائش طلب دنیا۔ ظاہری شان وشوکت کا خیال دل میں نہیں آنا چاہئے۔ ان کو چاہئے کہ وہ اپنے اندر شان بے نیازی پیدا کریں اور روپیہ پیسہ زمین مکان دوکان یا آستانہ کی طلب کی خواہشات کو دل سے نکال دیں۔ صرف اللہ کی محبت کو دل میں جاگزیں کرلیں۔ اور عطا کردہ علم کے ساتھ مخلوق خدا کی رہبری اور راہنمائی کریں۔

دراصل یہ رہبری اس بات کی ہے کہ ایک مرشد لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف جانے کا راستہ بتاتا ہے جس پر چل کر وہ خود اللہ کا تقرب حاصل کرتا ہے۔ وہی شخص کسی دوسرے شخص کی راہنمائی کرسکتا ہے کہ جو محفوظ راستے سے اللہ تک پہنچتا ہے۔ محفوظ راستہ دنیا کی تمام آلائشوں اور نفس کی بداعمالیوں سے پاک وصاف ہوتا ہے۔ اس راستہ میں کثرت ذکر، مجاہدات اور چلوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ نفس امارہ کو ذکر اور مجاہدات کی تلوار سے ختم کر کے نفس مطمئنہ پیدا کیا جاتا ہے۔

جو لوگ نفس مطمئنہ کے حامل ہو جاتے ہیں ان کو دنیا سے خوف آتا ہے ان کا تقویٰ اتنا بلند ہو جاتا ہے کہ وہ قدم اٹھانے سے پہلے یہ سوچتے ہیں کہ کہیں کوئی قدم غلط نہ پڑ جائے جوان کو

شیطان کی طرف موڑ دے۔ ایسے بندے اللہ کے خوف سے لرزہ براندم رہتے ہیں اور ہمیشہ شیطان کے اوچھے ہتھکنڈوں سے ہوشیار رہتے ہیں۔ شیطان کو اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہکانے اور گمراہ کرنے کی اجازت عطا فرمائی اسی طرح اس نے اپنے نیک بندوں کو اس کے وار سے بچنے کی توفیق عطا کی۔ شیطان ایک معمولی بندے سے لے کر اولیاء اللہ کو بہکانے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔لہٰذا اصاحبان طریقت کو اس سے ہوشیار رہنا چاہئے۔

اگر اللہ کا بندہ بننا ہے تو دنیاوی عیش وآرام۔ دولت ۔ مکان ۔ دوکان۔عزوجاہ۔ شہرت۔ اور روپے پیسے سے ڈرنا چاہئے کہ کہیں کوئی پیر ومرشد ہونے کے باوجود اس دنیا کی محبت میں مبتلا ہو کر گمراہ نہ ہو جائے۔اور جو گمراہ ہو گیا تو وہ کس طرح سے انسانوں کی راہبری کر سکتا کیونکہ وہ خود ہی گمراہ ہے۔ایسے دنیا دار پیروں کے مرید بھی دنیا دار ہوتے ہیں اور ان پر مکمل طور پر شیطان کا غلبہ ہوتا ہے۔ایسے پیر اپنے پیر ومرشد کا عرس بھی دھوم دھام سے کراتے ہیں۔ ذکر واذکار کی محفلیں بھی سجاتے ہیں اور ظاہری اتباع بھی کرتے ہیں لیکن وہ روحانیت کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے جبکہ اللہ تعالیٰ کی منزل تو بہت دور کی بات ہے۔

بہت سے لوگ پیری مریدی کو ایک نفع بخش کاروبار سمجھ کر اس کو اختیار کرتے ہیں۔ وہ کسی مشہور پیر طریقت کے مرید ہو جاتے ہیں اور بہت جلد ہی اس بات کے خواہاں ہوتے ہیں کہ پیران کو خلافت واجازت عطا کر دے۔ جب خلافت مل جاتی ہے تو تعویذ گنڈوں کی ایک دوکان سجا لیتے ہیں بہت سے جھنڈے بھی لگاتے ہیں۔ بزرگوں کی اور ان کے مزاروں کی تصاویر بھی لگاتے ہیں ہار پھول اگربتی لوبان کی خوشبو سے ماحول کو معطر کرتے ہیں کہ آنے والے لوگوں کو روحانی ماحول کا احساس ہو۔ اور یہ معلوم ہو کہ یہ ایک بہت بڑے اور کامل پیر آستانہ ہے۔ آستانہ کے باہر بڑے بڑے بورڈ بھی آویزاں ہوتے ہیں جن پر لکھا ہوتا ہے۔ پیر طریقت رہبر شریعت اعلیٰ حضرت فلاں فلاں وغیرہ جب یہ صوفی حضرات کوئی عرس کراتے ہیں دعوت نامے اور اشتہار

چھپواتے ہیں اس میں خود کو بھی اعلیٰ حضرت وغیرہ لکھواتے ہیں۔ اور یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ ان پیر صاحبان کے نام کے ساتھ چالیس پچاس سلسلوں کے نام لکھے ہوتے ہیں تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ یہ بہت بڑے پیر ہیں انکے پاس اتنی بہت سی خلافتیں ہیں۔

اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ لوگ تعویذ گنڈوں کے کاروبار میں، عملیات کا استعمال کرتے ہیں۔ اگر یہ عملیات علوی ہوں اور قرآن حکیم اور احادیث کے دائرہ میں ہوں تو جائز ہیں لیکن دیکھا گیا ہے کہ بہت سے پیر حضرات روپیہ پیسہ اور حصول دنیا کے لئے پیری مریدی کی آڑ میں سفلی عملیات کے عامل بن گئے ہیں۔ ظاہری بود باش سلسلہ عالیہ کے پیروں کی طرح نظر آتی ہے لیکن اندر سے کچھ اور ہی ہوتا ہے۔ ایسے پیروں میں ایسے حضرات بھی ہوتے ہیں کہ جنہیں علم نہیں ہوتا کہ کونسا عمل علوی ہے اور کونسا سفلی ہے وہ بس دنیا کے حصول کے لئے کرتے رہتے ہیں بعض لوگ دیدہ ودانستہ یہ عمل کرتے ہیں کیونکہ وہ پیر کامل کی تعلیمات سے ہٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایسے تمام پیروں اور خلیفاؤں سے التجا کرتا ہوں کہ خدارا اس دنیا کی مختصر سی زندگی کے لئے آپ لوگ شیطان کے کارندے نہ بنیں کیونکہ یہ تمام باتیں فقر ودرویشی اور شریعت اور طریقت کے خلاف ہے اور اس کا بہت سخت عذاب ہے۔ آپ لوگوں کے غلط اعمال وافعال کو دیکھ کر غیر مقلد لوگوں کو پیری مریدی اور فقر ودرویشی کے خلاف ثبوت فراہم ہوتا ہے اور وہ لوگ یکسر طریقت و پیری مریدی کو خلاف اسلام قرار دیتے ہیں جبکہ طریقت فقر ودرویشی اور پیری مریدی صحابہ کرام، صالحین اور اولیاء اللہ کا مسلک ہے۔

قارئین کرام پیری مریدی میں اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ لوگ ایک ہی وقت میں کئی پیروں سے بیعت ہوتے ہیں یہ بہت ہی غلط ہے اور طریقت کے خلاف ہے۔ اول تو بیعت سوچ سمجھ کر ہو اور جلدی نہ کرے وہ یہ دیکھے کہ جس پیر سے بیعت ہونا ہے وہ شریعت وطریقت پر پورا ہے اور اس کے عمل میں کوئی کھوٹ تو نہیں ہے۔ اکثر لوگ اپنی دنیاوی حاجات کے لئے کسی پیر سے بیعت

ہوتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ۔۔۔بس پیر ہی تمام دنیاوی کام کروادے گا۔ روپیہ پیسہ رزق نوکری چاکری مکان دوکان اور دنیا کی تمام آسائشین سب کا پیر ہی ٹھیکیدار ہے۔ ایسے نادان لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ حاجت روائی صرف اللہ کرتا ہے۔ اللہ کے علاوہ کوئی طاقت نہیں جو ایک ریت کے ذرہ کو بھی اپنی جگہ سے ہلا سکے۔

لَا حَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ.

انبیاء۔ اولیاء۔ صالحین سب اللہ کے آگے بے بس ہیں۔ اس کی مشیت میں کسی کا دخل نہیں۔ وہ مالک ومختار ہے۔

کیونکہ انبیاء اور اولیاء اللہ کے مقرب بندے ہوتے ہیں اس لئے جب یہ اللہ سے کسی بات کی یا کسی حاجت کی سفارش کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی سفارشات کو پورا کرتا ہے کیونکہ یہ اللہ کے محبوب اور چہیتے ہوتے ہیں اور ان ہی کے بارے میں اللہ اپنے کلام میں قرآن حکیم فرقان مجید میں فرماتا ہے کہ ان کو اپنے اور میرے درمیان وسیلہ بناؤ۔ اللہ سے ڈرنے اور وسیلہ بنانے کا حکم ہے۔ اس لئے لوگ اولیاء اللہ کو وسیلہ بناتے ہیں۔ چاہے اولیاء اللہ حیات ہوں یا انہوں نے دنیا سے پردہ فرمالیا ہو۔ ہر صورت میں وہ لوگوں کی حاجت روائی کے لئے اللہ سے دعا کر سکتے ہیں۔ اگر خلوص دل سے کوئی توبہ کرے تو ان کی بخشش کے لئے حضور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے دعاء کرسکتے ہیں۔

اکثر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ ایک پیر سے بیعت ہونے کے باوجود لوگ بہت پیروں سے طالب المرید ہوجاتے ہیں حالانکہ اگر انہوں نے ایک ہاتھ پکڑ لیا ہے تو دوسرے ہاتھوں کی طرف نظر نہیں کرنا چاہئے۔ جب انسان کسی پیر سے بیعت ہوتا ہے تو جب تک وہ اپنے اعمال وافعال کو پیر کے حوالے نہیں کر دیتا کچھ حاصل نہیں کرسکتا اس کے لئے پیر ومرشد سے لگاؤ اور ان کا عشق ضروری ہے۔ نادان لوگ جب بہت سے پیروں سے طالب ہوتے ہیں تو ان سے خلافت حاصل

کرتے ہیں اور بڑے بڑے خلافت نامہ لے کر اپنے آستانہ میں آویزاں کردیتے ہیں تاکہ ظاہری شان وشوکت نمایاں ہوں اور لوگ یہ سمجھیں کہ انہوں نے بڑے بڑے پیروں کی خدمت کر کے یہ خلافت نامے حاصل کئے ہیں۔ایسے نادان اور کم علم پیروں کو معلوم ہونا چاہئے کہ جب تک کوئی مرید فنافی شیخ نہیں ہوجاتا وہ اپنے پیر جیسا نہیں بن سکتا اور فنایت صرف ایک ہی پیر کی حاصل ہوتی ہے ستر پیروں کی نہیں۔طریقت میں صرف تین طرح کی فنا ہے۔فنافی شیخ۔فنافی الرسول۔فنافی اللہ۔جب مرید فنافی شیخ ہوجاتا ہے تو فنافی رسول اور فنافی اللہ خود بخود ہوجاتا ہے۔مرید اپنے شیخ کی فنایت حاصل کرنے کے بعد وہی ہوجاتا ہے جو شیخ ہوتا ہے۔

بہت سے مشائخین کے اور اولیاء کی صحبت میں ضرور بیٹھے اور ان سے علم بھی حاصل کرے لیکن اس کا ہاتھ اپنے مرشد کے ہاتھ کو مظبوطی سے پکڑے اور اس کا دل اپنے مرشد کے دل سے جڑا رہے۔تاریخ عالم میں مشائخین نے اپنے دور کے بہت سے مشائخین کی صحبت اختیار کی اور ان سے علم حاصل کیا۔حضرت غوث الاعظم نے مرید ہونے سے پہلے بہت سے علماء اور اولیاء سے علم حاصل کیا اور بعد میں اپنے پیر ومرشد حضرت ابو سعید مخزومی کی صحبت اختیار کی اور ان کی حضوری میں حاضر رہ کر خدمت کی۔

حضرت بابا فرید گنج شکر نے اپنے مرشد حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کی اجازت اور حکم سے مشرق سے لے کر مغرب تک سفر کیا اور بہت سے اولیاء اللہ کی صحبت سے فیض یاب ہوئے پھر مرشد کے پاس تشریف لائے علم حاصل کرنے کے لئے حدیث شریف ہے کہ اگر طلب علم کے لئے چین بھی جانا پڑے تو اس سے دریغ مت کرو۔علم دو قسم کا ہوتا ہے۔علم کسبی اور دوسرا علم علم وہبی۔

علم کا بہت اونچا مقام ہے۔علم کسبی لوگوں سے اور کتابوں سے حاصل کیا جاتا ہے اور علم وہبی خاصان خدا کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک انعام ہوتا ہے۔بہت سے اولیاء کرام کو علم وہبی

عطا ہوا تھا۔حضرت غوث الاعظمؒ اپنی ماں کے پیٹ سے آدھے قرآن کے حافظ پیدا ہوئے۔پھر ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنا علم عطا کیا۔حضرت رابعہ بصریؒ نے کسی مدرسے سے تعلیم حاصل نہیں کی اس کے باوجود وہ اتنی بڑی عالم تھیں کہ اولیاء عظام ان کی صحبت میں حاضر ہو کر ان سے دین کا علم حاصل کرتے تھے۔ان کو اللہ تعالیٰ نے احد سے زیادہ عبادت وریاضت خوفِ الٰہی ورکوع وسجود گریہ وزاری اور تقویٰ کی بنا پر اپنا علم عطا کیا۔اور نادر روزگار ولی اللہ بنا دیا جن کی نگاہ کرم چوروں اور ڈاکوؤں پر پڑی تو وہ قطب بن گئے۔یہ اللہ تعالیٰ ہی کا علم تھا کہ حضرت غوث الاعظم کی ایک پکار پر قبر سے مردے اٹھ کر کھڑے ہو جاتے تھے۔اللہ کے محبوبوں کے عجب ناز وانداز تھے۔

آج کل کے زمانے کی پیری مریدی میں بہت سی خامیاں اور خرابیاں موجود ہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ اگر کوئی پیر ومرشد وصال کر جاتا ہے تو اس کے خلفاء حضرات میں انا پرستی اور بڑائی کی ایک سرد جنگ چھڑ جاتی ہے۔خلیفہ اپنے کو یہ سمجھتا ہے کہ میں ہی اپنے پیر کا سب سے بڑا خلیفہ ہوں لہذا سب لوگوں کو میری تعظیم کرنی چاہیے۔خود نمائی اور جھوٹی شہرت ان میں غرور وتکبر کی خرابیاں پیدا کر دیتی ہے۔اگر وصال شدہ پیر نے اپنا کوئی جانشین نامزد نہیں کیا تو پھر ان خلفاء حضرات میں کھینچا تانی شروع ہو جاتی ہے۔بعض مرتبہ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ پیر موصوف نے اپنا کوئی جانشین نہیں بنایا یا مجبوراً اپنی کسی نااہل اولاد کو سجادہ نشین نامزد کر کے اس کے ساتھ خلفاء حضرات کی ایک کمیٹی بنا دی کہ وہ خانقاہ ہی نظام کی نگہداشت اچھے طریقے سے انجام دے سکیں۔ جن کی انجام دہی سے سجادہ نشین قاصر ہے۔کیونکہ ایسے سجادہ نشین میں انتظامی امور کی صلاحیت نہیں ہوتی تو ان کی تعلیم خلفاء حضرات کرتے ہیں،بعض مرتبہ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ خلفاء حضرات آپس میں انا پرستی کا شکار ہو جاتے ہیں،ایسے خلفاء حضرات اور سجادہ نشینوں کو چاہیے کہ وہ آپس میں محبت کے ساتھ بھائی چارہ قائم کریں اور اپنی انا پرستی کو مجاہدات کے ذریعہ ختم کر کے تواضع اختیار کریں تاکہ پیر ومرشد کی گدی بدنام نہ ہو اور سلسلہ عالیہ کو فروغ حاصل ہو۔

خلفاء حضرات کی آپس کی چپقلش کی وجہ سے وصال شدہ پیرو مرشد کی تمام محنت ضائع ہو جاتی ہے اور سلسلہ عالیہ بدنام ہو جاتا ہے۔ اگر خلفاء حضرات آپس میں محبت کریں اور اپنی انا پرستی چھوڑ کر ایک دوسرے کا احترام کریں اور متحد ہو جائیں تو سلسلہ میں چار چاند لگ جاتے ہیں۔ راہ سلوک میں فقر درویشی میں جتنی عاجزی اور سادگی ہوگی اتنا ہی خلفاء حضرات کی عزت واحترام لوگوں کے دلوں میں قائم ہوگا۔ خلفائے حضرات کو چاہئے کہ تواضع اختیار کریں۔

حضرت غوث الاعظمؒ تواضع کے بارے میں فرماتے ہیں کہ تواضع یہ ہے کہ بندہ اپنے کو دوسروں سے کمتر سمجھے۔ تواضع رحمت کا دروازہ ہے یہ تکبر کو یکسر ختم کر دیتا ہے۔ خودنمائی اور جھوٹی شہرت سے بچا جائے اور اپنی بڑائی ظاہر کرنے سے کوئی اللہ کا مقرب نہیں بن سکتا۔ اللہ کا مقرب وہ ہے جس کا تقویٰ بلند ہو اور وہ ان تمام خرابیوں سے پاک ہو۔

طریقت کو سمجھنے والے پیر صاحبان جب یہ دیکھتے ہیں کہ ان کی اولاد یا ان کے خلفاء حضرات میں کوئی بھی شخص سجادہ نشینی کا اہل نہیں تو اپنی گدی خالی چھوڑ جاتے ہیں اور اللہ سے طالبِ دعاء ہوتے ہیں کہ آگے آنے والی ان کی آل میں یا خلفاء میں کوئی ایسا شخص پیدا ہو جائے جو صفات جہانگیری سے متصف ہو اور وہ اللہ کے حکم سے گدی سنبھال لے اور اس پر سب لوگ متفق ہو جائیں۔

سلسلہ عالیہ جہانگیریہ کے مشہور بزرگ جہانگیر ثانی حضرت فخر العارفین شاہ عبدالحیؒ اپنے وصال سے پہلے جب دیکھا کہ خاندان میں کوئی بھی شخص سجادہ نشینی کے قابل نہیں تو آپ نے خاندان والوں کو وصیت کر دی اور پیش گوئی بھی فرما دی کہ ہمارے لڑکوں میں اس لڑکے کی عمر جب بیس سال کی ہو جائے گی تو اس میں ہمارے تمام اوصاف خو بو طور طریقے۔ چال چلن۔ طرز روش پیدا ہو جائیں گے۔ اس وقت آپ لوگ اس کو ہماری گدی پر بٹھا دیں۔ چنانچہ آپ کے تمام لڑکوں میں حضرت شمس العارفین طٰحہٰ میاں کی عمر جب بیس سال کی ہوگئی تو آپ میں وہ تمام

اوصاف پیدا ہو گئے جن کے بارے میں حضرت فخر العارفین نے فرمایا تھالہذا خاندان کے بزرگوں نے آپکو مسند سجادہ پر بٹھادیا۔

بعض مرتبہ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بزرگوں کی گدیوں پر سجادہ نشینی کے سلسلہ میں تنازعات اس حد تک بڑھ جاتے ہیں کہ جنگ کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسے سجادگی کے دعویدار لوگ شریعت وطریقت سے بالکل نابلد ہوتے ہیں وہ صرف گدی کو اپنی میراث سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ طریقت سے بہت دور ہٹ جاتے ہیں پیری مریدی کے اصل مقصد کو بھول جاتے ہیں اور شیطان ان کو آسانی کے ساتھ گمراہ کر دیتا ہے۔ راہ سلوک پر چلنے والے لوگوں کو یہ سمجھنا چاہئے کہ اگر ان میں متذکرہ بالا خرابیاں پیدا ہو جائیں تو وہ کسی بھی طرح سے لوگوں کی راہنمائی نہیں کر سکتے۔ خدا کی طرف جانے والا راستہ ان تمام خرابیوں سے پاک وصاف ہوتا ہے۔ بغض۔ حسد، عداوت انسان کو اس طرح سے کھا جاتا ہے جیسے دیمک لکڑی کو کھا جاتی ہے۔ اور جس دل میں یہ خرابیاں موجود ہوں اس دل میں پیر کی یا رسول اور اللہ کی محبت کیسے پیدا ہو سکتی ہے۔

لہذا طالبان طریقت کو اپنی اصلاح کرنا چاہئے اور یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ پیری فقیری اپنی ذات کے لئے نہیں ہے بلکہ یہ خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ طالبان سلوک مرید وخلفاء اور راہ طریقت کے تمام مسافر اپنے اندر صفات جہانگیری پیدا کریں۔ اور اپنے نفس امارہ کو مار کر نفس مطمئنہ کے حامل ہو جائیں۔

بعض دفعہ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اگر کوئی پیر ومرشد وصال کر جاتا ہے اور وصال سے پہلے اپنی زندگی میں کسی شخص کو گدی کا سجادہ بنانے کے بجائے اپنے کسی مرید کو خلیفہ خاص بنا کر اپنی گدی کا منتظم بنا دیتا ہے تا کہ تمام تقریبات عرس وغیرہ کو وہ کرواتا رہے۔ کیونکہ جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ اس کے خلفاء میں یا اولاد یا رشتہ داروں میں کوئی اس قابل نہیں کہ جس کو سجادہ نشین بنایا جائے تو اس صورت میں وہ گدی کو خالی چھوڑ جاتا ہے۔ اس پیر کے خلفاء حضرات اور مریدین

اپنے پیر کے فیصلے کو دل سے قبول نہیں کرتے اور اس شخص کو جس کو پیر نے خلیفہ خاص بنایا ہے وہ نہیں مانتے اس طرح وہ اپنے پیر کی صریحاً خلاف ورزی کرتے ہیں۔ پیر کی حکم عدولی کرنے والے مرید اور خلفائے حضرات پیر کی مریدی سے خود بخود خارج ہو جائیں گے۔

آداب طریقت میں یہ ہے کہ جو مرید پیر کے حکم کو یا کسی فیصلہ کو نہیں مانتا وہ راندہ درگاہ ہو جاتا ہے اور ایسا خلیفہ اگر پیری مریدی کر رہا ہو تو اپنے پیر کی حکم عدولی کے بعد اس کی پیری مریدی جائز نہیں ہوگی وہ شخص راندہ درگاہ ہو کر مردود ہو جائے گا کیونکہ ابلیس نے بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کی تھی اس لئے وہ مردود ہو گیا۔

اکثر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ پیر کے وصال کے بعد بعض مریدین اور خلفاء حضرات اپنے پیر کے مزار شریف پر فاتحہ خوانی کے لئے نہیں آتے اور وہ شاید اپنی کم علمی کی وجہ سے یہ سمجھتے ہیں کہ پیر مر گیا قبر تو مٹی کا ڈھیر ہے اور اب یہاں آنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ پیر کامل کبھی نہیں مرتا وہ دنیا سے پردہ کر لیتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا تھا اور اللہ سے جا کر مل گیا۔ روح امر ربی ہے یہ کبھی نہیں مرتی۔ اور اولیاء اللہ کے جسم کو کبھی مٹی نہیں کھاتی۔ یہ ان کے لئے ایک انعام ہوتا ہے۔ اللہ سے ملنے کے بعد روح کی طاقت پرواز اور بڑھ جاتی ہے۔

اولیاء اللہ واہب العطایا ہوتے ہیں ان کی روح کو تصرف حاصل ہوتا ہے وہ دیکھتے بھی ہیں اور سنتے بھی ہیں اور عالم رویاء میں دنیا میں رہنے والے کسی انسان سے کلام بھی کر سکتے ہیں۔ ان کی یہ طاقت وہبی ہوتی ہے ان پر اللہ تعالیٰ کا بڑا کرم ہوتا ہے۔

بعض مریدین اور خلفاء حضرات بزرگ موصوف کے مزار کے منتظم سجادہ نشین یا خلیفہ خاص سے بغض رکھتے ہیں اور ان کی مخالفت میں وہ اپنے پیر کے مزار شریف پر فاتحہ خوانی کے لئے نہیں آتے وہ اپنی ذاتی رنجش کی وجہ سے اپنے پیر سے بہت دور ہٹ جاتے ہیں ان کو معلوم ہونا

چاہئے کہ ان کا تعلق اپنے پیر کی ذات سے ہے لہذا وہ اپنے پیر کے مزار شریف پر حاضری دینے کے لئے آتے ہیں۔ کیونکہ پیر کے مزار پر حاضری دینے سے مرید کے درجات بلند ہوتے ہیں اور پیر کے تصرف سے اس مرید کے درجات میں اضافہ ہوتا ہے۔ جو مرید اپنے پیر سے دل وجان سے محبت کرتے ہیں ان کے درجات ہمیشہ بڑھتے رہتے ہیں اور ان کو اپنے پیر کی فنائیت حاصل ہوتی ہے۔

بعض سجادہ نشین اور مزار شریف کے منتظمین یا خاص خلفاء حضرات صاحب مزار بزرگ کے مریدین کے ساتھ اخلاق سے پیش نہیں آتے ان کے غلط رویہ کی وجہ سے مزار شریف پر مریدوں کی اور خلقت کی آمد کم ہونے لگتی ہے۔ ایسے سجادہ نشین۔ خلفاء خاص اور منتظمین کو چاہئے کہ وہ مزار شریف پر آنے والے تمام حضرات سے اچھے اخلاق اور محبت کے ساتھ پیش آئیں اور اپنے اندر جہانگیری صفات پیدا کریں۔ درگذر اور صلہ رحمی اور تواضع اختیار کریں تا کہ ان کے اچھے اخلاق کی وجہ سے دربار شریف کی رونقیں زیادہ سے زیادہ بلند وبالا ہو جائیں۔ اور ان کے اخلاق حسنیٰ کی وجہ سے سلسلہ عالیہ کو فروغ حاصل ہو۔ سجادہ نشینوں اور خلفاء خاص حضرات سے دست بستہ عرض ہے کہ تمام روٹھے ہوئے مریدوں اور خلیفاؤں کو گلے لگائیں اور اپنی سجادہ نشینی کو ایک طرف رکھ کر وہ ہر کس وناکس سے محبت اور انکساری کے ساتھ ملیں۔ اس عمل سے ان کے درجات میں اضافہ ہوگا اور لوگ خود بخود ان کے آگے جھکیں گے۔ اور ان کی عزت کریں گے۔

آج کل کے زمانے میں یہ دیکھا گیا ہے کہ بعض پیر حضرات جب تصوف وطریقت پر کتابیں لکھتے ہیں تو وہ اپنے آپ کو القاب وآداب کے ساتھ پیر طریقت رہبر شریعت اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں جس سے خود نمائی اور اپنی ستائش مقصود ہوتی ہے۔ اپنے لئے القاب وآداب لکھ کر خود فریبی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ اعلیٰ حضرت تو ان کے پیر ومرشد تھے اور وہ صرف خاکِ پائے مرشد ہیں اس سے زیادہ اپنے کو کچھ نہ سمجھنا چاہئے۔ تواضع۔ انکساری۔ خاکساری اور خلق سے کام لینا چاہئے۔ ہاں اگر مصنف پیر طریقت ہیں اور

ان کا وصال ہو جاتا ہے تو ان کے مریدوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے پیر و مرشد کی شان میں کچھ لکھیں۔ مرید اپنے پیر کے لئے القاب و آداب لکھ سکتا ہے اس سے کسی کو انکار نہیں۔ جو اپنے پیر و مرشد سے محبت کرتے ہیں وہ ہمیشہ جھکے رہتے ہیں۔ خلق سے نہایت انکساری اور خاکساری کے ساتھ پیش آتے ہیں جب وہ مخلوق خدا سے جھک کر ملتے ہیں تو ان کا غرور و تکبر ختم ہو جاتا ہے یہی چیز ان کو مخلوق میں ہر دل عزیز بنا دیتی ہے۔ مخلوق خدا ان کی دل سے عزت کرتی ہے اور ان عقیدت و محبت اور احترام سے ان کے سامنے جھک جاتی ہے۔

ایسے تمام خلفاء اور پیروں سے گذارش ہے کہ خدارا آپ لوگ اپنا محاسبہ کریں کہ کہیں یہ خرافات آپ میں نہ پیدا ہوں۔ یہ خادمِ طریقت دل سے دُعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ لوگوں کو راہِ طریقت کے ان خرابات سے محفوظ رکھے تا کہ ہم اور آپ صحیح طریقے سے اپنے مریدوں کو رشد و ہدایت دے سکیں۔ اور اپنے اعمال و افعال میں اپنے پیر و مرشد کی صحیح طریقہ سے پیروی کر سکیں۔

اکثر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بعض موقعوں پر یا عرس کے موقع پر مریدین یا خلفاء حضرات جب آپس میں ملتے ہیں تو اس بات کے خواہاں ہوتے ہیں کہ دوسرے پیر بھائی یا صوفی صاحبان ان کو پہلے سلام کریں اور وہ اس انتظار میں ہوتے ہیں کہ ان کے پیر بھائی آکر ان سے جھک کر ملیں اور ان کی دست بوسی کریں۔ یاد رکھیں اس طرح کے حصول عزت کی خواہش انسان کو اللہ کی نظر میں بے عزت کر دیتی ہیں۔ کیونکہ دلوں کی ہر بات کا جاننے والا ہے اس سے کسی کی بات پوشیدہ نہیں۔ سلام کرنے میں پہل کرنا چاہئے یہ شریعت کا حکم ہے سلام کے جواب میں آپ پر بھی سلامتی بھیجی جاتی ہے۔ لہذا جب آپ اپنے پیر بھائیوں یا دوسرے اشخاص سے ملیں تو ان کو سلام کے بعد ان سے معانقہ کریں اور عاجزی وانکساری کے ساتھ پیش آئے چاہے آپ کے کتنے ہی مرید کیوں نہ ہو۔ آپ اپنے پیر بھائی سے ایسے ملیں جیسے سگے بھائی سے ملتے ہیں۔

قارئین کرام خصوصاً طریقت سے وابستہ لوگوں سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ جو باتیں تحریر کی گئی ہیں ان سے آپ ناراض نہ ہوں یہ وہ نقائص ہیں کہ جن سے ہم اور آپ بچنے کی کوشش کریں اور تعلیمات جہانگیری پر عمل کرنے کی کوشش کریں دنیا کی زندگی عارضی ہے اور یہاں چند روزہ قیام کے لئے اور حصول دنیا کیلئے تمام منکرات سے بچیں اور کوئی ایسا کام نہ کریں کہ جن سے اللہ اور رسول اور پیر و مرشد ناراض ہوں۔ ہم سب کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا ہو۔ ہم سب کو شیطان کے شر سے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ ہماری اور ہمارے مریدوں کی عاقبت محفوظ ہوں۔ آمین

وما علینا الا لبلاغ المبین

خاک پائے مرشد و خادم ارباب طریقت

سید نایاب علی شاہ علوی

سماع

سماع عاشقوں کی آتشِ شوق کو بھڑکانے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ دراصل پیری ومریدی عشق وعاشقی کا ایک طریقہ ہے جس میں مرشد کی محبت کے ساتھ رسول کی اور اللہ کی محبت دل میں استوار ہوجاتی ہے۔ جب یہ محبت اپنے عروج پر پہنچتی ہے تو پھر شیطان اس کو ختم نہیں کرسکتا۔ کیونکہ عاشق کے دل میں محبت کی اک آگ سلگتی رہتی ہے۔ ذوقِ بندگی میں سماع چنگاریاں بھر دیتی ہے۔ عشق کی آگ کو بھڑکانے کے لئے اولیاءِ کرام نے سماع کا سہارا لیا۔ جب مجاہدات سے دلوں میں جذب کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے اور دماغ خشک ہوجاتا ہے تو سماع دل ودماغ میں نرمی اور حلاوت اور عشق میں تڑپ پیدا کرتی ہے۔ جب مرید صادق فنافی شیخ ہوکر طریقت کے راستے میں آگے بڑھتا ہے تو برزق شیخ میں گم ہوکر عرفانِ الٰہی کی اعلیٰ منزلوں سے ہمکنار ہوتا ہے۔ اور سماع کے دوران عارفانہ اور عاشقانہ کلام سن کر جب وہ اپنی کیفیت پر محمول کرتا ہے اور غور وفکر کرتا ہے تو پھر اس کی روح میں مختلف کیفیات پیدا ہوتی ہیں۔

جس کا اثر اس کے دل پر ہوتا ہے جو حال قال، سرور، خوف وپشیمانی، گریہ کی صورت میں ظاہر ہوتی ہیں۔ اور حصول وصال یار جوش وجنوں کی حد تک بڑھ جاتا ہے۔ کبھی کبھی یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ سماع کے دوران عاشق صادق کا وصال ہوگیا۔

دراصل جب صوفی سماع میں کلام پر غور کرتا ہے اور پوری یکسوئی کے ساتھ اس کو سنتا ہے تو کبھی کبھی روح کا شعور اس کو برزخ شیخ کے وسیلے سے مقام حیرت اور مقام لاہوت پر پہنچا دیتا ہے۔ بعض مرتبہ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ مقام قاب قوسین تک پہنچنے کے بعد اس کی روح عالم ناسوت میں واپس آنے سے قاصر رہی اور جسم روح سے خالی ہوگیا۔ روح مقیم کے نکل جانے سے صوفی کا وصال ہوگیا۔

تاریخ عالم میں کئی صوفی ایسے گذرے ہیں کہ جن کا وصال سماع کے دوران ہوا تھا۔
حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ جو بہت بڑے ولی اللہ تھے اور سلسلہ چشتیہ سے تعلق رکھتے تھے آپ کا وصال سماع کے دوران ہوا تھا آپ کے وصال کا واقعہ یوں ہے کہ آپ قاضی حمید الدین ناگوریؒ اور بہت سے اپنے ہم عصر اولیاء کرام کے ساتھ محفل سماع سن رہے تھے۔

صالح قوال جو اس زمانے کا مشہور قوال تھا فارسی کی ایک غزل پڑھ رہا تھا جس کے ایک شعر کو سن کر آپ بیساختہ وجد میں آ گئے تین دن تک آپ کو وجد رہا۔ راوی کہتا ہے کہ دوران سماع آپ وجد کرنے لگتے اور اسی حالت میں بیہوش ہو جاتے لیکن نماز کے وقت ہوش آ جاتا پھر نماز ادا کرنے کے بعد آپ وجد کرتے کرتے دوبارہ بیہوش ہو جاتے تھے۔ آخر تیسرے دن عصر کے بعد آپ کی روح پاک مقام قاب قوسین سے دوبارہ واپس نہ آسکی اور آپ نے وصال فرمایا۔

شعر یوں ہے:

کشتہ گانِ خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جانی (جانِ) دیگر است

سلسلہ ابو العلائی جہانگیری سے تعلق رکھنے والے ایک بزرگ صوفی حضرت راحت اللہ شاہؒ صاحب جو حضرت خواجہ صوفی محمد حسن شاہ سلطانؒ اولیاء کے خلیفہ تھے وہ بھی حالت وجد میں وصال کر گئے تھے۔

شعر یوں ہے:۔

بحرِ قتلم چو کشد تیغ نہم سر بہ سجود
او بہ نازِ عجبِ من بہ نیاز عجبے

سلسلہ ابو العلائی کے ایک درویش حضرت عشق مشہور گھیٹا شاہ ابو العلائی جو ہندوستان کے صوبہ بہار کے ایک شہر پٹنہ میں رہتے تھے ان کو مرغے کی آذان پر وجد آنے لگتا تھا

کہتے ہیں کے وہ بھی دوران سماع وصال کر گئے تھے۔ حضرت شاہ منعم پاکباز قادری چشتی نقشبندی سہروردی وجد فرماتے تھے۔

حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش کشف المحجوب میں رقم طراز ہیں کہ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ بغداد میں ایک درویش کے ہمراہ جارہے تھے کہ اس اثناء میں ہم نے ایک مُطرب کی آواز سنی جو عربی میں غزل گارہا تھا۔ اس کے ایک شعر (آرزو اگر حق ہے تو اچھی آرزو ہے ورنہ ہم نے اس آرزو میں ایک زمانہ بسر کیا جو گذر چکا ہے) اس درویش نے ایک نعرہ مارا اور دنیا سے رخصت ہوا۔

حضرت ابوعلیؒ درباری فرماتے ہیں کہ ایک درویش کو میں نے دیکھا جو ایک گویّے کی آواز میں مشغول ہورہا تھا۔ میں نے کان لگائے کہ اس کا گانا سنوں تو وہ غمناک آواز سے یہ گارہا تھا۔ شعر (عربی)

اردو ترجمہ: (میں فروتنی سے اس شخص کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہوں جو سننے کی سخاوت کرتا ہے)۔

اس درویش نے ایک نعرہ مارا اور گر پڑا جب میں اس کے پاس گیا تو میں نے دیکھا کہ وہ مراہوا ہے۔

ایک بزرگ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ پہاڑ میں کسی راستہ پر جارہا تھا میرے دل میں شعر پڑھنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ (شعر عربی میں ہیں)

ترجمہ: (لوگوں کو یہ تو صحیح طور پر معلوم ہے کہ میں عاشق ہوں مگر انہیں یہ معلوم نہیں کہ میں کس پر عاشق ہوں۔ انسان میں اس کی حسین آواز کے سوا اور کوئی چیز خوبصورت نہیں)۔

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے یہ فرمایا یہ شعر پڑھو میں نے شعر پڑھا تو آپ کے قدم اس پتھر میں گڑ گئے جس طرح کے موم میں۔ تب آپ بیہوش ہوکر گر پڑے جب

ہوش میں آئے تو مجھ سے فرمایا: میں تو بہشت کے ایک باغ میں تھا لیکن تو نے دیکھا نہیں۔

حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں ''سماع فیضان حق ہے جو دلوں کو حق کی طرف ابھارتا ہے۔ پس جس نے حقیقی معنوں کے ساتھ اس کو سنا اس نے حق کی طرف راستہ پالیا اور جس نے اس کو خواہش نفس کے ساتھ سنا وہ بے دین ہوگیا۔ ان کی مراد اس سے یہ ہے کہ سننے والے کو چاہئے کہ اس بات کو حق کے ساتھ سنے نہ کہ صرف آواز کو۔ تاکہ اس کا دل فیضان حق کا محل ہو جائے۔ اور جب حق بات اس کے دل میں پہنچے گی تو دل کو ابھارے گی۔ اور جو شخص سماع میں حق کا تابع ہوگا اس کو مشاہدہ حق ہوگا۔ اور جو شخص اپنے نفس کا تابع ہوگا وہ حجاب میں رہ جائے گا اور تعاویل سے تعلق پیدا کرے گا۔ پس اس کے سماع کا فائدہ تو مکاشفہ الٰہی نہ ہوگا۔ بلکہ اس کے سماع کا فائدہ حق سے حجاب ہوگا۔

حضرت ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ''سماع کا ظاہر فتنہ ہے اور اس کا باطن عبرت ہے۔ جو اہل اشارہ ہے یعنی اشاروں کو پہنچانتا ہے اس کو عبرت کا سننا حلال ہے۔ ورنہ اس نے فتنہ کو طلب کیا اور مصیبت کا سامنا کیا۔ یعنی جس کا دل پورے طور پر حق کی بات میں غرق نہیں ہے تو سماع اس کے لئے بلا اور آفت کا محل ہے۔

ایک شیخ طریقت سماع کے بارے میں کہتے ہیں۔ کہ سماع باطنوں کو ابھارنا ہے۔ ان باتوں کے مشاہدہ کرنے کے لئے جو باطنوں میں چھپی ہیں۔ تاکہ انکے ذریعہ سے حق تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر رہیں۔ اس لئے اسرار کا پوشیدہ ہونا مرید صادق کے لئے سخت قابل ملامت ہے یہ ان کے سب سے برے اوصاف میں سے ہے۔ اس لئے کہ اگرچہ دوست بظاہر دوست سے غائب ہو دل سے حاضر ہوتا ہے اور جب غیبت آگئی تو اس میں سے دوستی اٹھ جائے گی۔

حضرت مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ''تو اس سماع سے کیا کرے گا کہ جو منقطع ہو جائے۔ جب گانے والا جس سے وہ سنا جاتا ہے تو رک جائے تو اس کا اثر بھی جاتا رہے۔ پس

مناسب یہ ہے کہ تیرا سماع متصل ہو جس کی تاثیر منقطع نہ ہو۔ اور اس بات نے محبت کے باغ میں ہمت کے مجتمع ہونے کا پتہ دیا ہے۔ کیونکہ جب بندہ اس درجہ پر پہنچ جاتا ہے تو سارا عالم پتھر اور مٹی اس کا سماع سنتے ہیں۔ لیکن یہ درجہ بہت بلند اور بزرگ ہے۔ اللہ توفیق کا مالک ہے۔

سماع میں صوفیاء کرام کے مرتبے

یہ جاننا ضروری ہے کہ صوفیوں میں سے ہر ایک کے لئے سماع میں ایک مرتبہ اور مقام ہے جس کے مطابق وہ اس سماع سے ذوق ولطف حاصل کرتا ہے۔ جیسا کہ توبہ کرنے والے کے لئے جو کچھ وہ سنتا ہے وہ اس کے لئے حسرت اور ندامت کے حصول میں مدد، مشتاق کے لئے شوق دیدار کا سبب اور یقین کرنے والے کے لئے یقین کی تاکید، مرید کے لئے بیان کی تحقیق، محبّ کے لئے تعلقات دنیا سے علیحدگی اور فقیر کے لئے مخلوق سے ناامیدی کی بنیاد ہو جاتی ہے۔ دراصل سماع کی مثال آفتاب کی سی ہے کہ وہ تمام چیزوں پر اپنی روشنی ڈالتا ہے لیکن ہر چیز اپنی صلاحیت اور مرتبے کے مطابق سورج سے روشنی وحرارت حاصل کرتی ہے۔ ایک کو تو وہ جلا دیتا ہے اور دوسرے کو وہ روشن کرتا ہے۔ کسی کو پگھلا دیتا ہے تو کسی کو نوازتا ہے۔ تحقیق کی رو سے صوفی تین درجوں کے حامل ہوتے ہیں۔ ایک ان میں مبتدی دوسرے متوسط درجہ کے اور تیسرے کاملین ہوتے ہیں۔ ہر ایک گروہ کی سماع کی استبداد اور غور وفکر علیحدہ ہوتا ہے۔ اس لئے کیفیات بھی الگ الگ ہوتی ہیں۔

حضرت داتا گنج بخشؒ اپنی کتاب کشف المحجوب میں رقم طراز ہیں کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ مجھے سریلی آواز اور روح پرور نغمہ وترنم اچھے نہیں لگتے وہ بے حسی اور کور ذوقی کے باعث چوپاؤں سے بھی بدتر ہے۔ طبائع انسان مختلف ہیں کوئی شخص تمام لوگوں پر ایک حکم نہیں لگا سکتا۔ بہرکیف جو شخص حسِ لطیف سے عاری نہ ہو وہ اچھی اور متوازن آوازوں سے کیف وسرور حاصل

کرلیتا ہے۔شریعت اور طریقت میں رقص جائز نہیں لیکن وجد جائز ہے راحت یا مصیبت خوشی یاغم کے تاثر کو وجد کہتے ہیں یہ رقص سے بالکل جداگانہ چیز ہے۔ یہ طالب ومطلوب کے درمیان ایک بھید ہے جوصرف وجدان ہی میں محسوس ہوتا ہے۔اس کو الفاظ سے ادانہیں کرسکتے۔

آداب سماع

سماع کے لئے لازمی شرط ہے کہ سامع باوضو ہواور آداب کے ساتھ دوزانو یا چہارزانو ں بیٹھے۔اگر شیخ سامنے نہیں تو اس کا تصوّر کر کے جوکلام پڑھا جارہا ہے اس پر دھیان دے۔اس کے مطالب پر غور کرے۔ جب صوفی کلام کو تصور شیخ کے ساتھ سنتا ہے تو اس کے قلب پر کلام کا اثر ہوتا ہے جس کے نتیجے میں اس کا اظہار ہوتا ہے جو کیف ومستی کی صورت میں یا جوش وجنون کی حالت میں یا حصول وصل کی خواہش میں وجد کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔واردات قلبی جو سماع کے نتیجہ میں کسی صوفی کے اندر پیدا ہوتی ہیں حالت وجد اس کا نتیجہ ہے۔اور روح کا شعور زمان ومکان کی قید سے آزاد ہوکر عالم امکاں سے لامکاں کی طرف لے جاتا ہے۔

صوفی کو چاہئے کہ دوران سماع پوری یکسوئی سے کلام کی طرف دھیان کرے اور دوران سماع کسی سے گفتگو نہ کرے۔اور نہ سماع کے دوران کوئی چیز کھائے۔ پان۔ بیڑی۔سگریٹ یہ سب آداب سماع کے خلاف ہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ بعض صوفی حضرات سماع کے دوران منہ میں پان رکھ کر آہستہ آہستہ کھاتے رہتے ہیں جو حضرات مسند نشین ہوتے ہیں اُن کے لئے لازم ہے کہ وہ خود بھی سماع کے منکرات سے پرہیز کریں اور دوسروں کو بھی اس کی ہدایت کریں۔ دراصل سماع اس کے اہل حضرات کے لئے ایک عبادت بن جاتی ہے جولوگ اس کے ادب وآداب کا خیال رکھتے ہیں وہ صوفی طریقت میں بہت آگے نکل جاتے ہیں اور کامیاب وبامراد ہوتے ہیں۔

آج کل کے زمانے میں اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ سماع کے دوران بعض حضرات روپے

لے کر قوال کے پاس جاتے ہیں اور صاحب مسند کو چھوڑ کر وہ قوال پر روپے برساتے رہتے ہیں۔ اگر کبھی کبھار صاحب مسند کو اٹھا کر قوال کے پاس لے جائیں اور ان کے ہاتھوں سے قوال کو دیتے ہیں پھر بھی زیادہ برائی نہیں لیکن بعض لوگ مسند نشین اور صوفیوں کو بار بار اٹھاتے ہیں اور کئی حضرات مل کر قوال کی طرف جاتے ہیں اور روپے پیسے سے یا نقلی نوٹ کی بارش کرتے ہیں پوری محفل اسی کام میں گذر جاتی ہے اور محفل کی روحانیت بالکل ختم ہو جاتی ہے۔ لہذا سامعین سماع اور صوفی حضرات سے گذارش ہے کہ وہ ایسے کام نہ کریں کہ سلف الصالحین اور اولیاء کرام کے عمل کے خلاف ہوں۔

سماع میں ہم سب کو اولیاء کرام کی پیروی کرنا چاہیے، کہیں پر بھی نمود و نمائش کو دخل نہ ہونا چاہیے۔ اولیاء اللہ سماع بہت خاموشی کے ساتھ اور نظم و ضبط کے ساتھ سنا کرتے تھے۔ جب کسی صوفی کو وجد آئے تو پھر کھڑے ہو کر وجد کی تعظیم کرتے تھے۔

آج کل یہ دیکھا گیا ہے کہ محفل سماع میں ان حضرات کی کثرت ہوتی ہے جو سماع کے اہل نہیں ہوتے۔ اکثر لوگ ننگے سر بے ادبی کے ساتھ اگلی صفوں میں بیٹھے رہتے ہیں۔ صاحب مسند کو چاہیے کہ ننگے سر حضرات کو اگلی صفوں میں نہ بیٹھنے دیں۔

صوفیوں کو چاہیے کہ جب وہ اپنے اندر ذوق و شوق اور صحیح طور پر کیفیت محسوس کریں تو حرکت کریں ورنہ مصنوعی طور پر کوئی بھی کیفیت ریاکاری میں شمار ہو سکتی ہے۔

اعلیٰ حضرت خواجہ محمد یعقوب علی شاہ کی سماع

اعلیٰ حضرت خواجہ محمد یعقوب علی شاہ سلطان الاولیاء کا روشن اور کتابی چہرہ ہر وقت مسکراہٹوں سے سجا رہتا تھا۔ آپ نفس مطمئنہ کے حامل ایک ایسے نورانی پیکر تھے کہ جن کی آنکھوں سے محبت کے سوتے پھوٹتے رہتے تھے۔ اور ایک عجیب و غریب خمار چھلکتا رہتا تھا کہ جس سے

اللہ تعالیٰ سے آپ کی وابستگی اور وارفتگی کا اظہار ہوتا تھا۔ آپ کی آنکھوں میں کیف و مستی کا یہ حال تھا کہ جب کبھی محفل سماع میں کسی کو محبت بھری نظروں سے دیکھتے تو اس پر وجد طاری ہو جاتا تھا، آپ مشائخین کو دیکھتے تو بڑے بڑے صوفی حضرات پر وجد طاری ہو جاتا تھا۔ آپ کی محفلوں کا انداز حضرت نظام الدین محبوب الٰہی کی محفلوں سے کافی مماثلت رکھتا تھا۔ محفل کے ادب وآداب کا آپ بہت خیال رکھتے تھے۔ کیا مجال ہے کہ کوئی ننگے سر شخص آگے بیٹھ جائے۔ اگلی صفوں میں صوفی حضرات اور باشرع لوگ بیٹھتے تھے اور پچھلی صفوں میں غیر صوفی حضرات بیٹھتے تھے۔ لیکن سب باادب اور دو زانوں ایک سیدھی قطار میں ترتیب کے ساتھ بیٹھتے تھے۔

آپ سماع کے شرائط پر پوری طرح عمل کرتے تھے۔ سب لوگ باوضو سماع سنتے تھے، آپ فرماتے تھے کہ باوضو رہنا سب سے اولا عمل ہے۔ اگر دوران سماع کسی کا وضو ٹوٹ جائے تو باہر جا کر دوبارہ وضو کر کے محفل میں بیٹھ جائے اگر کسی وجہ سے وضو نہیں کر سکتا تو تیمّم کر لے۔ سماع کے لئے پاکیزگی لازمی شرط ہے۔ ظاہری پاکیزگی کے ساتھ ساتھ باطن بھی صاف ستھرا ہونا چاہئے۔ تصور شیخ کو دل میں پختہ طور پر جما کر نظریں جھکا کر دو زانوں بیٹھے اور سماع کے کلام پر غور کرے۔ جب دل و دماغ دنیاوی خیالات سے پاک ہوں گے تو کلام کا دل پر اثر ہوگا۔ اور روحانی کیفیات اس پر طاری ہو جائیں گی اس حالت میں اس پر بہت سی حقیقتوں کا انکشاف ہوگا جو عام حالت میں ممکن نہیں۔ سماع کے دوران اگر قوال آپ کا نام لیتا تو آپ اس کو فوراً منع فرماتے تھے۔ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ بعض پیر حضرات اپنے مریدوں سے کہہ کر قوال سے اپنا نام قوالی میں پڑھواتے ہیں یہ سب ریاکاری میں شمار ہوتا ہے لہٰذا ایسے پیروں کو ان باتوں سے بچنا چاہئے ورنہ وہ شیطان کے فریب کا شکار ہو جائیں گے۔

(ماخوذ از شانِ یعقوبی)

دربارِ جہانگیری میں محفل سماع

۲۰۱۲ءمئی میں راقم کو حضرت شمس العارفین کے عرس مبارک میں شرکت کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ عرس کے دوران روزانہ محفل سماع ہوتی تھی۔ اس محفلِ سماع کا طریقہ ہندوستان اور پاکستان کی محفل سماع سے بالکل الگ تھلگ ہے۔ دربار شریف سے تعلق رکھنے والے کچھ مریدین اور خاندان کے افراد سے تعلق رکھنے والے کچھ حضرات ایک ہی جیسا لباس پہن کر ایک لائن میں ترتیب کے ساتھ حضرت تاج العارفین کی نشست کے بالکل سامنے کھڑے ہوکر سماع کرتے ہیں۔ سازوں میں صرف دف (ڈھولکی) اور سارنگی کا استعمال ہوتا ہے اور کچھ لوگ تالی بجانے والے بھی ہوتے ہیں۔ سب لوگ مل کر کلام پڑھتے ہیں۔ حضرت شیخ العارفینؒ اور حضرت فخر العارفینؒ کی شان میں منقبت اردو اور فارسی میں پڑھی جاتی ہے۔ منقبت سے پہلے فارسی کی ایک غزل یا نعت اور ایک غزل اردو میں پڑھی جاتی ہے۔ اس کے بعد بنگلہ زبان میں کلام پڑھا جاتا ہے۔ کلام سن کر لوگ وجد کرتے ہیں اور وجد کے دوران بعض لوگ ذکر دوضربی یا چہار ضربی کرتے ہیں۔

حضرت تاج العارفین کی مسند کے دائیں جانب کچھ فاصلے پر آپ کے برادر صاحبان اور آپ کے بیٹے حضرت مولانا مقصود الرحمٰن اور آپ کے خاندان کے افراد بیٹھتے ہیں۔ مسند کے بائیں جانب کچھ فاصلے پر ہندوستان اور بنگلہ دیش سے سلسلہ ابو العلائی جہانگیری سے تعلق رکھنے والے پیر صاحبان اور مختلف گدیوں کے سجادہ نشین بیٹھتے ہیں۔ حضرت تاج العارفین کی مسند کے بالکل سامنے قوالی کرنے والے حضرات کھڑے ہوکر کلام سناتے ہیں۔ ان کے پیچھے دائیں اور بائیں جانب ہزاروں کی تعداد میں سامعین ہوتے ہیں۔ جس وقت بنگلہ زبان میں کلام پڑھا جاتا ہے تو لوگوں کی وجدانی حالت اتنی شدید ہوجاتی ہے کہ ہر طرف چیخ و پکار سسکیاں اور گریہ لوگوں میں پیدا ہوجاتا ہے۔ کسی کسی کلام پر لوگ حضرت تاج العارفین کے

سامنے مسند سے کچھ فاصلے پر کیف و مستی کی حالت میں وجد کرتے ہیں۔

یا جہانگیر یا جہانگیر کی صدائیں بلند ہوتی ہیں اور اس کے ساتھ سسکیوں اور رونے کی آوازیں سنائی دیتی ہیں ایک ہی وقت میں ہزاروں لوگ وجد میں آتے ہیں۔ کچھ لوگ مچھلی کی طرح تڑپتے ہیں سیکڑوں آدمی زمین پر گر کر لوٹ پوٹ ہوتے ہیں اور کچھ لوگ حضرت شیخ العارفین اور حضرت فخر العارفین کی درگاہ شریف کی سیڑھیوں پر اپنا سر رکھ کر یا جہانگیر کا نعرہ بلند کرتے ہیں۔

اس محفل سماع کی خاص بات یہ ہے کہ یہاں روپے پیسے کا دخل نہیں۔ یہ محفل سماع بغیر روپے پیسے کے ہوتی ہے جبکہ ہندوستان اور پاکستان میں بغیر روپے پیسے کے سماع نہیں ہوتی۔ کہیں بھی کوئی غیر شرعی طریقہ نظر نہیں آتا۔ سماع کے دوران شریعت کو ملحوظ خاطر رکھا جاتا ہے۔ سماع میں نماز کی پابندی کا خیال رکھا جاتا ہے اور نماز سے پہلے ایک یا دو گھنٹے پہلے محفل ختم ہو جاتی ہے۔ محفل بھی مختصر ہوتی ہے۔ اس کے بعد لوگ نماز با جماعت اداء کرتے ہیں۔ جماعت کی امامت حضرت تاج العارفین کے صاحبزادے حضرت مولانا مقصود الرحمٰن کرتے ہیں۔

دربارِ جہانگیری میں سماع شریعت کے تمام تقاضے پورے کرنے کے بعد منعقد کی جاتی ہے۔ تیس چالیس ہزار افراد شرکت کرتے ہیں۔ دور دراز سے لوگ شرکت کرنے کے لئے آتے ہیں بیرونی ممالک ہندوستان پاکستان، برما اور دیگر ممالک کے لوگ بھی کافی تعداد میں آتے ہیں۔

محفل سماع کے بعد فاتحہ خوانی ہوتی ہے۔ طرح طرح کے کھانے اور مٹھائیاں پھل فروٹ وافر مقدار میں ایک قطار میں دور تک رکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ فاتحہ کے بعد لنگر شروع ہوتا ہے ترتیب کے ساتھ لوگ دو رویہ قطاروں میں بیٹھ جاتے ہیں۔ دربار شریف کے خادمین کھانے کی ٹرالیاں اٹھائے ہوئے قطاروں کے درمیان ہر شخص کو کھانا تقسیم کرتے ہیں۔ چار پانچ سو آدمی اس کام کے لئے مامور ہوتے ہیں۔ ایک بڑے تھال میں ابلے ہوئے چاول اور اس کے ساتھ طرح طرح کے بھنے ہوئے گوشت قورمہ کی صورت میں مچھلی۔ پائے۔ ہرن۔ مرغی کا

گوشت اور مختلف اقسام کے پھل فروٹ ہوتے ہیں۔ جو بھی نعمت دربار شریف میں آتی ہے وہ سب حاضرین میں تقسیم کردی جاتی ہے۔ لوگ نہایت خاموشی کے ساتھ کھانا کھاتے ہیں کہیں سے کوئی آواز نہیں آتی۔ یہ نظم وضبط اور یہ انتظام دنیا کے کسی بھی عرس میں نظر نہیں آتا جو دربارِ جہانگیری مرزاکھل چٹانگ بنگلہ دیش میں قائم ہے۔

مرزا کھیل، ستکانیہ، چاٹگام
بنگلہ دیش

سلسلہ عالیہ کے اذکار واشغال

(ماخوذ از سیرت فخر العارفین)

ذکر عربی لفظ ہے۔ لغت میں اسکے معنی ہیں ''یاد کرنا'' اور صوفیہ کرام کی اصطلاح میں اس کے معنی ہیں۔ ''تمام عالم سے الگ ہوکر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا'' اور ایک دھیان سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا''۔ بمصداق آیت کریمہ: ''وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلاً''. (سورۃ المزمل) یعنی اپنے پروردگار کا نام لیتے رہو اور سب سے الگ ہوکر اسی کے ہو رہو۔

ذکر نفی واثبات

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کو ذکر نفی واثبات کہتے ہیں جس کے چار طریقے ہیں۔ (۱) قادریہ جلی۔ (۲) ضرب خفی۔ (۳) پاس انفاس خفی۔ (۴) حبس دم خفی۔

ذکر قادریہ جلی

مرید خدمت شیخ میں چارزانو بیٹھے۔ اگر مرید شیخ کی خدمت میں حاضر نہیں ہے تو پھر شیخ کو سامنے تصور کرے اور بلند آواز سے کہے۔ حَسْبِیْ رَبِّیْ جَلَّ اللّٰهُ، مَا فِیْ قَلْبِیْ غَیْرُ اللّٰهِ. نُوْرِ مُحَمَّد صَلَّی اللّٰهُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اگر مجلس میں مرید زیادہ ہوں تو مرید حلقہ بنا کر بیٹھیں اور سب کے سب موزوں اور بلند آواز سے مل کر یہ ذکر کریں۔

ذکر ضرب خفی

ذاکر چارزانو قبلہ رُخ ہوکر حضوری شیخ میں بیٹھے۔ اگر مجلس شیخ میں حاضر نہیں ہے تو پھر شیخ کا تصور کرے اور بائیں گھٹنے کے نیچے جو رگ ہے جسکو ''کیماس'' کہتے ہیں اسکو اپنے داہنے

پاؤں کی دو بڑی انگلیوں سے مضبوط پکڑے۔ کمر سیدھی رکھے اور دونوں ہاتھ دونوں زانو پر رکھ کر اور سر کو بائیں طرف جھکا کر بائیں گھٹنے کے قریب لے جائے اور وہاں سے لفظ لا شروع کرے، پھر سر کو داہنے گھٹنے پر لے آئے اور وہاں اِلٰـہَ شروع کرے اور داہنے شانے پر ختم کر کے سر کو تھوڑا سا پشت کی جانب خم کر دے اور تصور کرے کہ ماسوائے اللہ سب کی نفی کی اور وہاں سے لفظ اِلَّا اللّٰہُ کہہ کر قلب پر زور سے ضرب لگائے اور تصور کرے کہ ہستی حق کا اثبات کیا اور آتش عشق الٰہی دل میں بھڑکی۔ یہ ذکر خفی ہونا افضل ہے، خیال سے دل ہی دل میں ذکر کرے۔ زبان سے تلفظ نہ کرے اس ذکر کو چار ضربی بھی کہتے ہیں۔ اس لئے کہ بائیں گھٹنے پر پہلی ضرب۔ داہنے گھٹنے پر دوسری ضرب۔ داہنے شانہ پر تیسری ضرب۔ اور قلب پر چوتھی ضرب ہوتی ہے۔ اس طرز عمل میں رمز یہ ہے کہ بائیں گھٹنے میں خطرہ شیطانی داہنے گھٹنے میں خطرہ نفسانی اور داہنے شانہ میں خطرہ ملکوتی اور قلب میں خطرہ رحمانی کے مقامات ہیں۔ ذاکر نے پہلی تین ضربوں سے گویا ان تین خطروں کی نفی کی اور چوتھی ضرب سے خطرۂ رحمانی کو دل میں قائم اور ثابت کیا۔ شب کے وقت ذکر کرے۔ اس حالت میں کہ معدہ نہ تو پر ہو نہ خالی۔ جو شخص چلہ میں ہو اس کے لئے دن اور رات برابر ہیں۔ تاریک مقام ذکر کے لئے زیادہ مناسب ہے۔

ذکر پاس انفاس خفی

جب سانس باہر آئے تب ذاکر تمام کائنات اور اپنے کو نفی کرے، اس وقت لا الٰہ دل سے کہے (سانس باہر پھینکے) اور جب سانس اندر جائے۔ (تب اللہ تعالیٰ کی ذات حقیقی کو قائم اور باقی تصور کر کے قلب میں اسکا اثبات کرے) اور اس وقت اِلَّا اللّٰہُ خیال کے زور سے قلب پر ضرب کرے اور (سانس اندر کھینچے) سر یا کسی عضو کو نہ ہلائے۔ یہ ذکر بھی خفی ہونا افضل ہے، تلفظ نہ ہونا چاہئے، ذاکر ہمیشہ اس ذکر میں مشغول رہے۔ چلتے، بیٹھتے، سوتے، کام کرتے۔

غرضیکہ ہروقت پاس انفاس کا ذکر جاری رکھے۔ ایک دم بھی اس سے خالی نہ رہے۔

ذکر حبس دم خفی۔ طریقۂ اول

ذاکر چار زانو طریق مذکورہ، ورنہ جس نشست سے اسکو آرام ہو بیٹھے۔ بعدہ سانس کو بند کرے اور پھر کلمہ لَا اِلٰہَ کو ناف سے کھینچ کر اُم الدماغ تک پہنچائے اور کلمہ اِلَّا اللّٰہ کو دماغ سے قلب پر دل کی زبان سے ضرب کرے اور اس وقت ذات وحدۃ الوجود کو قلب میں قائم اور ثابت کرے۔ یہ ذکر بھی خفی کرے۔ کسی عضو کو نہ ہلائے۔ اسی طرح پہلے ایک دم میں تین ذکر کرے اور دم کو چھوڑے، بعد اسکے پھر اسی طرح دم بند کر کے تین ذکر کرے۔ اس طور پر جب تک کہ قلب میں اطمینان اور ذوق رہے۔ ایک نشست میں ذکر کرتا رہے۔ اس طریقہ سے ہر رات جتنی دیر تک توفیق ہو ذکر کرتا رہے، دوسرے ہفتے ایک دم میں پانچ ذکر کرے۔ تیسرے ہفتے ایک دم میں سات ذکر کرے۔ اور اس ترکیب سے ہر ہفتے ایک دم میں دو دو ذکر بڑھاتا رہے۔ جہاں تک ممکن ہو۔ یہ ذکر خصوصاً دن میں نماز ظہر کے بعد۔

ذکر حبس دم خفی۔ طریقۂ ثانی

ذاکر سانس کو بند کرے، اس ترکیب سے کہ دونوں ہاتھوں کے دونوں انگوٹھوں سے دونوں کان اور پہلی انگلیوں سے دو آنکھیں اور دوسری دونوں انگلیوں سے دونوں نتھنے اور تیسری دنوں انگلیوں سے دونوں لب بند کرے اور سانس کو روک کر ایک ایک سانس میں حسب ترتیب متذکرہ بالا ذکر کرے۔

گوش بند و چشم بند و لب بہ بند
گر نہ بینی نور حق بر من بخند

برکات ریاضت

سالک کو لازم ہے کہ بہ قلب سلیم بلالحاظ کمال نفسانی و مراتب باطنی ایک دھیان سے ذکر میں مشغول رہے اور ذکر میں محو و مستغرق ہو جائے۔ اپنے کو فراموش کرے اور خود ذکر بن جائے۔ ذاکر کو ذکر میں مشغول رہے اور ذکر میں محو و مستغرق ہو جائے۔ اپنے کو فراموش کرے اور خود ذکر بن جائے۔ ذاکر کو جب تک فنا حاصل نہ ہوگی۔ اس وقت تک ذکر کا مطلب بھی حاصل نہ ہوگا۔ ذکر کی کثرت و مداومت اور رحمت مولیٰ سے جب ذاکر مقام فنا میں پہنچے گا۔ تب زہد، تقویٰ، توکل، قناعت، صبر، شکر، رضا، تسلیم۔ بلا قصد حاصل ہو جائیں گے اور قلب کے اندر انوار و تجلیات کا ظہور ہوگا۔ اس مقام میں ذاکر کے حواس خمسہ ظاہری بالکل ساقط ہو جائیں گے۔ نہ ذاکر رہے گا نہ ذکر۔ ذاکر و مذکور ایک ہو جائیں گے بندہ کا ذکر وہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: شَهِدَ اللّٰهُ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ (یعنی گواہی دیتا ہے اللہ کہ نہیں کوئی موجود مگر وہ ہی اللہ) صادق آئے گا۔

یہ تصور یاد رکھیو یار وقت ذکر ہو
ذکر ہو جسکا وہی ذاکر وہی مذکور ہے

طریقہ توجہ

ذکر کی تعلیم کے ساتھ شیخ مرید کو توجہ دے۔ مگر بمصلحت جائز ہے کہ توجہ ظاہری کو موقوف رکھے، توجہ کے وقت شیخ تصور کرے کہ ذکر کی کیفیت قلب شیخ سے قلب مرید میں پہنچتی اور اثر پیدا کرتی ہے اور توجہ کے وقت شیخ تصور کرے کہ ذکر کی کیفیت قلب شیخ سے قلب مرید میں پہنچتی اور اثر کرتی ہے اور اور مرید تصور کرے کہ قلب شیخ سے فیض رحمانی اسکے قلب میں پہنچتا ہے اور اسکا قلب فیض رحمانی سے متاثر ہوتا ہے، اگر رحمت ایزدی شامل حال ہے تو فوراً مرید کے قلب میں ذکر

جاری ہوجائے گا اور سرور یا جذبہ طاری ہوگا۔ اگر پہلے دن کسی مرید کے قلب میں ذکر جاری نہ ہو یا کیفیت نہ ہو تو مرید کو مایوس نہ ہونا چاہیے۔ ان شاء اللہ آئندہ اپنے وقت پر ذکر جاری ہوجائے گا اور کیفیت طاری ہوجائے گی

طالب کے لئے ہدایت ضروری

طالب کو چاہیے کہ اپنے ہر سانس پر بیدار اور ہوشیار رہے۔ جب تک پاس انفاس کی تائید نہ ہوگی۔ کدورتوں سے دل کا صاف ہونا دشوار ہے۔ سوتے وقت بھی ذکر پاس انفاس کرتا رہے۔ تاکہ سوجانے پر بھی ذکر جاری رہے۔ مبتدی آخر شب میں روزانہ گھنٹہ دو گھنٹہ یا اس سے کم (مطلب یہ کہ) جس قدر بھی توفیق ہو، ذکر کرتا رہے تاکہ قلب میں ۲۴ گھنٹے ذکر جاری اور اسکا اثر قائم رہے دن رات میں ۲۴ گھنٹے ہوتے ہیں۔ اور ہر گھنٹہ میں تخمیناً ایک ہزار سانس ہیں۔ پس اس حساب سے ایک دن رات میں چوبیس ہزار مرتبہ ذکر ان شاء اللہ تعالیٰ ہوجائے گا اور پھر کوئی سانس ذکر سے خالی نہ جائے گا اور جب رات، دن، سوتے، جاگتے، قلب میں ذکر جاری ہوجائے گا، تو اس قلب کو قلب ذاکر، قلب زندہ قلب بیدار کہیں گے۔ طرق مذکورہ سے ذکر کے وقت کبھی بیخودی اور کبھی جذبہ طاری ہوگا۔ پس جب تک کہ بیخودی یا جذبہ غالب رہے۔ ذاکر کو ذکر میں کوشش کرنے کی حاجت نہیں۔ لیکن جب بیخودی نہ رہے تو ذکر میں پھر مشغول ہونا چاہیے۔ آخر میں وہ کیفیت سالک کی ملک اور حال ہوجائے گی۔

ایک علاج

کثرت ذکر کہ وجہ سے اگر ذاکر کے دماغ میں بے انتہا گرمی محسوس ہو۔ مرض پیچش کی علامت نمودار ہو تو چند روز ذکر کو ترک کر کے فقط درود شریف پڑھا کرے۔ ہر روز قریب ایک ہزار

جب طبیعت میں اعتدال پیدا ہو جائے تو اپنی عادت کے موافق پھر ذکر شروع کر دے۔ اگر کثرت ذکر سے ذاکر کا بدن گھلنے لگے تو غذا سے پہلے دو چار لقمے کچے گھی کے ساتھ کھالیا کرے۔ جس کی مقدار ایک چھٹانک ہو۔

اس سلسلہ عالیہ کی تعلیم مختصر ہے

اس سلسلہ عالیہ میں عموماً اسی طور سے ذکر کی تعلیم کی جاتی ہے اور اسی پر ختم۔ اس لئے کہ کثرت ریاضت اور رحمت مولیٰ سے جب مرید سلوک میں ترقی کرے گا تو خود ہی اس کے مراتب طے ہوتے رہیں گے اور ذکر مقام قلب سے مقام روح میں سرایت کر کے یعنی ملکوت سے ذکر ترقی کر کے جبروت میں اثر کرے گا اور خود بخود ذاکر کے قلب میں اللہ ذکر اسم ذات جاری ہوگا۔ اس پر مرید نے اور ترقی کی تو قلب مدور یعنی ام الدماغ میں جسکو مقام لاھوت کہتے ہیں۔ ذکر ھو آپ سے آپ جاری ہوگا۔

نسبت

ضرب سے صفائی قلب، پاانفاس سے اجرائے قلب، اور حبس دم سے دفع خطرات، یہ فوائد حاصل ہوتے ہیں اور ان اذکار کی کثرت سے قلب میں ایک شعاع نوری ان شاء اللہ پیدا ہوگی جس طرح چھت کے سوراخ یا روزن دیوار سے روشنی آفتاب اندر داخل ہوتی ہے اور روشنی کا ایک تار نظر آتا ہے۔ اسی طرح قلب کے اندر سے بھی نور کا ایک تار اوپر کی طرف نمودار ہوگا۔ اس کیفیت کو نسبت کہتے ہیں۔ سالک جب اس مقام پر فائز ہوگا تو خود اپنے قلب میں شعاع نوری کا مشاہدہ کرے گا۔ اور ایک لذّت خاص اسے محسوس ہوگی۔ حضرت مولانا روم رحمہ اللہ نے اس مقام کی طرف مثنوی شریف میں یوں اشارہ کیا ہے:

دوزخ است آن خانہ کان بے روزن است
اصل دین اے بندہ روزن کردن است

مراقبہ

مراقبہ عربی لفظ ہے۔ اسکے معنی ہیں ''رقیب ہونا'' یعنی نگہبان ہونا۔ صوفیہ کرام کی اصطلاح میں اسکے معنی ہیں غیر اللہ سے قلب کا نگہبان ہونا اور غیر اللہ کے جتنے خطرات ہیں ان سب کو قلب سے بالکل دور کرنا۔ اس لئے کہ وہ سب فانی ہیں۔ بمصداق آیت کریمہ: ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ﴾ (سورۃ رحمٰن ع ۲) یعنی سب کچھ فنا ہونے والا، اور باقی رہے گی صرف اللہ کی ذات صاحب اکرام اور صاحب جلال اور اللہ تعالیٰ کی ذات کا دیدار اپنے باطن میں مشاہدہ کرنے کے لئے ایک دھیان اور ایک تصور میں بہ نشست قُرفِصار دو زانو بیٹھنا۔ اسکو مراقبہ کہتے ہیں۔ ابتداء میں طالب کو لازم ہے کہ بمصداق آیتِ کریمہ: ﴿وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّأَصِيلًا﴾ (یعنی صبح وشام اپنے پروردگار کو یاد کرو) فجر اور مغرب کی نماز کے بعد کچھ دیر مراقبہ کرے اور ایک زمانہ تک اس کی مداومت کرے۔ اگر ہو سکے تو ہر نماز کے بعد تھوڑی دیر مراقب رہے، مراقبہ کو روز بروز ترقی دے۔ یہاں تک کہ ایک لمحہ بھی قلب سے مراقبہ ساقط نہ ہونے پائے۔

ہدایت مبتدی کے لئے

مبتدی ہر قسم کا مراقبہ مقام تاریک میں کرے۔ اگر روشن جگہ میں ہو تو چادر میں چھپ کر یا نقاب ڈال کر مراقب ہو، چادر میں اپنے کو پوشیدہ کر کے مراقب ہونا دونوں حالتوں میں بہتر ہے۔

اقسام مراقبہ

مراقبہ برزخ شیخ

طالب دوزانو بطریق نشست قرفصا (یعنی داہنی پشت پا کو بائیں پاؤں کے تلوے پر رکھ کر) بیٹھے۔ آنکھیں بند کرے اور بمصداق آیت کریمہ: ﴿فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللهِ﴾ (پ ا ع) (یعنی جدھر پھرو گے ادھر اللہ ہی اللہ ہے) برزخ شیخ کو چہرہ حقیقی سمجھ کے اور یقین کر کے صحیح ملاحظہ کے ساتھ مراقب رہے اس وقت طالب کے قلب میں جو تجلی پیدا ہو اسکو وہاں قرار دے۔ وہ صورت کبھی سامنے کبھی قلب کے اندر نظر آئے گی، کبھی موجود ہو گی اور کبھی غائب ہو جائے گی۔ لیکن طالب کو چاہئے کہ اپنے تصور سے برزخ شیخ کو ایک لمحہ بھی نہ اترنے دے۔ مراقبہ میں برزخ شیخ کے علاوہ اقسام طرح کے انوار و تجلیات ظاہر ہوں گے لیکن ان کی طرف ہرگز متوجہ نہ ہونا چاہئے۔ صرف برزخ شیخ ہی کو مطمح نظر رکھے۔ اور اپنے قلب کے اندر مشاہدہ کرے۔ اسکو طریقہ رابطہ بھی کہتے ہیں۔ اس مراقبہ کی مداومت سے اور ظاہر میں متصف بصفات شیخ ہونے سے شیخ کے جمیع کمالات مرید میں پیدا ہو جائیں گے۔

شعر

چوں خلیل آمد خیالِ یار من
صورتش بت معنی او بت شکن
شکر یزداں را کہ چوں او شد پدید
در خیالش جان خیال حق بدید

مراقبۂ لفظ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

سالک اپنے سر کو لفظ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی میم دھیان کرے۔ گردن سے کمر تک حاء اور کمر کو میم ثانی اور کمر سے نیچے کے دھڑ کو دال خیال کرے۔ لفظ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہر انسان کی عین حقیقت ہے اور یہ بھی دھیان کرے کہ اسم عین مسمّیٰ ہے۔ اس میں سالک اپنی ہستی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہستی تصور کرے گا۔

حضرت جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

محمد کش قلم چون نامور ساخت
زمیمش حلقہ طوق وکرم ساخت

مراقبۂ وحدت

شاغل مراقبہ کی نشست سے تاروتاریک جگہ آنکھیں بند کر کے ایک دھیان میں بیٹھے اور تھوڑی دیر بعد آنکھیں کھولے اس وقت اسکو کچھ تجلی محسوس ہوگی۔ پھر آنکھیں بند کرے اور قلب کی طرف مشغول رہے۔ اور جب تک نسبت نہ آئے اسی طرح اکثر اوقات عمل کرتا رہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ نسبت آجائے گی۔

مراقبہ توحید افعالی

لَا فَاعِلَ اِلَّا ھُوَ (کوئی فاعل نہیں مگر اللہ) کی حقیقت کو طالب اپنے قلب میں دھیان کرے یعنی اس عالم میں جتنے افعال، حرکات، سکنات صادر ہوتے ہیں۔ سب کا فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہی کو سمجھے اور اپنے کو اور تمام عالم کو محض آلہ تصور کرے۔ اور یقین کرے کہ اسکو کسی فعل کا اختیار نہیں ہے بلکہ کسی اور کی قوت سے وہ حرکت کرتا ہے۔ جیسا کہ قلم لکھتا ہے۔

لیکن جب تک ہاتھ اسکو نہ چلائے اس وقت تک وہ کچھ بھی نہیں لکھ سکتا اور جب تک روح کے ارادہ سے ہاتھ جنبش نہ کرے ہاتھ کو قلم چلانیکی مجال نہیں۔ اسی طرح اس کائنات میں جتنے افعال صادر ہوتے ہیں، حقیقتاً وہ اللہ تعالیٰ سے ہی صادر ہوتے ہیں، طالب اور تمام موجودات مثل قلم اور ہاتھ کے ہیں۔

توحید افعالی کے مراقبہ میں طالب اپنے دل میں اس تصور کو جگہ دے اور اس میں مستغرق رہے۔

درین نوعے از شرک پوشیدہ است
کہ زیدم بیاز دو عمرم بخت

شغل حضرت موسیٰ علیہ السلام

شاغل اپنی ہستی کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہستی تصور کرے اور ام الدماغ کو کوہ طور خیال کرے اور دل سے رب ارنی (اے پروردگار! تو اپنے آپ کو مجھے دکھادے) کہتا رہے اور ام الدماغ کی طرف جسکو قلب مدور بھی کہتے ہیں، تفکر اور بصیرت کی نظر سے اللہ تعالیٰ کی تجلی کی طرف متوجہ رہے۔ ان شاء اللہ کوہ طور کی تجلی اس مقام پر جلوہ گر ہوگی۔ بیت

شعلہ نور قدم بر دل طورم تابید
سو ختم خاک شدم سوزنش جانم باقیست

شغل معراج

طالب اپنی ہستی کو حضرت سرور کائنات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہستی تصور کرے اور قوت خیال سے اپنے آپ کو مقام معراج میں کہ کمال عروج انسانی اور قرب حق سبحانہ تعالیٰ ہے کہ

پہنچا کر یقین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو دیکھتا رہے۔ اور وہاں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اَنَا اَنْتَ وَاَنْتَ اَنَا کا خطاب ہوا تھا ویسا ہی اللہ تعالیٰ سے سنتا رہے۔ حضرت امیر خسرو علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جان شدی
تاکس نہ گوید بعد ازین من دیگرم تو دیگری

شغل حضرت ابراہیم علیہ السلام

طالب حسب قاعدہ مراقبہ میں بیٹھے اور مانند حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام عالم کو افل (فانی) یقین کرے۔ اور آیت کریمہ ﴿لا اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ﴾ (یعنی میں نہیں دوست رکھتا فنا ہو جانے والوں کو) کے معنی کے مطابق اپنے قلب کو افلان یعنی کائنات کی محبت سے پاک کر کے بمصداق آیت کریمہ ﴿فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ (یعنی جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا) یقین کی نظر سے اللہ تعالیٰ کی طرف بالکل متوجہ ہو۔ جس طرح عالم ظاہر میں کسی شئے کو موجود جان کے انسان اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کو یقین کامل سے واحد، موجود اور باقی، جان کے اس کی طرف طالب کو متوجہ ہونا چاہئے اور اپنے کو بھی افل جان کر بمصداق آیت کریمہ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ (میں سب سے منہ پھیر کر اس ذات کی طرف متوجہ ہوتا ہوں) اپنے کو اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر جانے اور وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ (اور میں مشرکوں سے نہیں ہوں) کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کلمہ ہے، اپنے دل کے اندر رکھے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ واللہ خیر وابقی۔ (اللہ ہی بہتر اور باقی رہنے والا ہے) کی حقیقت ظاہر ہوگی۔

شغل محمدی صلی اللہ علیہ وسلم

طالب حسب قاعدہ مراقب بیٹھے اور یقین کامل سے تصور کرے کہ اپنی ہستی صورت

ظاہری محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور اپنی ہستی باطنی اللہ جل شانہٗ ہے اور اپنی ظاہری نظر پرہ بینی پر۔ جسکو مقام سلطانا نصیرا کہتے ہیں یا کہ دونوں ابروؤں کے درمیانی مقام پر جس کو مقاما محمودا کہتے ہیں رکھے اور اس تصور میں اپنے آپ کو مستغرق کردے، ان شاء اللہ باب رحمت وا ہوگا۔

شغل درود شریف

طالب اپنی ہستی کو ہستی محمد صلی اللہ علیہ وسلم تصور کرے اور درود شریف پڑھنے کے وقت تصور کرے کہ اللہ جل شانہٗ، حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر بواسطہ جبرئیل علیہ السلام صلوٰۃ وسلام بھیج رہا ہے اور طالب کی زبان جبرئیل علیہ السلام کا مقام ہے اس شغل کی برکت سے ان شاء اللہ تعالیٰ محبت اور ذوق وشوق میں ازدیاد اور رحمت حق کا ظہور ہوگا۔

طریق دیگر

سالک اپنے سینہ کی داہنی طرف مقام روح کو اللہ تعالیٰ کا عرش تصور کرے اور بائیں طرف مقام قلب کو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام سمجھے اور تصور کرے کہ اللہ جل شانہ عرش سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پہنچاتا ہے اور اس درود شریف کا نور ذات اطہر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر روح اور قلب کے درمیان جو راستہ ہے اس راستہ سے پہنچ رہا ہے۔ مراقبہ کرنے سے وہ نور جو روح اور قلب کے درمیان راستہ ہے ان شاء اللہ تعالیٰ ظاہر ہوگا۔

اُصول فنا

ہر شئے پر فنا ممکن ہے۔ پس سالک جس شئے پر فنا اسکو مقصود ہو۔ اس شئے کو اپنی ہستی خیال کرکے مراقب رہے۔ ان شاء اللہ فنا حاصل ہو جائے گی۔ جس طرح فنا فی العالم میں سالک سارے عالم کو اپنی ہستی ملاحظہ کرتا ہے اور اپنی ہستی کو سارے عالم میں ملاحظہ کرتا ہے اسی

طرح خلفائے راشدین میں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہستی اپنی ہستی تصور کر کے مراقب رہے۔ اسی طور سے جملہ خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم کی بھی فنا ہوسکتی ہے اور اگر کسی بزرگ کی خاص حالت کے ساتھ فنا مقصود ہو تو اسی حالت کے ساتھ اس بزرگ کی ہستی اپنی ہستی دھیان کر کے مراقب رہے۔ غیر اللہ کی محبت کم ہونے کے واسطے اکثر اوقات یہ مراقبہ کرے کہ سالک اپنے آپ کو قبر میں مردہ تصور کرے اور سمجھے کہ سارے عالم سے واسطہ منقطع ہوگیا ہے اور اب صرف رحمت الٰہی کا انتظار ہے۔ ان شاء اللہ رحمت ایزدی شامل حال ہوگی۔

بیس برس سے پہلے فنا نہیں ہوسکتی

اُصول فنا لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اگر کسی کو کسی بزرگ سے محبت کم ہو تو اس طریقہ سے محبت زیادہ ہوسکے گی ورنہ طریقت میں تو تین ہی فنائیں مقصود ہوتی ہیں۔ (۱) فنافی اللہ۔ (۲) فنا فی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ (۳) فنافی الشیخ۔ جو بیس برس کے اندر کسی کو حاصل نہیں ہوسکتی۔ طریقت میں اگرچہ فنافی اللہ اور فنافی الرسول اور فنافی الشیخ اصل ہے۔ لیکن اکثر فنافی الشیخ کی تعلیم کی جاتی ہے کیونکہ فنافی الشیخ کے بعد فنافی الرسول اور فنافی اللہ دونوں آپ ہی حاصل ہوجاتی ہے۔ مولانا روم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

چوں تو ذات پیر را کردی قبول
هم خدا در ذاتش آمد هم رسول

واضح ہو کہ رسالہ ''یادگارِ جہانگیری'' میں اس سلسلے عالیہ کے دیگر اشغال نیز حضرت سیدنا میر سید ابوعلیٰ قدس سرہ کے ارشاداتِ عالیہ کے تعلیمی معرفت کے باب میں نہایت واضح اور مشرح ہیں درج ہیں یہ رسالہ ۱۳۳۵ھ میں شائع ہو چکا ہے۔ اس کتاب کی گنجائش کے لحاظ سے اسی قدر پر اکتفا کیا گیا ہے۔

معمولاتِ شیخ

صوفیائے کرام کی اصطلاح میں معمولات شیخ ان امور کو کہتے ہیں جن کو شیخ نے اختیار کیا، مرید پر اپنے حضرت شیخ کے معاملات کو اختیار کرنا واجب اور لازم ہے لَا تَوْفِیْقَ اِلَّا بِاللّٰہِ.

اس سلسلہ عالیہ کے پیران عظام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نزدیک فرائض اورسنن کے بعد ذکر اور مراقبہ مذکورہ اور ان معمولات میں مشغول رہنا بہتر ہے (اس وقت تک کہ فنا حاصل ہو جائے)۔

اوارد:

(الف) سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ (۱۰۰مرتبہ). (ب) سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ أَکْبَرُ (۳۴مرتبہ)(ت) لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ یُحْیِی وَیُمِیْتُ بِیَدِہِ الْخَیْرُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (۲۰مرتبہ).

سید الاستغفار

(ث) اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُکَ وَاَنَا عَلٰی عَہْدِکَ وَوَعْدِکَ مَااسْتَطَعْتُ أَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ أَبُوْءُ لَکَ بِنِعْمَتِکَ عَلَیَّ وَأَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَاِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ.

سید الاستغفار ہر نماز پنجگانہ کے اختتام کے بعد اور دعا کے بعد ایک بار پڑھنے کا معمول شریف ہے۔ اور نماز عصر اور مغرب کے درمیان کم سے کم تین بار زیادہ جہاں تک ہو سکے۔

وظیفہ غوثیہ

(ج) المحيط الرب الشهيد الحسيب الفعال الخالق البارئی المصور. ۱۱مرتبہ.

چہل کاف

(ح) كفاك ربك كم يكفيك واكفةً. كفكا فها ككمين كان من كلكا. تكر كراً ككر الكرفى كبد. تجلى مشكشكة كلككلك لككا. كفاك مابى كفاك الكاف كربته يا كوكبا كان تحكى كوكب الفلكا.

جہاں تک ممکن ہو کم سے کم تین مرتبہ

ترجمہ چہل کاف: اے دل! جس پروردگار نے بہت مصیبتوں میں تیری کفایت (وحمایت) کی ہے وہ ہی پروردگار ان مصائب میں جو بھاری لشکر کی طرح گھات میں ہے، اب بھی تیری کفایت کرے گا (۲) ان مصائب میں تیرے لئے کافی ہوگا) جو مصائب کے پے در پے، (اور) سخت (اور) مضبوط رسی (کی مانند) اور نیزہ زن، مسلح لشکر اور فربہ اور قوی اونٹ کی طرح ظاہر ہوتے ہیں (۳) اے ستارے! (اے قلب روشن) جو آسمانی ستارے کی مانند (منور اور درخشاں) ہے (یقین رکھ! کہ)

تیرا رب (تیرا مولا) تمام پریشانیوں سے اب بھی، تجھے کفایت کرے گا جیسا کہ گذشتہ پریشانیوں میں (اس قادر وکریم نے) تیری کفایت کی،

(وَاللّٰهُ قَادِرٌ عَلٰى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ)

حل لغات چہل کاف:۔ واکفۃ۔ مصیبت ناگہانی یا بلائے آسمانی۔ کفکاک۔ روکنا،

پھیرنا، دفع کرنا۔ کمین ۔ گھات لگانا۔ کلکا۔ بڑا بھاری لشکر۔ تکر۔ بار بار حملہ کرتا ہے۔ کرا۔ بار بار حملہ کرنا۔ کری الکری۔ خوب بل کھائی ہوئی (اچھی طرح بٹی ہوئی) مضبوط، رسی۔ کبد۔ سختی ورشتی وتکلیف۔ تجلّی ظاہر ہوتا ہے۔ مشکشکۃ ۔ مسلح نیزہ زن، فوج ولشکر۔ ککلک ۔ خوب موٹا، اونٹ۔ للک ۔ گتھے ہوئے گوشت والا اونٹ، الکاف۔ مخفف الکافی۔ کفایت کرنے والا۔ کربۃ۔ سختی ودشواری۔ کوکب ستارہ۔ فلک۔ آسمان۔ تحکی ۔ مشابہت رکھتا ہے۔

ارشاد

ہمارے حضرت قبلہؒ کا ارشاد ہے کہ ہم چہل کاف بہت پڑھا کرتے تھے۔ ایک پیر بھائی نے کہا۔ (ہمارے والد ماجد) ''حضرت قدس سرہ چہل کاف بہت پڑھتے تھے۔''

درود شریف

(خ) اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ.

ہمارے حضرت قبلہؒ کا ارشاد ہے کہ ''درود شریف بعد عصر پڑھتے ہوئے پانچ سو مرتبہ پڑھنا چاہیے۔ یا کم سے کم تین سو مرتبہ۔''

درود شریف غوثیہ

(د) اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الطَّاھِرِ الزَّکِیِّ صَلٰوۃً تُحَلُّ بِھَا الْعُقَدُ وَتُفَکُّ بِھَا الْکُرَبُ صَلٰوۃً تَکُوْنُ لَکَ رِضًی وَلِحَقِّہٖ اَدَاءً وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ. گیارہ مرتبہ

(ذ) اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا الْغَوْثِ الْاَعْظَمِ.

معمولات شریف یہ ہیں:

(۱) پچھلی رات تہجد کی نماز گزارنا

(۲) بعدہ فجر تک ذکر و مراقبہ میں مشغول رہنا

(۳) نماز فجر کے بعد تھوڑی دیر مراقبہ کرنا

(۴) اس کے بعد تلاوتِ قرآن مجید

(۵) پھر دلائل الخیرات شریف بروایت علی حریری رحمۃ اللہ علیہ۔

ایک ارشاد

اسکے متعلق دربار عالی میں ایسا ارشاد ہوا ہے۔ ''جن مریدوں کو میرے استاد حضرت سید رضوان مرحوم و مغفور مدنی سے اجازت حاصل ہے، یا ان کے صاحبزادہ سے یا مولوی عبدالحق صاحب گورکھ پوری مکی سے اجازت ہے۔ ان کو میری طرف سے اجازت ہے۔ بار دیگر مجھ سے پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ ان کی اجازت عین میری اجازت ہے۔

(۶) بعدہ دعائے حزب البحر بروایت مولوری برہان صاحب فرنگی محلی لکھنوئی پڑھنا۔

(۷) پھر اس کے بعد نماز چاشت چار رکعتیں دو سلام کے ساتھ پڑھنی

(۸) پھر دینوی کاموں کو دیکھنا

(۹) دوپہر کو کھانا کھا کر فرصت ہو تو قیلولہ کرنا

(۱۰) بعد نماز ظہر امورات دینوی

(۱۱) بعد نماز عصر تسبیح پر اور عدم مذکورہ میں سے کسی ورد کو اور درود شریف کو ۳۰۰ مرتبہ شغل یا بے شغل پڑھنا ٹہلتے ہوئے۔

(۱۲) نماز مغرب کے بعد عشاء تک مراقبہ

(۱۳) عشاء کے بعد کھانا کھانا۔ مرید کو ان معمولات پر مداومت چاہئے۔

کار کن کار بگذار از گفتار

کاندرین راہ کار دارد کار

ایک دعا

حضرت قبلہؒ نے ارشاد فرمایا ''ہم کبھی کبھی یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْناً وَّاَمِتْنِیْ مِسْکِیْناً وَّاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنِ.

دعا نماز چاشت:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِیْمُ الْکَرِیْمُ. سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ. سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ. اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِکَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِکَ وَالْغَنِیْمَۃَ مِنْ کُلِّ بِرٍّ وَالسَّلَامَۃَ مِنْ کُلِّ اِثْمٍ، لَا تَدَعْ لِیْ ذَنْباً اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ، وَلَا حَاجَۃَ لِّیْ مِنْ حَوَائِجِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ اِلَّا قَضَیْتَھَا، یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ.

سورۃ مریم

سورہ مریم کا ورد بھی آپ کا رہا ہے۔ آپ نے اس سورہ شریف کو وظیفہ کے طور پر پڑھا

ہے، اور ترقی حافظہ کے لئے سورۂ یوسف کا پڑھنا، آپ نے ارشاد فرمایا ہے۔

نماز جمعہ

جمعہ کے دن آپ خانقاہ شریف میں وضو فرما کر (حجرہ شریف میں) دو رکعت ایک سلام کے ساتھ پھر چار رکعت سنت ایک سلام کے ساتھ ادا فرماتے اس کے بعد مسجد تشریف لے جاتے۔ اول داہنا قدم مبارک مسجد شریف میں رکھتے، پھر بایاں مسجد میں تشریف لا کر دو رکعتیں ادا فرماتے (غالباً تحیۃ المسجد) پھر چار سنت، پھر دو سنت، دو نفل ادا فرماتے۔ مسجد سے باہر تشریف لانے کے وقت اول بایاں قدم مبارک باہر رکھتے، پھر داہنا۔

عید الفطر

ارشاد فرمایا۔ ''تم نے عید الفطر کی نماز کتنی بار ہمارے ساتھ پڑھی ہے۔'' عرض کیا گیا۔ ''یاد نہیں۔'' فرمایا۔ ''دو بار'' پڑھی ہے۔ ارشاد ہوا۔ ''عید گاہ میں ہمارے ساتھ ایک علم جاتا تھا، پھر کئی علم لوگ لے جانے لگے ہم نے غور کیا اور منع کر دیا، اس لئے کہ حدیث شریف میں وارد ہے: کہ نیزہ پر ایک نشان لگایا جاتا تھا، (جو علم کے حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جایا کرتے تھے) پس ہم نے زیادہ کو منع کر دیا۔ ہم بہت ڈرپوک آدمی ہیں۔ خیال رکھنا، سمجھ کر رہنا۔ ہم بات کو بہت (سوچتے اور) بہت خیال کیا کرتے ہیں۔

نماز تراویح

نماز تراویح (بیس رکعات) آپ تمام ماہ صیام میں ادا فرماتے، اگر کوئی حافظ قرآن اس موقع پر حاضر ہوتے۔ تو محراب ختم قرآن ادا فرماتے۔ محراب جلد ختم ہونے پر بقیہ ایام ماہ صیام میں سورۂ تراویح یوں ادا فرماتے۔ کہ اَلَمْ تَرَ کَیْفَ سے قُلْ یٰاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ تک ایک رکعت

میں اَلَمْ تَرَ کَیْفَ اور دوسری میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اس طرح دس رکعتیں ادا فرماتے۔اس کے بعد چھ رکعتوں میں (ہر رکعت میں) قل ھو اللہ پڑھتے گویا اس طرح ۱٦ رکعتیں ہوئیں۔اس کے بعد دو رکعتوں میں اِذَا جَاءَ اور تَبَّتْ یَدَا اور دو رکعتوں میں سورۂ فلق اور سورۂ ناس پڑھ کر نماز تراویح کو پورا فرماتے، اس کے بعد وتر با جماعت ادا فرماتے۔اول رکعت میں اِنَّا اَنْزَلْنَا۔دوسری میں قُلْ یٰاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ تیسری میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ۔معمول تھا۔بعد وتر دو رکعت نماز تشویع الوتر۔کبھی بیٹھ کر ادا فرماتے۔اور کبھی نہیں۔

اصول طریقت

ارشاد فرمایا: ہمارے طریقہ کا اصول معلوم ہے کہ کیا ہے۔(۱) فنا فی الشیخ (۲) فنا فی الرسول (۳) فنا فی اللہ۔یہ اشغال سہ گانہ اصل ہے۔ان کے علاوہ جو اذکار و اشغال ہیں وہ سب ان کے حواشی ہیں۔تعلیم فنا ان میں بھی ہے۔مگر اسے ابھی نہیں سمجھو گے۔

لطائف

فرمایا اس سلسلے میں لطائف وغیرہ کے جھگڑے نہیں ہیں۔ایک شخص نے ہم سے لطائف کے متعلق پوچھا ہم نے جواب دیا۔قادریہ شریف۔چشتیہ شریف۔اور قدیم نقش بندیہ شریف میں لطائف کا کوئی ذکر نہیں۔

جامع اور مکمل تعلیم

ان اشغال سہ گانہ، (فنا فی الشیخ، فنا فی الرسول، فنا فی اللہ) سے بہتر اور برتر دنیا میں کوئی شغل نہیں ہے۔(اپنے خادموں سے فرمایا) ابھی تم لوگ یہ نہیں سمجھتے۔کہ (اس سہ گانہ) شغل اور دیگر اشغال کا نتیجہ اور اثر کیا اور کہاں تک ہے؟۔دوسرے جس قدر اشغال ہیں۔وہ سب، ان

تین شغلوں میں سے کسی نہ کسی میں آ کر درج ہو جاتے ہیں۔

شغل آفتابی

ایک شغل آفتابی ہے۔ ''مثنوی گنج راز'' میں بھی شغل آفتابی کو لکھا ہے۔ اس کو اکثر ہنود اور مجازی لوگ کرتے ہیں اور مجذوب بھی کرتے ہیں اور سالکوں میں (اس شغل کا رواج) نہیں سنا گیا۔ مگر صفی پور کے مشائخ یہ شغل کرتے ہیں۔ آفتابی و ماہتابی شغل وہ کرے جو اپنے پیر و مرشد کے چہرہ کو آفتاب سے کم جانے۔ شغل آفتابی میں شاغل فنافی الشّمس ہو جائے گا، لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ کون شغل ذاتی اور مقصود ہے اور کون (بالذات مقصود نہیں) بلکہ (مقصود کی) استمداد و اعانت کے لئے کیا جاتا ہے۔ آفتاب میں اگر چہ روشنی ہے، مگر ملاحت کہاں ہے؟

نور پیدا ہے جمال یار کے سایہ مکے
شمس شرمندہ رخ دلدار کے سایہ تلے

اسم ذات کا نقش طلائی

''مثنوی گنج راز'' میں ایک شغل لکھا ہے کہ اسم ذات (اللہ) کو نقرئی یا طلائی، روشنائی سے منقش کر کے مشق کیا کرے۔ فرمایا ''مشق اور ملاحظہ کی وجہ سے قدر نظر جم جائے گی کہ جس طرف نظر جائے گی کثرت ملاحظہ سے اسی اسم کا مشاہدہ ہوگا۔ اگر چادر سفید، شکن دار پر بھی نظر پڑے گی تو معلوم ہوگا کہ وہ ہی لکھا ہے اور ہر طرف وہی وہ نظر آئے گا''۔

اس شغل کی نسبت بھائی شیر علی نے عرض کیا! ''حضور نے کیا ہے؟''۔ فرمایا: ''میں نے نہیں کیا۔ تمام شغل کرنے سے کچھ نہ ہوگا۔ دوام بس ایک ہی شغل کرتا رہے۔ اللہ تعالیٰ جب اس شغل کا کامل انکشاف کردے گا تو تمام شغل و اشغال کی ماہیت اور باریکی معلوم ہو جائے گی، دیگر

تمام اشغال ہیچ معلوم ہوں گے۔ سب (شغل) کرنے سے ایک بھی نہ ہوگا۔ اذکار واشغال بہت ہیں۔ مگر ہم کو اپنے پیران طریقت کے فرمان پر عمل کرنا چاہئے اور اس فرمودہ میں جس شغل پر زیادہ ذوق وشوق معلوم ہو یا جس شغل کا اشارہ ہو، اس کے دوام کی سعی وکوشش کرنی چاہئے۔ مختلف اذکار واشغال کی طرف متوجہ نہ ہونا چاہئے۔ ایک ہی ذکر وشغل کافی ہے۔ دو ایک تو بن پڑتے نہین ہیں۔ بہت سے کر کے کیا کریں گے۔

علم شطار است برتر، ذات باری بے نیاز

ریاضت صرف رضائے مولیٰ کے لئے

ارشاد ہے کہ: ''خواہشات نفسانی سے ریاضت کرنی گمراہی ہے۔ محض عبادت کی نیت سے عبادت کرنی، یہ منصب اولیاء اللہ کا ہے جو ریاضت کہ تحصیل مراتب ودرجات کے لئے ہوگی۔ وہ بالکل دنیا ہے اور جو عبادت وریاضت کہ محض رضائے مولیٰ کے واسطے ہو۔ وہ ہمارا راستہ ہے، جس میں یہ بات نہیں۔ وہ سمجھ لے کہ اس نے (خدا کا) راستہ نہیں پایا''۔

بہترین ذکر وشغل

فرمایا تمام شغل میں فلاں...... شغل بہتر ہے اور (اذکار میں) ذکر نفی واثبات اولیٰ ہے۔ پاس انفاس کی مداومت اور تھوڑ اذکر چار ضربی کر لیا کرے۔

حرفِ آخر

احسان مند ہیں اس ربِ جلیل کے کہ جس نے ہم جیسے بے علم کو علم عطا کیا اور اپنے علم سے ہماری رہبری فرمائی اور یہ کتاب پایہ تکمیل کو پہنچی اور شکر گذار ہیں اپنے پیرو مرشد کے کہ جنہوں نے قدم قدم پر خدا کے حکم سے روحانی ذرائع سے ہماری مدد فرمائی۔ ہم ایک مرتبہ پھر ان فاضل بزرگوں کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ جن کی نادر روزگار کتابوں سے استفادہ کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے۔

قارئین کرام!

اس قسم کی کتابیں لکھنے کیلئے بہت تحقیق کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے لئے بہت سی مستند تواریخ اور سلف الصالحین کی تصنیف کردہ کتابوں کا مطالعہ بھی بہت ضروری ہے۔ ہم کراچی یونیورسٹی کی ڈاکٹر محمود حسین لائبریری کی انچارج اور ان تمام دوستوں کے بے حد مشکور ہیں کہ اس سلسلے میں انہوں نے مکمل تعاون کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس کارِ خیر کا اچھا اجر عطا فرمائے۔

تمام مسلمانانِ عالم اور خصوصاً اہل سلوک اور سلسلہ عالیہ کے مریدین وخلفاء حضرات کے لئے دُعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا کرے، اور متقی و پرہیز گار بنادے اور حضور سرکار دو عالم کی شریعت وطریقت پر استقامت کے ساتھ چلنے اور کتاب اللہ کے احکامات پر صحیح طریقے سے کاربند ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہمارے علم وفضل عقل وشعور میں وسعت اور عمل میں ترقی عطا کرے اور ہم کو اپنیحقیقت وآگہی سے روشناس کرے۔ آمین

وما علینا الا البلاغ المبین

بندۂ ناچیز

اپنی حقیقت

سید نایاب علی شاہ علوی یعقوبی

یکم نومبر 2012ء

قرآن شریف کے بعد جن کتابوں سے استفادہ کیا گیا۔

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
1	صحیح بخاری شریف	حضرت ابوعبداللہ محمد اسماعیل بخاریؒ
2	صحیح مسلم شریف	حجۃ الاسلام ابوالحسن مسلم بن الحجاج الکیشری نیشاپوریؒ
3	سنن داؤد	حضرت ابوداؤد سلیمان بن الاسقف بجستانیؒ
4	سنن نسائی	حضرت ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائیؒ
5	سنن ابن ماجہ	حضرت ابوعبداللہ محمد بن یزید الکثر وبنی ابن ماجہؒ
6	مستدرک الحاکم	حضرت قاضی ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم نیشاپوریؒ
7	تفسیر فتح الباری	شرح بخاری انور شاہ کشمیریؒ
8	تفسیر کنز العمال	
9	مسند احمد بن حنبل	حضرت امام احمد بن حنبلؒ
10	تاریخ الخلفاء	حضرت مولانا جلال الدین سیوطیؒ
11	کتاب الخراج	حضرت قاضی ابویوسفؒ
12	کیمیائے سعادت	حضرت امام محمد غزالیؒ
13	تاریخ طبری	حضرت ابن جریر طبریؒ
14	بستان العارفین	حضرت امام نوویؒ
15	بہجۃ الاسرار	حضرت نور الدین ابوالحسنؒ
16	تفسیر ابن کثیر	حضرت حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ
17	تذکرۃ الاولیاء	حضرت شیخ فرید الدین عطارؒ

18	غنیۃ الطالبین	حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ
19	فوائدالفوائد	حضرت علامہ علاء الحسن سلجیؒ
20	مثنوی مولانا روم	حضرت مولانا جلالدالدین رومیؒ
21	تاریخ فیروز شاہی	حضرت مولانا ضیاءالدین برنیؒ
22	سیرت فخر العارفین	حضرت حکیم سید سکندر علی شاہ کانپوریؒ
23	تاریخ الکامل	ابن اثیر
24	طبقات ابن سعد	ابن سعد
25	نگاریزداں	حضرت مولانا ظہیر احمد سہسپوری و مولانا قمرالدین سیوہاروی
26	تاریخ اسلام	شاہ معین الدین ندوی
27	تاریخ اسلام	مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی
28	سیرت عمر بن عبدالعزیز	علامہ ابن جوزیؒ
29	کشف المحجوب	حضرت علی بن عثمان جلالی الجویری المعروف حضرت داتا گنج بخشؒ
30	عجائب القرآن مع غرائب القرآن	
31	تاریخ ہند	ای مارسڈن مترجم لا لہ جیہ رام بہ خلیفہ عمادالدین
32	دعوت اسلامی	پروفیسر ٹی ڈبلیو آرنالڈ مترجم ڈاکٹر عنایت اللہ
33	تاریخ ملت عربی	پروفیسر ایف کے ہٹی مترجم مولوی سید ہاشمی
34	صلاح الدین	لین پول
35	اللہ کے سفیر	خان آصف
36	سفیران حرم	خان آصف
37	تہذیب الکمال	

38 استیعاب واسد الغابہ

39 شان یعقوبی — سید نایاب علی شاہ یعقوبی

40 حضرت خواجہ یعقوب علی شاہ — سید نایاب علی شاہ علوی یعقوبی

41 ترمذی شریف — امام ابو عیسیٰ محمد عیسیٰ ترمذی

42 مشکوٰۃ شریف

43 شعب الایمان — امام بیہقی

کلام نایاب

عشق کی ہے کتاب تو یا حسن عالم تاب تو
چہرہ ہے مثل گل تیرا مانند اک گلاب تو

تو ہے فلک کی کہکشاں یا اس کا ماہ تاب ہے
تجھ سا حسیں کوئی نہیں ہے حسن لاجواب تو

پردوں میں ہے چھپا ہوا وہ حسن لازوال ہے
اس حسن بے مثال کا عالم میں ہے جواب تو

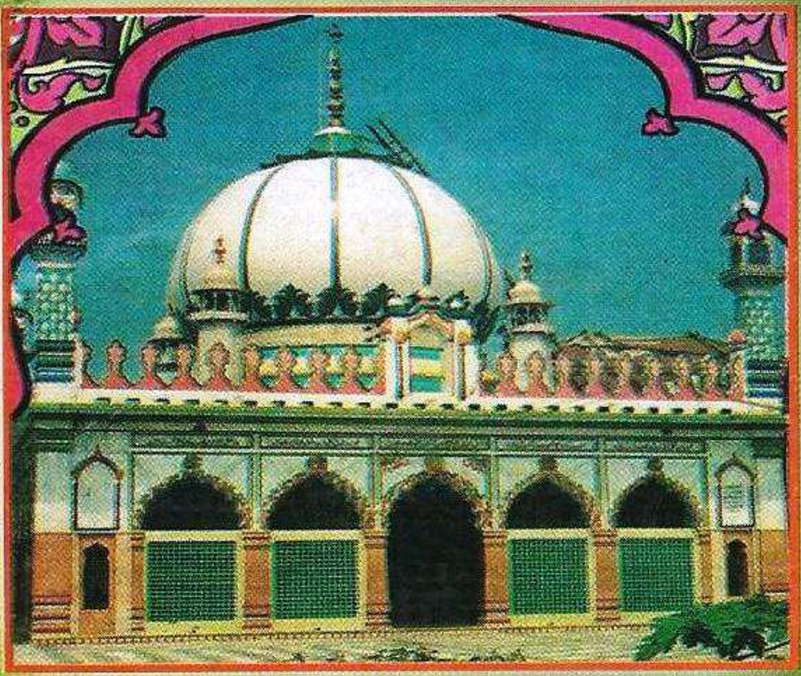
ہے میکدہ تیرا وجود یا کہنہ مے کا جام ہے
جس کا نشہ ختم نہ ہو ایسی ہے وہ شراب تو

ایسا حسیں صنم ہے جو عالم میں بے مثال ہے
دیکھا کروں نہ کیوں تجھے صانع کا انتخاب تو

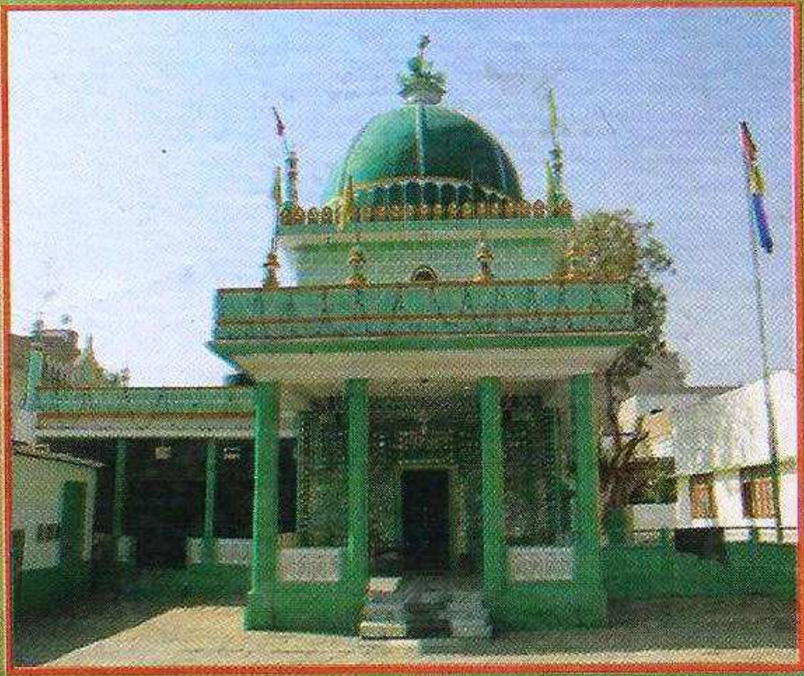
حسن ازل بھی ہے مکین تیرے ہی حسن ناز میں
بے حجاب حسن تیرا ہے اس حسن کا حجاب تو

میں کیا کہوں کیسے کہوں تو ہی بتا دے کیا کہوں
مقتول ناز حسن ہوں دے دے کوئی خطاب تو

نایاب ذرہ حقیر پھر بھی چمک رہا ہے تو
تجھ کو جو روشنی ملی ہے زیر آفتاب تو



حضرت صوفی خواجہ محمد حسنؒ شاہ صاحب
قادری چشتی نقشبندی ابوالعلائی جہانگیری



درگاہ حضرت خواجہ صوفی محمد یعقوب علی شاہ حسنیؒ
قادری چشتی نقشبندی ابوالعلائی جہانگیری